ماھنامہ

حنا

جولائی 2016

July 2016

اہم اِلتماس

معزز قارئین ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں کے PDF فائل میں پہلے سے زیادہ گھرے Watermarks استعمال کیے گئے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کے کچھ اور ویب سائٹ مالکان نے ہماری فائلز کے Watermarks صاف کر کے اپنی ویب سائٹس پر Upload کرنا شروع کر دیا تھا جس سے ہماری محنت ضائع ہوتی ہے۔ اُمید ہے کے آپ ہماری مجبوری کو سمجھتے ہوئے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمائیں گے۔ شکریہ

ہر گھر کیلئے

ماھنامہ حنا

جلد 38 شمارہ 7
جولائی 20016ء
قیمت-/60روپے

عید مبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس:
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

اہم اِلتماس

معزز قارئین ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں کے PDF فائل میں پہلے سے زیادہ گھرے Watermarks استعمال کیے گئے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کے کچھ اور ویب سائٹ مالکان نے ہماری فائلز کے Watermarks صاف کر کے اپنی ویب سائٹس پر Upload کرنا شروع کر دیا تھا جس سے ہماری محنت ضائع ہوتی ہے۔ اُمید ہے کے آپ ہماری مجبوری کو سمجھتے ہوئے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمائیں گے۔ شکریہ

مستقل سلسلے

کچھ ہماری باتیں

قارئین کرام! جولائی 2016ء کا شمارہ بطور "عید نمبر" پیش خدمت ہے۔

ہر قوم اور مذہب کے لوگوں کے کچھ تہوار ہوتے ہیں جن میں وہ اپنے اپنے انداز سے خوشی مناتے ہیں لیکن مسلمانوں کے تہواروں کا انداز ہی جداگانہ ہے۔ ان میں عبودیت اور تشکر کے رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آواری اور اس کی مہربانیوں پر اظہار تشکر۔

عید الفطر مسلمانوں کا مذہبی تہوار ہے۔ ماہ رمضان کی عبادت و ریاضت کے بعد مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام اور خوشیوں بھرا تحفہ عید ہے۔ عید ہمارے احتساب کا دن بھی ہے کہ رمضان المبارک میں کون کون سی کوتاہیاں ہم سے سرزد ہوئیں اور ان کوتاہیوں کا کفارہ ہم کیسے ادا کر سکتے ہیں۔

عید کی خوشیوں میں ان لوگوں کا بھی خیال رکھیں جو آسائشات و ضروریات سے محروم ہے۔ ہمارے اردگرد بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو اس تہوار کو منانے کی استطاعت نہیں رکھتے ہوں گے۔ ممکن ہے ہماری تھوڑی سی مدد ان کے لئے خوشی کا باعث بن جائے۔ کیونکہ عید کی خوشی تب ہی مکمل ہو سکتی ہے جب ہر دل مسرور ہو ہر چہرے پر مسکراہٹ جگمگائے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ ہماری اور آپ کی عبادتوں کو قبول فرمائے اور عید کی خوشگوار ساعتیں ان گنت خوشیوں اور حقیقی مسرتوں کا پیغام لے کر آئے۔ وطن عزیز کے ہر گوشے میں امن و امان ہو عافیت ہو اور ہر گھر کے آنگن میں عید کا دن خوشیوں کا سورج لئے طلوع ہو آمین۔

قارئین کو ادارہ حنا کی جانب عید مبارک۔

عید نمبر 2:۔ عید نمبر کے لئے جو تحریریں تاخیر سے موصول ہوئیں وہ آئندہ ماہ شائع کی جائیں گی یوں اگست کا شمارہ عید نمبر 2 ہوگا۔

اس شمارے میں:۔ مصنفین سے عید سروے، نایاب جیلانی، اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناول، اُم ایمان اور سباس گل کے مکمل ناول، شبانہ شوکت اور صدف آصف کے ناولٹ، ثوبیہ نور العین، سیما بنت عاصم، روبینہ سعید اور مصباح علی کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ
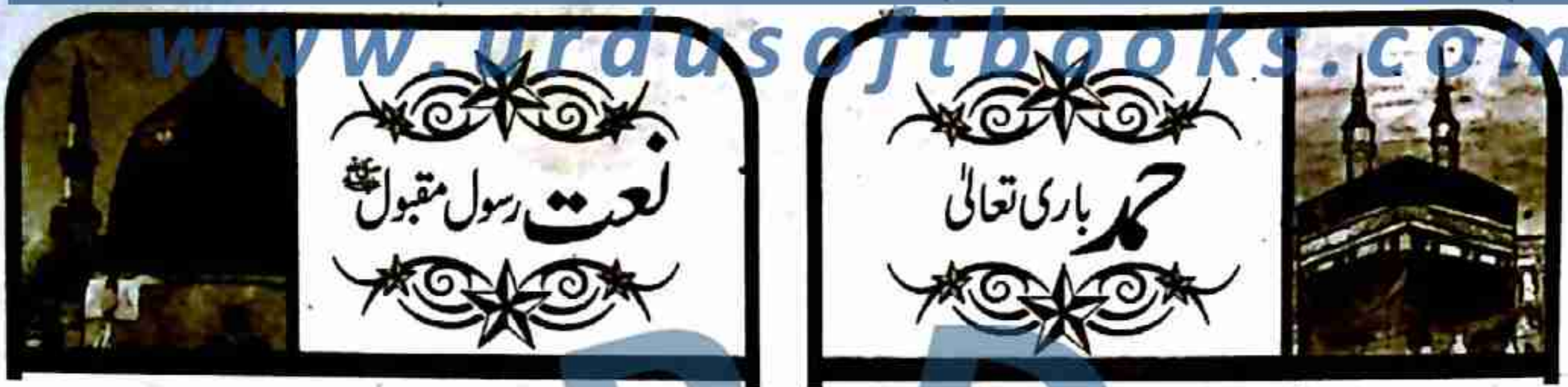
دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادارک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اپنوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے عرش و فرش
جلوہ وگر نہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر گر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

نعت رسول مقبول ﷺ

ہے تیری ذات میں اسوۂ سب کے لئے
تو ہے اسوۂ حسن تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے ختم الرسل تو ہے خیر البشر
تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دوارض و سماء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر سخاء تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نہ تجھ پہ فدا ہو دل و جاں مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

منیر عالم

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

عیدین میں اذان اور اقامت

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دونوں عیدوں کی نماز کئی بار بغیر اذان کے اور بغیر اقامت کے پڑھی۔ (صحیح مسلم)

عیدالفطر میں صدقہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز فطر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب کے ساتھ گیا تو ان سب بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ نماز، خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے اور اس کے بعد خطبہ پڑھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے یعنی خطبہ پڑھ کر، گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں، جب انہوں نے لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کرکے بٹھانا شروع کیا پھر ان کی صفیں چیرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت پڑھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے فارغ ہوئے اور پھر فرمایا کہ تم نے ان سب کا اقرار کیا کہ اس میں سے ایک عورت نے کہا کہ "ہاں اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!" راوی نے کہا کہ معلوم نہیں وہ کون تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "صدقہ کرو" پھر انہوں نے صدقہ دینا شروع کیا اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلایا اور کہا کہ "لاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں" اور وہ سب چھلے اور انگوٹھیاں اتار اتار کر سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ (صحیح مسلم)

نماز عید میں کیا پڑھیں

عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اضحیٰ اور فطر میں کیا پڑھتے تھے؟" انہوں نے کہا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں ق و القرآن المجید اور اقتربت ساعۃ وانشق القمر پڑھتے تھے۔" (صحیح مسلم)

عورتوں کی نماز عید

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا کہ ہم عید الفطر میں اور عید الاضحیٰ میں اپنی کنواری جوان لڑکیوں کو اور حیض والیوں کو اور پردہ والیوں کو لے جائیں، پس حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور اس کار نیک اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی،"

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کی بہن اسے اپنی چادر اوڑھا دے۔" (صحیح مسلم)

عید کے دن تفریح

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر آئے اور میرے پاس دو لڑکیاں بعاث کی لڑائی کے گیت گا رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچھونے پر لیٹ گئے اور اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور مجھے جھڑکا کہ "شیطان کی تان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ "ان کو چھوڑ دو" (یعنی گانے دو) پھر جب وہ غافل ہو گئے تو میں نے ان دونوں کے چٹکی لی کہ وہ نکل گئیں اور وہ عید کا دن تھا اور سوڈان ڈھالوں اور برچھوں سے کھیلتے تھے، سو مجھے یاد نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی تھی یا انہوں نے خود فرمایا کہ "کیا تم اسے دیکھنا چاہتی ہو؟"

میں نے کہا کہ "ہاں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ "اے اولاد ارفدہ! تم اپنے کھیل میں مشغول رہو۔"

یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "بس؟"

میں نے عرض کیا کہ "ہاں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جاؤ۔" (صحیح مسلم)

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو رمضان کے روزے رکھے اور اس کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو ہمیشہ کے روزوں کا ثواب ہوگا۔" (پورے سال کے رزوں کا ثواب ہوگا) (صحیح مسلم)

عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت

ابن ازہر کے غلام ابوعبید سے روایت ہے کہ میں عید میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور آپ آئے اور نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے اور لوگوں پر خطبہ پڑھا اور کہا کہ۔

"یہ دونوں دن ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان (دونوں دنوں) میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور آج کا یہ دن رمضان کے بعد تمہارے افطار کا ہے اور دوسرا دن ایسا ہے کہ تم اس میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔" (مسلم)

عید فطر کے دن

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن جب تک کچھ کھجوریں نہ کھا لیتے نماز کے لئے نہ جاتے۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی حدیث بیان کی اس میں یہ ہے کہ آپ طاق کھجوریں کھاتے، (بخاری شریف)

عید کی نماز کے لئے سویرے جانا

عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ملک شام میں امام کے دیر سے نکلنے پر اعتراض کیا اور) کہا اس وقت تو ہم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے یعنی جس وقت نفل پڑھنا درست ہوتا ہے۔ (بخاری شریف)

سب مسلمان بھائی ہیں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد مت کرو، لاڑیا پن مت کرو اور ایک دوسرے سے دشمنی مت کرو اور تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، پس نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو ذلیل کرے نہ اس کو حقیر جانے، تقویٰ اور پرہیزگاری یہاں ہے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کیا (یعنی ظاہری عمدہ اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں ہوتا، جب تک اس کا سینہ صاف نہ ہو) اور آدمی کو یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت اور آبرو۔'' (مسلم)

تقویٰ کی اہمیت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھے گا۔'' (مسلم)

پردہ پوشی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈال دیتا ہے تو آخرت میں بھی پردہ ڈالے گا۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کا عیب چھپائے گا۔ (مسلم)

ساتھ بیٹھنے والوں کی سفارش کے بیان میں

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی شخص ضرورت لے کر آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سے فرماتے۔

''تم سفارش کرو، تمہیں ثواب ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو اپنے پیغمبر کی زبان پر وہی فیصلہ کرے گا جو چاہتا ہے۔'' (مسلم شریف)

قیامت کے دن

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور ان کا دکھ کا عذاب ہے، ایک تو بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرے جھوٹا بادشاہ، تیسرے مغرور محتاج۔''

اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانا

سیدنا جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص بولا۔

"اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا۔" میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کردیئے۔

بدگمانی

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اجازت دو، یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے، جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت میں وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔"

درگزر کرنے کے بیان میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کردیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔"

مسلمانوں کو ایذا پہنچانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور جو لوگ مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (ایسا) کام کیا ہو (جس سے وہ سزا کے مستحق ہو جائیں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔" (احزاب)

ف:۔ اگر ایذا زبانی ہے تو بہتان ہے اور اگر عمل سے ہے تو صریح گناہ ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "بڑی تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کرلیں تو پورا لے لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کردیں تو کم کردیں، کیا ان لوگوں کو ان کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے، جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے (یعنی اس دن سے ڈرنا چاہیے اور ناپ تول میں کمی سے توبہ کرنی چاہیے) (مطففین)

عیب تلاش کرنا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

"اگر تم لوگوں کے عیب تلاش کروگے تو ان کو بگاڑ دو گے۔" (ابوداؤد)

ف:۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب کو تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بحث

کی برائیاں پیدا ہوں گی اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرأت کرنے لگیں، یہ ساری باتیں ان میں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔ (بذل المجہود)

مسلمانوں کو ستانا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو عار نہ دلایا کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ تلاش کیا کرو۔'' (ابن حبان)

راستہ بند کرنا

حضرت انس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا، وہاں لوگ اس طرح ٹھہرے کہ آنے جانے کے لئے راستہ بند ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرنے کے لئے ایک آدمی بھیجا کہ جو اس طرح ٹھہرا کہ آنے جانے کا راستہ بند کر دیا، اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ (ابوداؤد)

مسلمان کو تکلیف دینا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جس شخص نے کسی مسلمان کی پیٹھ کو ننگا کر کے ناحق مارا، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

مفلس کون ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے (ارشاد فرمایا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

''ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم (پیسہ) اور (دنیا کا) سامان نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کا مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، پھر اگر وہ دوسرے کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو (ان کے حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔'' (مسلم)

☆☆☆

کل کا کام آج پر نہ ڈالو

ابن انشا

جب ہمارے دوستوں کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ کو خواتین ڈائجسٹ کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا ہوگا۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تو ہم نے عذر کیا کہ۔

"پہلی کو تو ہم کچھ نہیں کرتے۔ بس بال کٹاتے ہیں۔ مالش کراتے ہیں۔ فلموں' جائیدادوں اور سیکنڈ ہینڈ کاروں کے اشتہارات دیکھتے ہیں۔ بہت مصروف دن ہوتا ہے ہمارا۔"

"تو کسی اور دن لکھ دیا کیجئے۔ ہمارا پرچہ مہینے میں ایک روز آئے گا۔"

کیا نام رکھا ہے آپ نے پرچے کا؟"

"خواتین ڈائجسٹ۔"

"اگر میں غلطی پر نہیں تو یہ پرچا آپ عورتوں کے لیے نکال رہے ہیں۔"

"آپ بہت ذہین آدمی ہیں۔ آپ نے صحیح سمجھا۔"

"لیکن میں تو عورت نہیں ہوں۔"

"ہمیں معلوم ہے۔"

"مجھے کھانا پکانے کی ترکیبیں بھی نہیں آتیں کہ آپ کے لیے کریلوں کے حلوے' بھنڈی کے قورمے یا بینگن کی کھیر کے موضوع پر کچھ لکھ سکوں۔ انڈا البتہ ابال لیتا ہوں۔"

"کوئی مضائقہ نہیں۔ ہمارے ہاں دسترخوان یا ہنڈکلیا کا کالم اگر ہوا تو اسے کوئی خانہ دار خاتون لکھیں گی۔"

"تو پھر آپ مجھ سے کشیدہ کاری کے نمونوں کی فرمائش کریں گے۔ اس میں بھی میں کورا ہوں۔"

"یہ بھی ہمیں معلوم ہے۔"

"اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں راتوں کی نیند حرام کرنے والا کوئی ناول آپ کے لیے قسط وار لکھ سکوں گا۔ تب بھی آپ غلطی پر ہیں۔"

"آپ کو ایسی کوئی چیز لکھنے کی زحمت نہ دی جائے گی۔"

اب ہم نے بچ نکلنے کا آخری حربہ استعمال کیا۔

"آپ سے ہمارا اصولی اختلاف ہو جائے گا کیونکہ ہم مردوں اور عورتوں کے لیے برابر حقوق کے حامی ہیں۔"

"اطمینان رکھیے ہم بھی ہیں۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔ ورنہ بالعموم ہمارے معاشرے میں مرد کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ یہ بھی ایک خاصی ضروری مخلوق ہے۔"

"جی ہاں۔ ہم جانتے ہیں۔"

"اچھا۔ (تمہاری) اپنی بات۔"

اس وقت تو ہم بہت خوش ہوئے کہ اپنی بات منوالی۔ لیکن اب ہماری مثال ان نو آزاد ملکوں کی سی ہے جن کو آزادی مل جاتی ہے تو سوچتے ہیں کہ اب ہم کیا کریں! کم از کم لنکا کے ساتھ یہی ہوا کہ انگریز بہادر نے پاکستان اور ہندوستان سے رختِ سفر باندھا اور در و دیوار پر حسرت کی نگاہ ڈالتے ہوئے رخصت ہوا تو لنکا سے بھی کہا کہ آج سے تم بھی آزاد۔ جب مکان ہی چھوڑ دیا تو اس کا غسل خانہ رکھ کر کیا کریں گے۔ اس پر لنکا والے بہت بھنائے کہ صاحب یہ کیا بے مروتی ہے۔ آپ کو ابھی کچھ دن اور حکومت کرنا ہوگی۔ لیکن انگریز نہ مانے۔ جلسے جلوس بھی ہوئے' ہڑتالیں بھی ہوئیں کہ کچھ دہشت پسندوں نے بم وغیرہ بھی پھینکے اور "لنکا سے مت جاؤ۔" کے نعرے بھی خوب لگے۔ لیکن یہ سامراجی ممالک لاتوں کے بھوت ہیں' باتوں کے نہیں اور غریب لنکا کے پاس اتنی طاقت کہاں تھی کہ بزوران کو روکتا۔ خون کے سے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

ہمارے سامنے بھی اسی قسم کا مسئلہ ہے کہ لکھیں تو کیا

لکھیں۔ دیکھا جائے تو آخر عورتوں کے کتنے مسائل ہیں جو مردوں سے الگ ہیں۔ کھانا پکانا' بٹن لگانا' موزے سینا' بچوں کے منہ دھلانا' کپڑے بدلنا وغیرہ' اکثر گھروں میں بے شک مرد کرتے ہیں تاکہ عورتوں کی مجلسی سرگرمیوں میں رکاوٹ نہ پڑے اور ہمسایوں سے ان کے میل ملاقات میں فرق نہ آئے' لیکن عورتوں کو بھی اس کی کچھ ممانعت نہیں۔ فلمیں دیکھنے میں بھی دونوں برابر ہیں' اگرچہ اس کی اصل صلاحیت اللہ تعالٰی نے عورتوں ہی کو ودیعت کی ہے۔ روپے پیسے کے معاملے میں البتہ مدت سے تقسیم کار ہوچکی ہے۔ نہ عورتیں کمانے میں دخل دے سکتی ہیں نہ مرد خرچ کرنے میں۔ جس کا کام اسی کو ساجھے۔ روپے کمانے کے بارے میں ہمارا ذاتی تجربہ بہت کم ہے' یوں بھی بازار میں ایسی کتابیں مل جاتی ہیں جن کی مدد سے انسان راتوں رات لکھ پتی بن سکتا ہے۔ ہم خود کو روپے خرچ کرنے (یا نہ کرنے) کے موضوع تک محدود رکھیں گے۔ بالخصوص اس لیے کہ ہمارا ذاتی اور طویل تجربہ اسی میدان میں ہے۔

سب سے زرین اصول یہ ہے کہ جو کام کل ہو سکتا ہے۔ اسے آج پر نہ ڈالو۔ اور جو چیز کہیں اور مل سکتی ہے اسے سامنے کی دکان سے نہ خریدو۔ ہم فلم دیکھنے میں بالعموم یہی اصول برتتے ہیں۔ شروع کے تین دنوں میں تو ہم رش سے گھبراتے ہیں۔ تاکہ جن کو دیکھنا ہے دیکھ لیں۔ اور بھیڑ چھٹ جائے۔ پھر کے بعد ہم حساب لگاتے ہیں کہ ابھی چار روز اور ہیں۔ کسی بھی دن دیکھ لیں گے۔ دو تین دن ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں لگ جاتے ہیں کہ میٹنی شو دیکھنا مناسب ہوگا یا رات کا۔ حتی کہ اخبار میں فلم اترنے کا اعلان آجاتا ہے۔ شیطان کے جن کاموں کو ہم برا جانتے ہیں ان میں تعجیل بھی ہے۔ فلم اب نہ دیکھی پھر آئے گی تو دیکھ لی جائے گی۔ نتیجہ یہ کہ اس وقت تمام اچھی فلمیں ہماری ویٹنگ لسٹ پر ہیں کہ دوبارہ آئیں تو دیکھی جائیں۔ کپڑوں کے بارے میں بھی یہی قیمتی اصول ہمارے پیشِ نظر رہتا ہے۔ پاکستان میں صنعتیں برابر ترقی کررہی ہیں۔ ہر سال نئے نئے اور بہتر ڈیزائن کے کپڑے بازار میں آتے ہیں۔ اگر ہم بالفرض گزشتہ سال سوٹ سلوا لیتے' تو آج افسوس ہوتا۔ آج سلوالیں تو اگلے برس افسوس ہوگا۔ انسان ایسا کام ہی کیوں کرے جس میں بعد ازاں افسوس کا اندیشہ ہو۔

1961ء میں کنٹرول ریٹ پر ایک کار مل رہی تھی۔ پھر وہ نہ ملی' کیونکہ دکاندار ہمارے اصول سے واقف نہ تھا' اس نے بیچنے میں جلدی کی۔ اگر کہیں اس وقت یہ کار ہم خرید لیتے تو اس وقت چار سال پرانی ہوتی۔ کوئی آدھے داموں بھی نہ پوچھتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کفایت شعاری اور جزرسی' جسے فضول خرچ لوگ خست کا نام دیتے ہیں۔ اللہ کی دین ہے۔ تاہم ایسی مثالیں بھی ہیں کہ انسان کوشش سے یہ ملکہ حاصل کرلیتا ہے۔ ان میں سب سے روشن مثال خود ہماری ہے۔ ابھی چند سال پہلے تو ہم کبھی کبھار کوئی چیز خرید بیٹھتے تھے اور ظاہر ہے کہ آخر میں پچھتاتے تھے۔ آخر ایک روز اپنے دوست ممتاز مفتی سے جو ہمارے ساتھ کام کرتے تھے۔ ہم نے گزارش کی کہ ہمارے ساتھ ایک نیکی کیجیے۔

بولے "کہو کیا بات ہے۔ کچھ قرض چاہیے؟"

ہم نے کہا "جی نہیں۔ وہ تو روز چاہیے ہوتا ہے۔ آج یہ کہنا ہے کہ ہم بازار میں خریداری کو نکلیں تو ہمارے ہمراہ رہا کیجیے۔ آپ کا کام فقط ہمیں مفید مشورے دینا ہوگا۔ جہاں آپ دیکھیں کہ ہم کوئی چیز خریدنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آہستہ سے اتنا فرما دیا کیجیے کہ یہ اگلی دکان پر چار آنے سستی ہے۔

بولے ٹھیک ہے۔ اب ہوا یہ کہ ہم نے ایک جگہ دو روپے موزوں کے طے کیے۔ (دکاندار تین روپے مانگ رہا تھا) اور بٹوہ نکال کر ادائیگی کرنے کو تھے کہ مفتی جی نے کہا۔ "یہاں سے مت لو جی" فریئر روڈ کے فٹ پاتھ پر یہی چیز ڈیڑھ روپے کی ہے۔

یوں ہمارے وہ دو روپے بھی بچے اور وہ ڈیڑھ روپیہ بھی' کیونکہ اس روز فٹ پاتھ پر تلاشِ بسیار کے باوجود دکان دار ہمیں نہ مل سکا۔ مل جاتا تو مفتی صاحب فرماتے کہ "ذرا بندر روڈ پر چلو تو یہ موزہ ایک روپے میں دلا دوں۔"

چند روز میں ہم یہ بھول گئے کہ یہ ترکیب مفتی صاحب کو خود ہم نے سمجھائی ہے۔ قارئین کرام بھی یہ نسخہ استعمال کرکے دیکھیں۔ اور فائدہ ہو تو اس فقیر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

عید سروے

کھنکتی پائل، کھنکتی چوڑی

عید کی روشن سحر خوشیوں کا پیغام لے کر ہوتی ہے، دوست احباب کی میزبانی، رشتہ داروں سے میل ملاقات اور تحفے تحائف کا تبادلہ عید کی روایتیں ہیں، ایسی کئی خوبصورت عیدیں ہماری مصنفین کی یادوں میں محفوظ ہوں گی، ہم نے سوچا مصنفین کے ان یادگار لمحات میں قارئین کو بھی شریک کیا جائے، اس سلسلے میں ہم نے چند سوالات مصنفات سے کیے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سوالات:۔

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں کون سی بات آپ کو بے حد پسند اور کون سی ناپسند ہے؟
۲۔ کوئی ایسی عید جس کے یادگار لمحات آپ کے ذہن میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ گئے ہوں؟
۳۔ عید کا خصوصی اہتمام، خصوصی ڈش جو بہتر ہو؟
۴۔ کوئی ایسی عزیز ہستی جس سے ملے بغیر آپ کو عید ادھوری لگتی ہے؟
۵۔ عید وشنگ کا بہترین ذریعہ، عید کارڈز، ایس ایم ایس یا پھر فون کال؟
۶۔ اگر آپ شادی شدہ ہیں تو سسرال میں پہلی عید کا احوال اور جیون ساتھی کی طرف سے کیا تحفہ ملا؟
۷۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

آیئے دیکھتے ہیں مصنفین نے ان کے جوابات کیسے دلچسپ انداز میں دیئے ہیں۔

شگفتہ شاہ..............................حیدرآباد

۱۔ پسندیدہ باتیں، چاند دیکھنا، چاند دیکھنے کی اطلاع ایک دوسرے کو ایس ایم ایس یا نیٹ، واٹس ایپ وغیرہ پر دینا، عید کی مبارکباد، ملنا ملانا، کھانا اور کھلانا، ناپسندیدہ باتیں، عید کی رات خواہ مخواہ بازاروں میں پھرنا، حد سے زیادہ خرچ کرنا، مذہبی تہوار سے زیادہ ثقافتی تہوار بنالینا۔

۲۔ بچپن کی ہر عید۔

۳۔ کوئی خاص اہتمام نہیں، خصوصی ڈش شیر خورمہ ہے، ترکیب پچھلے سال کے سروے میں بتادی تھی۔

۴۔ والدین (مرحوم) اور دو سال قبل روڈ ایکسیڈنٹ میں بچھڑی ہوئی (مرحوم) بہن، بھانجی اور بھانجا۔

۵۔ مجھے عید کارڈز کا زمانہ بہت ہی اچھا لگتا ہے، کارڈز آپ کے پاس برسوں محفوظ رہتے ہیں اور دینے والوں کی محبت کو یاد دلاتے

ہیں تاکہ ہم میں بحث ختم ہو جائے۔
دراصل یہ نوک جھونک ہی زندگی میں تازہ ہوا کی مانند ہے، عید کے دوسرے دن میرے سسرال میں بہت بڑی دعوت ہوتی ہے، جس میں سب کو بہت ساری عیدی ملتی ہے، بہت اچھا اور یادگار دن ہوتا ہے اور عید کی خوبصورتی ہے ایک دوسرے سے عید ملنے میں ہے۔
ایک چیز جواب بہت کم نظر آتی ہے، عید پہ عید کارڈز دینے کا رواج نہیں رہا، جبکہ مجھے سب سے زیادہ یہ ہی پسند ہے، ایک زمانے میں میری سب فرینڈز کے خط، عید کارڈز آتے تھے، اب انٹرنیٹ نے اس انتظار کا مزہ ہی ختم کر دیا، مگر میں آج بھی اپنے سب قریبی (جن پر میرا مان اور رعب دیدبہ ہوتا ہے) عید کارڈز ہی یا کوئی بھی موقع ہو میں کارڈز کی فرمائش یا ضد ضرور کرتی ہوں، چاہے وہ ای میل کے ذریعے آئیں یا ڈاک کے، ایک زمانے میں اچھے اچھے لفظوں اور منظروں سے سجے کارڈز خریدنا میری ہابی بھی تھا، دراصل مجھے لفظوں سے عشق ہے، اچھے خوبصورت جاندار، لفظوں کی دنیا بہت خوبصورت اور دلفریب ہوتی ہے ناں۔

خوشبو سے بھری شام میں
جگنو کے قلم سے
ایک نظم
تیرے واسطے لکھے گے کسی دن!!

۲۔ بہت سی ایسی عیدیں ہیں، بچپن کی عید اس کی تیاری، جوش و خروش، چاندرات کو رات دیر تک جاگنا، مہندی لگانا، صبح تیار ہو کر گھر والوں سے ملنا، پھر سب دوستوں کا مل کر ایک دوسرے کے گھر جانا، بڑے ہو کر اتنی آزادی اور بے فکری سے کہیں بھی آنا جانا مشکل لگتا ہے، ہر عمر کے تقاضے بھی اپنے

اپنے ہیں اور رنگ بھی اور آپ کی کامیابی اس میں ہے کہ ہر رنگ میں ایسے رچ بس جائیں کہ آپ بھی اسی رنگ کا حصہ لگیں۔
۳۔ عید کے پکوان زیادہ تر روایتی ہی ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ترکیب بھی تقریباً سب کو پتا ہوگی، سسرال میں ہونے والی گرینڈ دعوت کا مینو بہت شاندار ہوتا ہے، جس کی تیاری آخری روزوں میں شروع ہو جاتی ہے، بریانی، چکن، کڑاہی، کوفتے، پالک گوشت، شامی کباب، میٹھے میں کھیر اور آئس کریم۔
یہ وہ ڈشز ہیں جو تقریباً ہر گھر میں بنتی ہیں باقی محنت اور ذائقہ اپنے اپنے ہاتھ کا۔

۴۔
آج وہ دور نہیں ہے جو یہ دن دکھلائے جس جگہ یار ملیں، پائیں وہاں عید کے دن اپنے سب قریبی اور پیارے لوگوں سے ملے بغیر عید ادھوری ہی لگتی ہے عید کے دن تو بہت پرانے اور دور بسنے والے لوگ بھی بہت شدت سے یاد آتے ہیں، بہت سے بچھڑے دوست، بہت سے کھوئے ہوئے پیارے پیارے لوگ بھی۔
اس لئے ہر لمحہ اب قیمتی اور نایاب لگتا ہے، نجانے کل یہ وقت آئے تو کون ساتھ ہو اور کون نہیں، اس لئے میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے سب قریبی عزیزوں سے ضرور ملوں، باقی جو دور بستے ہیں، ان سے احساس کا رشتہ، یاد کی تاروں سے جڑا ہوا ہے۔

کھول کر دیکھئے دریچہ دل
لمس جاناں کا پیراہن اوڑھے
شام آئی ہے مسکراتی ہوئی
ایسی ساعت میں
دوریوں کا عذاب
چھوڑ بیٹھے ہیں درون چشم خواب

اس طرف تم ہو
اس طرف ہم ہیں
سرخوشی میں بھی کیا عجب غم ہیں
کاش یہ فاصلے سمٹ جائیں
قربتوں کے گلاب کھل پائیں
تم سے ہم روز عید مل پائیں

۵۔ عید وش کرنے کا بہترین طریقہ گلے مل کر، عید مبارک کہنا اچھا لگتا ہے، باقی دور رہنے والوں کے لئے فون کالز اور ایس ایم ایس تو ہیں ہی، (عید کارڈ اب کوئی دیتا، سب سے پسندیدہ طریقہ یہ ہی لگتا ہے)۔

۶۔ سسرال میں پہلی عید روایتی اور اچھی رہی، شوہر کی طرف سے عید کی خاص شاپنگ اور ان کی پسند کا ڈریس، گفٹ ملا تھا، باقی سب نے بھی مختلف گفٹس دیئے تھے، اچھی اور یادگار عید تھی۔

۷۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں بہت فرق تو ہے، بچپن میں امی ابو کی انگلی پکڑ کر بازار جاتے تھے، امی نے جو لے دیا، وہ ہی بیسٹ لگتا تھا، چوڑیاں، مہندی، جوتے، جیولری اور بہت سی چیزیں، عید کا انتظار بے چینی سے ہوتا تھا، جبکہ آج ہم خود اتنے بڑے ہیں کہ ہر چیز اپنی پسند سے لے رہے ہوتے ہیں، اب میں بہن یا چھوٹے بھائی، ہم تینوں بازاروں کی خاک چھانتے ہیں، ہم مل کر شاپنگ کرتے ہیں، جو کام رہ جائے وہ چاند رات کو شوہر کی ذمہ داری ہے۔

زندگی کا ہر لمحہ، ہر پل بہت خوبصورت اور مہربان ہے اگر شکر کی نظر سے دیکھیں تو، اس لئے میرے پاس جو ہے میں اس کا شکر ادا کرنے میں ہی اتنی مگن رہتی ہوں کہ جو نہیں ہے اس کا غم منانے کی فرصت ہی نہیں۔

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے
کہیں آنکھیں کہیں چہرہ نہیں ہے

جو دیکھو تو ہر اک جانب سمندر
مگر پینے کو اک قطرہ نہیں ہے

معصومہ منصور .... کراچی

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں مجھ کو مہندی اور چوڑی سب سے زیادہ پسند ہے مگر دوسروں کے ہاتھوں پر خصوصاً چھوٹی بچیوں کے۔

۲۔ ایسی عید جس کے یادگار لمحات ذہن میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں وہ آج سے تقریباً بیس سال پہلے کی عید ہے، کیونکہ وہ آخری عید تھی جو میں نے اپنے ابو کے ہمراہ گزاری تھی پھر وہ ہمارے درمیان نہ رہے اور کوئی بھی عید اتنی یادگار نہ رہی۔

۳۔ عید کا خصوصی اہتمام اب بچوں کے حوالے سے ہی ہوتا ہے، جو تائی امی (ساس) کر لیتی ہیں اور میری بچت ہوتی ہے، عید پر خصوصی ڈش میٹھے کے حوالے سے بنتی ہے، جو چھوٹی بہن (دیورانی) بنا لیتی ہے، میں دوپہر کے کھانے پر اہتمام کرتی ہوں جو زیادہ تر چکن بریانی، کباب اور انہی ڈشز پر مشتمل ہوتا ہے جو روزمرہ دنوں میں بھی بنتی رہتی ہیں۔

۴۔ ایسی عزیز ہستی جن کے بغیر عید ادھوری لگتی ہے وہ میرے والدین ہیں، اسی لئے میری کوشش ہوتی عید پر سب سے پہلے امی جی کو کال کر لوں، کیونکہ فاصلے اتنے ہیں کہ عید کے دن ملنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ عید وشنگ کا بہترین ذریعہ عید کارڈ ہیں کیونکہ ایس ایم ایس اور فون کالز تو ہم عام دنوں میں بھی کرتے ہی رہتے ہیں۔

۶۔ سسرال میں پہلی عید کے لئے مجھ کو آٹھ سال پیچھے جانا پڑے گا، اس عید پر سب سے پہلے میں نے تائی امی (ساس) کو سوٹ اور چوڑیاں تحفہ دیا تھا کیونکہ انہوں نے عید پر ہم سب کی تیاری اپنی ...

بچوں کی ہوتی ہے، اس لئے میں چاندرات پر خصوصاً ان کے لئے گفٹ خریدا تھا، باقی کا دن کافی گھبراتے ہوئے ہی گزرا تھا، گھر، کچن اور مہمان اٹینڈ کرنا، پہلی بار ان سب ذمہ داریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، البتہ شام میں تائی امی، تایا ابو (ساس، سسر) کی جانب سے ہونے والی ڈھیروں تعریفوں اور جیون ساتھی کی جانب سے ملنے والے سرپرائزنگ ڈنر اور گولڈ رنگ نے بے حد خوشی دی تھی۔

۷۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں ڈھیروں ڈھیر فرق محسوس ہوتا ہے، پہلے صرف اپنی ہی فکر رہتی تھی، کیسے کپڑے بنانے ہیں، جوتے چوڑی میچنگ کی ہو، ہیئر کٹنگ، کیسی کروانی ہے اور مہندی کس سے لگوانی ہے، جبکہ اب اپنے ساتھ ساتھ اپنے بڑوں اور چھوٹوں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے تو بچپن کی عید جتنی آزادی اور لا ابالی پن میں گزرتی تھی اب اتنی ہی ذمہ داری سے گزرتی ہے

طیبہ مرتضٰی .... اسلام آباد

بہت شکریہ فوزیہ آپی کے آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں ان سوالوں کے جوابات دوں آپ نے ٹھیک کہا کہ عید رنگوں خوشیوں اور مسرتوں بھرا تہوار ہے اب آتے ہیں سب سے پہلے سوال کی طرف۔

۱۔ عید کی بہت سی روایتی چیزیں ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں جیسے ایک دوسرے کو مبارکباد دینا، عید کارڈ دینا، چوڑیاں اور مہندی لگانا، مزے مزے کے پکوان بنانا اور ایک دوسرے کے گھر بھجوانا، عیدی دینا اسی طرح صبح عید کی نماز پڑھنے کے لئے ہر گھر میں مرد حضرات اور بچے تیار ہو کر مسجد جا رہے ہوتے ہیں یہ منظر بہت اچھا اور روح پرور لگتا ہے عید کی روایتی چیزوں میں سے مجھے عید

رات پر لوگوں کا باہر نکل کر ہلا گلا کرنا سخت ناپسند ہے۔ وہ لوگ جن کی عید کی تیاری کسی وجہ سے مکمل نہ ہو سکی ہو ان کا نکلنا تو ٹھیک ہے مگر ہمارے معاشرہ میں اب ایک روایت چاندرات منانا چل پڑی ہے لوگ عید کے دن سے بھی زیادہ چاندرات کو اہمیت دینے لگ پڑے ہیں، چاندرات کے لئے اسپیشل جوڑا تیار کیا جاتا ہے اور لوگ ساری رات بازار میں گزار دیتے ہیں خصوصاً ہماری نوجوان نسل اس بات کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۲۔ میرا سسرال اسلام آباد اور میکہ لاہور میں ہے جب سے روزے تین ماہ کی چھٹیوں میں آنا شروع ہوئے ہیں میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ میں لاہور کا چکر رمضان سے پہلے لگاؤں، میں کبھی بھی کسی عید پر میکے (لاہور) نہیں گئی ہوں، 2012 کی عید میرے لئے یادگار ہے، دوپہر کے کھانے کے بعد میرے میاں صاحب ایکدم سے بولے چلو تیار ہو جاؤ، لانگ ڈرائیو کرتے ہیں لاہور چلتے ہیں اندھے کو کیا چاہیے تھا دو آنکھیں میں اور بچے تو پہلے ہی تیار تھے فوراً سے گاڑی میں بیٹھے اور چل پڑے راستے میں فون کر کے میں نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو بتا دیا تھا کہ امی ابو کو نہیں بتانا جب رات کو ہم امی کے گھر پہنچے تو وہ سامنے والے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئیں تھیں اور ابو لاؤنج میں خبرنامہ دیکھ رہے تھے میں نے بلند آواز میں شور مچا کر عید مبارک بولا تو ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے ہمیں دیکھ کر ان کے چہرے پر جو خوشی آئی تھی وہ آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

۳۔ میرا سسرال کافی بڑا ہے اور ملتے ملانے والے بھی کافی ہیں عید کے دوسرے دن

ہمارے گھر دعوت بھی ہوتی ہے اس لئے بہت ساری ڈشیز بنائی جاتی ہیں جو باقی لوگوں کے گھروں میں بھی بنتی ہیں جیسے چنا چاٹ، دہی بڑے، حلیم روسٹ، حلوے، شیر خورمہ وغیرہ اسپیشل تو کوئی خاص نہیں ہے بس ایک روسٹ کی ترکیب لکھ رہی ہوں جو جھٹ پٹ تیار ہو جاتا ہے۔

اشیاء
چکن
سویا ساس
انڈہ
کالی مرچ
بریڈ کرمز
نمک

ترکیب
چکن کو نمک ڈال کر ابال لیں پھر اس کو کالی مرچ اور سویا ساس لگا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ دیں، پھر اسے پہلے انڈے میں پھر بریڈ کرمز لگا کر فرائی کریں، بہت مزیدار بنتا ہے آپ اس کو اسنیکس کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں اور ڈنر میں کھانے کے لئے بھی۔

۴۔ جیسے کہ میں نے بتایا ہے کہ میرا میکہ لاہور میں ہے اور سسرال اسلام آباد میں ہے عید پر میرے سسرال میں خوب گہما گہمی ہوتی ہے میں اپنے والدین سے عید ملنے تو نہیں جا سکتی ہوں اس لئے فون وغیرہ پر بات ہو جاتی ہے، اصل میں ماں باپ ہی وہ ایسی ہستی ہوتے ہیں کہ جن کے بغیر عید کیا ہر خوشی ادھوری لگتی ہے۔

۵۔ میرے خیال میں یہ تینوں ہی بہترین ذریعہ ہیں کیونکہ اہمیت ذریعے کی نہیں ہے اس مبارکباد یا وش کی ہے جو ہم دوسروں کو دیتے ہیں اس لئے اگر ہم یہ لے کر بیٹھ جائیں کو جو ذریعہ میرے پاس ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے اس لئے میں وش نہیں کرتا اس کی بجائے جو ذریعہ بھی مہیا ہو اس سے دوسروں کو خوشی خوشی وش کریں۔

۶۔ شادی کے بعد سسرال میں سب سے پہلے بڑی عید آئی تھی، نئی دلہن سب کو ہی اچھی اور پیاری لگتی ہے تو جناب ہم کو بھی سسرال والوں کی طرف سے ڈھیر سارا پیار ملا تھا اور بڑی عید ہونے کے باوجود سب نے عیدی بھی دی تھی میرے میاں صاحب ویسے تو تحفے اور تحائف دیتے ہیں مگر اہم موقع جیسے میری سالگرہ، شادی کی سالگرہ اور عید وغیرہ پر تقریباً بھول جاتے ہیں پھر معصومیت سے کہتے ہیں او خو بھول گیا تم یاد کروا دیتی یا بولیں گے میں جو اتنا بڑا تحفہ میں مل گیا ہوں تو کسی اور تحفے کی ضرورت رہتی ہے۔

۷۔ بہت بڑا فرق ہے اب ویسی عید نہیں ہوتی وہ زمانے ہی اور تھے اب تو ہم لوگ کتنے کپڑے بنواتے ہیں اس زمانے میں لوگ زیادہ تر عیدوں یا شادی بیاہ پر کپڑے بنواتے تھے اس لئے عید کے جوڑے کو پہننے کا مزہ جو اس وقت تھا اب نہیں ہے، عید پر کپڑے اور نئے جوتے ملتے تھے اور ساتھ میں پریں ہوتا تھا اس زمانے میں سارے لوگ حتیٰ کہ محلے والے بھی بچوں کو عیدی دے دیتے تھے جو پانچ دس پچاس یا بہت زیادہ ہوا تو سو روپیہ ہوتی تھی سارا دن عید گنتے اور ایک دوسرے کو بتاتے کہ میری زیادہ ہے عیدی دینے کا رواج آج کل ختم ہو گیا ہے یا اس طرح سے نہیں رہا ہے اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم تھے مگر دل بڑے تھے، آج کل پیسے تو زیادہ ہیں مگر دل چھوٹے ہو گئے ہیں، اس زمانے میں لوگ عید کے دن کو بھرپور خوشی اور جوش سے مناتے تھے آج کل تو لوگ سو کر گزارتے

ہیں یا کہتے ہیں کہ اف کتنا بور دن تھا اس زمانے میں لوگ ایک دوسرے کو عید کارڈ بھیجتے تھے جو بڑی پیاری سی روایت تھی جو کہ تقریباً ختم ہو گئی ہے، بس کیا بتائیں جناب جدید دور نے انسانوں کو سہولتیں اور آسانیاں تو بہت دی ہیں مگر ایک دوسرے سے دور اور سچی خوشی سے محروم کر دیا ہے۔

غزالہ جلیل راؤ.........................اوکاڑہ

ا۔ عید کا چاند نظر آتے ہی ماحول میں نور و سرور کی کیفیتیں اجاگر ہو جاتی ہیں، ہر شخص کا چہرہ اور آنکھیں عید اور اس کے اہتمام کے تصور سے جگمگا رہی ہوتی ہیں۔

گھر بھر میں ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے چاند ہو گیا، عید مبارک اور اگلی صبح کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو جاتی ہیں، یہ عید کی روایت صدیوں سے چلی آ رہی ہے اور اسے یوں ہی قائم رہنا چاہیے، [illegible] کہیں نہیں جاتی، [illegible] مہندی لگانا اور چوڑیاں پہننے) اس کے علاوہ عیدی لینا خاص روایت ہے اور مجھے پسند بھی بہت ہے، مہندی لگانا، چوڑیاں پہننا، عید کے لئے کوئی میٹھی ڈش بنانا، یہ سب ایسی روایتیں ہیں جو مجھے کیا سب ہی کو بہت پسند ہوں گی میرے نزدیک ناپسند والی کوئی چیز نہیں، سب ٹھیک ہے۔

۲۔ نہیں ایسی کوئی عید نہیں ہے فی الحال تو جس کے یادگار لمحات ہمیشہ کے لئے ذہن میں محفوظ رہ گئے ہوں، ویسے بھی وہ عیدیں کہاں رہ گئیں، اب تو ہر دن عید اور رات شب رات ہوتی ہے، جو کچھ بھی عید و تہوار پر ملتا تھا اب وہ سارا سال میسر رہتا ہے، بچپن کی عید کے علاوہ کوئی یادگار عید نہیں۔

۳۔ ہمارے ہاں بچپن سے لے کر آج تک عید پر شیر خرمہ ہی بنایا جاتا ہے، [illegible] کبھی کبھی کھیر بھی بن جاتی ہے مگر شاذ و نادر (اس کی وجہ بھی دودھ کی کمی) میری پسندیدہ ڈش بھی ہے اور فیملی کی بھی، بیس کلو دودھ سے کم کی کھیر نہیں بنتی ہمارے ہاں، وہ بھی خالص دودھ۔

اشیاء

دودھ	دس کلو
چھوارے	ایک پاؤ
کوپرا	ایک پاؤ
پستہ	آدھا پاؤ
بادام گری	ایک پاؤ
کشمش	آدھ پاؤ
سویاں بھنی ہوئی	مٹھی بھر
چاول	ایک کپ
چینی حسب ذائقہ	ایک کلو

ترکیب

چاول صاف کر کے بھگو دیں، چھواروں کے دو ٹکڑے کر کے گٹھلی نکال دیں اور ان کو اچھی طرح دھو کر پانی میں بھگو دیں، بادام بھی گرم پانی میں بھگو دیں اور چھلکا اتار کر دو ٹکڑے کر لیں، پستہ اور کوپرا باریک کاٹ لیں۔

دودھ کو گرم کر کے دھیمی آنچ پر پکنے کے لئے رکھ دیں، ساتھ ہی چاول اور چھوارے ڈال دیں، جب دودھ پنک کلر کا ہو جائے اور پانچ کلو کے قریب رہ جائے، (بہت زیادہ گاڑھا نہیں کرنا دودھ کو) تو اس میں باقی میوہ جات ڈال دیں اور کچھ دیر بعد سویاں بھی ڈال دیں، پھر چینی ڈال کر چمچ مسلسل چلاتی رہیں نیچے نہ لگنے پائے، ورنہ ذائقہ خراب ہو جائے گا، جب سویاں اچھی طرح مکس ہو جائیں تو چولہا بند کر دیں، تھوڑا سا ٹھنڈا کر کے مٹی کی تھالی یا کرسٹل کے برتن جو پسند کریں نکال لیں، اس پر باریک کٹا ہوا پستہ بادام ڈال دیں، ٹھنڈا ہونے پر [illegible]

سے کھائیں، اگر مٹی کے برتن ٹھنڈا کر کے کھائیں گے تو مزہ دوبالا ہو جائے گا۔

۴۔ دیارِ غیر میں مقیم، اپنے بھائی حاجی راؤ عقیل احمد اور بھابھی مسز عقیل اور بچوں کے بغیر عید ادھوری لگتی ہے، ان کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

۵۔ کارڈ بھیجنے کی روایت کوئی آج کی نہیں کافی طویل سفر ہے اس روایت کا اور اس روایت کو برقرار رہنا چاہیے، کیونکہ آج کل کا دور فون اور نیٹ کا ہے، اس کی وجہ سے ہم دنیا کے بے حد قریب ہو گئے ہیں، کہ چند نمبر ملاتے ہی آواز کے ذریعے کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، لمحوں کا کھیل ہے بس اور نیٹ نے تو فون کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، ایک دوسرے کو عید مبارک دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی عید کارڈ کی اہمیت اور کشش الگ ہی ہے یہ اپنا ہی ایک حسن ہے اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اب تو کئی سالوں سے صرف فون اور نیٹ ہی عید مبارک کا حصہ ہیں، کارڈ کوئی نہیں آتا، لیکن جب کارڈ آتے تھے تو میں سنبھال کر رکھتی تھی اور کئی کارڈ تو آج بھی جوں کے توں رکھے ہیں، جب بھی فرصت کے لمحوں میں انہیں دیکھوں تو دل خوش ہو جاتا ہے اور کارڈ بھیجنے والوں کو روزِ اول کی طرح یاد کرتا ہے، ان کی کمی اور اپنی محبت کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کتنے پیار و محبت سے یہ کارڈ بھیجے تھے۔

۶۔ زندگی میں ابھی ایسی عید نہیں آئی، جب سسرال جائیں گے تو ضرور بتاؤں گی۔

۷۔ آج کی عید اور بچپن کی عید میں بہت فرق ہے، عید بچپن کی ہی ہوتی تھی، ہاں بچپن کی عیدیں بہت یادگار ہیں، جیسے ہمارے سامنے والے بھائی حنیف عید کی نماز پڑھ کر آکر نیم کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر محلے کے بچوں کو عیدی دینے کے لئے پکارتے، سب بچے جمع ہو جاتے اور وہ سب بچوں کو ایک ایک روپیہ عیدی دیتے اور وہ عیدی اتنی قیمتی ہوتی تھی کہ خرچ کرنے پر بھی ایک روپیہ ختم نہیں ہوتا تھا، یا پھر بچپن کی عیدیں ایسی ہی اچھی اور یادگار ہوتی تھیں۔

عید کا چاند نظر آتا اور ہم خوشی سے اچھلنے لگتے کہ صبح عید ہو گی نئے کپڑے اور نئے جوتے پہنیں گے، عیدی ملے گی اور ہم اپنی پسند کی چیزیں خریدیں گے، پھر تھک ہار کر سو جاتے کہ صبح جلدی اٹھیں گے، امی مہندی لگا دو، آپا مہندی لگا دو، لیکن امی اور آپا صبح کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتیں اور ہم مہندی کا انتظار کرتے کرتے سو جاتے، صبح اٹھتے دیکھتے ہاتھوں پر مہندی کا خوب رنگ خوب بچ رہا ہے، برات کے جانے کس پہر آپا ہاتھوں پر اپنے فن کا رنگ جما دکھاتیں کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں اور انگلیاں مختلف نقش و نگار سے سجی ہوتیں اور ہم بڑی معصومیت سے پوچھتے۔

"یہ کب لگائی آپا؟"

تو وہ کہتیں "جب تم سو گئی تھی، میں نے کام سے فارغ ہو کر لگائی" اور مزے کی بات بتاؤں وہ مہندی بہت سادہ ہوتی تھی، پسی ہوئی مہندی بازار سے پہلے ہی لا کر رکھ لی جاتی تھی اور اس مہندی کو ایک کھلے برتن یا مٹی کے پیالے میں گھول لیا جاتا اور اس رنگدار بنانے کے لئے سرسوں کا تیل ملایا جاتا تھا اور ہتھیلی کے بیچوں بیچ ایک گول ٹیکہ اور اس کے چاروں جانب پتیاں بنائی جاتی تھیں، یا پھر ایک تنکے سے ڈیزائن بنائے جاتے، وقت کے ساتھ پلاسٹک کے ڈیزائن بنے ہوئے آنے لگے اور ان کو ہاتھ پر رکھ کر اس پر مہندی کا لیپ کر دیا جاتا اور ان

پلاسٹک کے پیپر کو اٹھا لیا جاتا، یعنی ڈیزائن ساتھ پرنٹ ہو چکا ہوتا تھا۔
ایک دوسری مہندی جو اس وقت بھی گھروں گاؤں دیہاتوں، قصبوں اور بہت سے شہروں میں تیار کی جاتی تھی، وہ بھی بتاتی ہوں آپ کو۔
ایک گھی والے لوہا کا ڈبہ لیا جاتا، واش کر کے دھوپ میں رکھا جاتا اور پھر سرکل کی صورت میں چھلی طے مہندی پھر گڑ (شکر) اور پھر چائے کی پتی کی لگائی جاتی اور اس گول سرکل کے درمیان میں ایک مٹی یا اسٹیل کی پیالی رکھ دی جاتی اور اس ڈبے کے منہ پر کوئی پلیٹ یا دیگچی رکھ دی جاتی اور ڈبے کے منہ کو گیلے سخت آٹے سے بند کیا جاتا بہت احتیاط کے ساتھ اٹھا کر لکڑیوں والے چولہے پر رکھا جاتا اور اس دیگچی کے اندر پانی بھر دیا جاتا تاکہ گیس کے پریشر سے ڈھکن نہ اڑ جائے، کیونکہ ایسا بھی ہوتا تھا۔
پھر ڈبے کے نیچے دھیمی دھیمی آنچ جلائی جاتی کوئی پندرہ بیس یا پچیس منٹ بعد اسے اتار لیا جاتا اور کچھ دیر تک کھولا نہ جاتا، جب وہ ڈبہ کھولا جاتا تو اس کے اندر رکھی پیالی کے اندر مہندی کا سرخ عرق موجود ہوتا، (اور اکثر نہیں بھی بنتا تھا) پھر اس عرق کو نیم کے پتے یا ماچس کی تیلی کے ساتھ ہاتھوں پر ڈیزائن بنائے جاتے تھے، یہ عیدیں تھیں جو یادگار ہوتی تھیں، اور آج بھی یاد ہیں، ثقافت سے بھرپور عیدیں ہوتی تھیں وہ مگر اب ایسی عیدیں کہاں؟

قرۃ العین رائے ....لاہور

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں مجھے کوئی بات بے حد پسند ہے اور نہ بے حد ناپسند جی جواب بورنگ ہے پر یہی ہے سب ایک معمول اور روٹین کی طرح ہوتا ہے، ہر سال عید آتی ہے خوشی ہوتی ہے اور گزر جاتی ہے ہاں عید کے روز ایک دوسرے کی طرف جانا مجھے بے حد پسند ہے مہمانوں کا آنا بے حد پسند ہے نا پسند تو کچھ نہیں ہے اور اب اپنی بیٹی کے لئے عید کی تیاریاں کرنا بے حد پسند ہے اس کی شاپنگ اس کے کپڑوں کی ڈائزیننگ، مہندی لگانا یہ سب اچھا لگتا ہے۔

۲۔ بہت سوچا دماغ کے کنوئیں میں بانس ڈالے لیکن جواب ندارد لہٰذا ہم اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں ہم سے مراد ایک دو اور لوگوں سے پوچھا کہ بھئی میرے ساتھ تم لوگوں کی عید کوئی یادگار گزری جو ابھی تک ذہن نشین ہو ہر طرف سے جواب نفی میں آیا اور ہم اپنا سا منہ لے کر آپ کو جواب نفی میں دے رہے ہیں۔

۳۔ اللہ فوزیہ جی آپ بھی ناں، ہم سب لوگ بے حد سادہ خوراک پسند ہیں چینی سے بھاگتے ہیں اور شاید سال میں عید کے روز ہی میٹھی ڈش بنتی ہو، ٹرائفل کھانا اور بنانا مجھے پسند ہے اور کیک بھی بنانا مجھے بے حد پسند ہے لیکن چونکہ ہم سب چینی نہ ہونے کے برابر کھاتے ہیں لہٰذا یہ ڈشز نہ ہونے کے برابر ہی بنتی ہیں آپ کے سوال پر تو میں سوچ پر پڑ گئی ہوں اس عید پر میٹھا بناؤں تو کیا سوئیاں تو لازمی بنے گیں کیونکہ انہیں ہمسایوں کے گھر بھیجا جاتا ہے، سوئیوں کی کوئی خاص ترکیب نہیں بس جب ہلکی آنچ پر پک پک کر کھویا نما بن جاتی ہیں تو ونیلا کسٹرڈ ڈال دیتی ہوں اور اس طرح سے یہ بہت مزے دار کسٹرڈ سوئیاں تیار ہو جاتی ہیں آپ بھی ٹرائی کیجئے گا۔

۴۔ میری ساس She is my best friend

۵۔ آف کورس ہم لکھنے لکھانے والوں کو کارڈ کا

انداز ہی بھاتا ہے لیکن اب تو بس ایس ایم ایس ہی سے جان چھڑائی جاتی ہے۔

۶۔ سسرال کی پہلی عید مصروف ہی گزری، تیار ہو کر عیدی لے کر پھر سارا دن مہمانوں کی آمد اور ہماری خاطر داری جس میں مجھے بے حد مزہ آتا ہے پہلا تحفہ اپنے ان سے کہا تھا کہ جامنی رنگ کی چوڑیاں لا دیں مصروفیت کی بنا پر خرید نہیں پائی تھی، چاند رات کو لا کر دیں میرے جامنی سوٹ کے ساتھ جامنی رنگ بتانے کے بعد آئیں تھیں پیلی چوڑیاں اف زمین آسمان کا فرق جامی اور پیلے میں لیکن بھئی مجھے لگا کہ اسی (پیلے رنگ) کو جامنی رنگ کہتے ہیں حیرت بھری استفسار پر یہ جواب ملا تھا۔

۷۔ دعا (بیٹی) کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ عید تو بچپن کی ہوتی ہے بے حد پرجوش، صحیح لفظوں میں عید کا انتظار اس کی بے چینی اور اس کی خالص خوشی عید والی بے فکری کے ساتھ بچپن کی ہوتی ہے، بے حد واضح فرق ہے، آخر میں آپ سب کو ایڈوانس عید مبارک اور دعا ہے کہ یہ عید ہم سب کے لئے خوشیاں لے کر آئے ہر ایک کی پریشانی اور تکلیف اللہ تعالیٰ دور فرمائے اور سب کو خوشی اور راحت کے ساتھ عید دیکھنا نصیب کرے آمین ثم آمین۔

بنت حوا..................لیہ

زندگی کی الجھنیں کسی حسین محبوبہ کی طرح اس طرح دیوانہ بنائے اپنے پیچھے لگائے ہوئے تھیں کہ کون سا سال کون سا مہینہ اور کون سا موسم ہے سب سے بے خبری میں زندگی گزرے چلی جا رہی تھی، فوزیہ آپی کے میسج سے خبر ہوئی کہ ایک اور سال گزر گیا اور پھر سے عید آنے والی ہے سو جناب کاغذ قلم سنبھال کر آپ کے سوالات کے جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے، عید کارڈ جس کا شدت سے انتظار ہوتا تھا اب اس کی جگہ ایس ایم ایس اور ٹیلی فون نے لے لی ہے مگر اس میں وہ عید کارڈ ملنے والی خوشی کہاں، جنہیں بار بار پڑھا اور سراہا جاتا تھا اور پھر سالوں سنبھال کر رکھا جاتا تھا، ہمارے گھر میں اب بھی ڈھیر سارے عید کارڈز موجود ہیں جنہیں دیکھ کر انوکھی سی خوشی کا احساس ہوتا ہے، میں سوچتی ہوں ترقی کرنا اچھی بات ہے لیکن کیا یہ بھی ضروری ہے کہ ترقی کے ساتھ پچھلی اچھی روایات کو ختم کر دیا جائے؟ دوسری خوبصورت روایت عید کی صبح عزیز رشتے داروں کے گھر شیر خورمہ اور سویاں بھیجنا بھی بہت یاد آتا ہے اب تو اس بات کا ذکر کیا جائے تو ہر طرف سے ایک ہی جواب ملتا ہے، ”بھئی اس کی کیا ضرورت ہے ہر کسی نے سویاں، شیر خورمہ بنایا ہوتا ہے“ اور میں سوچنے لگتی ہوں پہلے بھی تو سب لوگ یہ چیزیں اپنے گھروں میں بناتے ہی تھے، مگر جناب یہ وہ سوال ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔

۲۔ ایک روایت جس پر مجھے زیادہ اعتراض ہے وہ ہے عید پر شادی شدہ بیٹیوں کے گھر عیدی بھیجنا، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ مجھے اس روایت پر نہیں بلکہ اس کے ساتھ جڑی دوسری باتوں پر اعتراض ہے، میں نے دیکھے ہیں وہ ماں باپ جو بیٹی کے سسرال والوں کی امیدوں اور فرمائشوں کو پورے کرنے کی تگ و دو میں عید منانا ہی بھول جاتے ہیں وہ بیٹی جو اس خوف اور پریشانی میں مبتلا دکھائی دیتی ہے کہ پتا نہیں اس بار

ان کے ماں باپ ابھی اور جیٹھانوں دیورانیوں کی عیدی سے بہتر عیدی کا انتظام کر پائیں گے یا نہیں، یوں ہم نے مل کر ایک خوبصورت روایت کو عذاب بنا دیا ہے کہنے کو تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ تحفے کی قیمت نہیں دیکھی جاتی مگر جب وہ تحفہ بہو کی عیدی کی صورت میں آتا ہے تو ان پر کس قسم کے کمنٹس دیئے جاتے ہیں اس سے ہم سب ہی واقف ہیں باتیں کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گئیں مگر کیا کیا جائے کہ آپ کے سوال کا جواب دینا بھی تو لازم ہے۔

۳۔ سکول کے دنوں کی ایک عید جس کی یادیں ذہن میں ہی نہیں بلکہ تصویروں کی صورت البم میں بھی قید ہیں، اس عید پر ہم سب بہن بھائی اکٹھے تھے اور بھائی نے عیدی ایک نئے ڈھنگ سے دی تھی مطلب یہ کہ ڈھیر ساری پرچیاں بنا کر ان پر پیسے اور چیزوں کے نام لکھ دیئے تھے اور ہم سب نے باری باری اپنے حصے کی پرچیاں اٹھا کر اپنی قسمت کو آزمایا تھا اور جو پرچی پر لکھا تھا ہمیں مل گیا تھا وہ بہت ہی یادگار لمحات تھے، پھر سب بہن بھائی سیر پر نکلے اور مختلف جگہوں پر ڈھیر ساری تصویریں بنائیں، اس کے بعد ویسی عید کبھی نہیں آئی۔

۴۔ خود سے عید کا خصوصی اہتمام کیے تو عرصہ بیت گیا مگر یہ بہنیں بڑی پیاری ہوتی ہیں اکثر بڑی بہن زاہدہ میرے لئے عید کی شاپنگ کر لیتی ہیں جیسے کہ اس عید پر بھی وہ ابھی سے میری عید کی شاپنگ کر چکی ہیں (لو یو ڈیئر باجی)

۵۔ چونکہ سبھی بہن بھائی مختلف شہروں میں جا بسے ہیں تو ان سب کے بنا ہی عید ادھوری لگتی ہے، اس کے علاوہ اگر امی کبھی عید پر کسی اور بہن بھائی کے پاس ہوں پھر تو عید ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (ایسی ایک ہی عید گزری ہے زندگی میں جب امی پاس نہیں تھیں اور وہ دن بہت زیادہ برا لگا تھا، اللہ سے یہی دعا ہے کہ ایسی عید پھر کبھی نہ آئے)۔

۶۔ میری نظر میں تو عید وشنگ کا بہترین ذریعہ عید کارڈ ہی ہے اور اگر وہ کارڈ خود بنایا ہو تو کیا ہی بات ہے۔

۷۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں یہ فرق ہے کہ بچپن میں نئے کپڑوں، چوڑیوں، مہندی اور عیدی ملنے سے عید ہو جایا کرتی تھی اب نہیں ہوتی۔

یہ تو ہو گئے آپ کے سوالات کے جوابات میری طرف سے حنا کی پوری ٹیم اور سبھی دوستوں کو بہت بہت عید مبارک خدا کرے یہ عید آپ کی زندگی میں سچ مچ عید بن کر آئے آمین، آپ سب سے درخواست ہے کہ جب بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں تو اس ناچیز کو بھی یاد رکھا کریں۔

حیاء بخاری..................ڈیرہ اسماعیل خان

میرے نزدیک تو عید نام ہی محبتیں بانٹنے کا ہے، اللہ نے اس قدر خوبصورت دن رکھا ہی اس لئے کہ ہم سب کدورتیں مٹا کر محبتوں کی شمع روشن کریں، آپ سب کو میری طرف سے دلی عید مبارک اور دعائیں۔

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں مٹھائی، میل ملاپ، رنجشوں کو مٹا کر دوستی کا ہاتھ بڑھانا اور تحفے دینا، میرے خیال میں تو سبھی روایات ہی پسندیدہ ہیں سب کی، عید یہ کسی کو کیا برا لگ سکتا ہے، بس کاش کہ آج کل یہ بارود والی روایت نہ بنتی، فائرنگ اور پٹاخے بازی مجھے سخت ناپسند ہیں۔

۲۔ کئی ایسی عیدیں ہیں جو یادگار ہی رہیں، خاص طور پہ پیاروں کا اچانک کہیں دور سے

کر سرپرائز دینا ہمیشہ ایک خوشگوار یاد چھوڑ جاتا ہے۔

۳۔ عید پہ کھیر، کیلوں کا حلوہ اور گلاب جامن، بالخصوص بناتی ہوں، وہ بھی سب کی فرمائش پہ اور کھوئے والا قلفہ خاص کر جب عید گرمیوں کی ہو۔

ترکیب:۔ کھوئے والا قلفہ

دودھ ایک لیٹر لے کر ابال لیں اور اس وقت تک دھیمی آنچ پہ ابالیں جب تک خشک ہو کر آدھا رہ جائے، اس کے بعد کھوئے کی تین ڈلیاں ڈال کر پانچ منٹ تک پکائیں اور اتار لیں، ٹھنڈا ہونے پر آدھا کپ ملائی اور دو کھانے کے چمچ مکھن ڈال کر اچھی طرح مکس کر کے فریزر میں رکھ دیں، جم جانے پہ چاندی کے ورق سجا کر پیش کریں۔

۴۔ میرے بابا، ان کے بغیر میری عید تو کیا ہر خوشی ادھوری ہے۔

۵۔ عید کارڈز، جواب بہت کم ہی نصیب ہوتے ہیں، ایس ایم ایس پہ ہی گزارا کرنا پڑتا ہے۔

۶۔ اللہ اللہ پہلی عید تو بس، آج تک نہیں بھولی، سسرال کافی بڑا تھا اور میں صبح سے شام تک عیدی وصولتی رہی تھی اور اتنی محبت، سرشاری کا وہ احساس آج تک دل میں سرور بھر دیتا ہے۔

۷۔ بچپن کی عید تو عید ہوتی اصلی، نہ کسی چیز کی تیاری کی فکر، نہ کچھ خراب ہو جانے کا ڈر، وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا تھا، نہ ہی کام کاج کی تھکن، ہر چیز سے بے فکری، کیا عید ہوتی تھیں بچپن کی۔

اللہ سے بس دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے وطن پہ اپنی رحمت کا سایہ بنائے رکھے، خوشیاں برقرار رکھے اور تمام اہل وطن کے لبوں پہ مسکراہٹ مچلتی رہے آمین۔

صبا جاوید .... بہاول پور

سب سے پہلے حنا کے قارئین، تمام مصنفین، حنا کے اسٹاف اور اسپیشلی فوزیہ آپی کو میری طرف سے رمضان المبارک کی رحمتیں اور برکتیں بہت بہت مبارک ہوں، اس کے بعد عید کی خوشیاں پیشگی مبارک۔

۱۔ عید کی اصل میں دو ایسی روایات ہیں جن کے بغیر عید ادھوری لگتی ہے، ایک اپنے بڑے بزرگوں سے عیدی وصول کرنا اور دوسری سویاں بنا کر ایک دوسرے سے تبادلہ کرنا یا دیگر میٹھے پکوان بنانا۔

۲۔ خوشگوار واقع کا ذکر کروں تو بچپن میں ایک بار میں بے دھیانی میں اپنے عیدی کے پیسے رکھ کر بھول گئی تھی جو بہت عرصے بعد مجھے اسٹیل کے جگ سے ملے جو استعمال میں نہیں تھا، یہ بات مجھے آج تک یاد ہے۔

۳۔ خصوصی اہتمام تو امی کی طرف سے ہوتا ہے پورے گھر کی صفائی نئے پردے، کشن، چادریں وغیرہ، البتہ میں وہی تیاری کرتی ہوں جو عام طور پر ہر لڑکی کرتی ہے، خصوصی ڈش کی بات کریں تو مجھے کچھ بنانا نہیں آتا البتہ بہت سارے سلاد بنا لیتی ہوں اب بھلا ان کی ترکیب کیا لکھوں۔

۴۔ ایسی ہستیاں جن کے بارے عید ادھوری لگتی ہے وہ تین ہیں، ایک میری فرینڈ، جواب پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم بی اے کر رہی ہے باقی دونوں میری بہنیں جن کی شادی ہو چکی ہے، ان کو عید پر بہت مس کرتی ہوں۔

۵۔ عید وشنگ کا بہترین طریقہ تو کارڈ ہی تھے، پہلے ڈھیروں کارڈز میں سے کارڈز کا انتخاب کرنا پھر نیک تمنائیں لکھنا اور اسپیشلی ون کو دے کر اسے احساس دلانا کہ وہ ہمارے لئے اہم ہیں یا ہم اس کے لئے خاص ہیں پھر اس کے چہرے پہ پھیلتے خوشی

ہیں۔ میرے پاس بچپن، ٹین ایج کے اور آگے کے ادوار کے ملے ہوئے کارڈز کا خزانہ موجود ہے، جو ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت ہیں، عید سے قبل ڈاک کے ذریعے کارڈز ملنے کا لطف ہی کچھ اور تھا۔

ایس ایم ایس اور واٹس اپ پر ملنے والے خوبصورت پیغامات، کارڈز اور وڈیوز کی اپنی خوبصورتی ہے مگر ان کی لائف نہیں، آپ زیادہ عرصہ ان کو محفوظ نہیں رکھ سکتے اور آخر کار انہیں ڈیلیٹ کرنا پڑتا ہے ورنہ میمری فل ہو جاتی ہے۔

یہ ڈیپینڈ کرتا ہے لوگوں رشتوں اور عید کے دن وقت ملنے پر، کسی کو کال کے ذریعے وش کیا جاتا ہے تو کسی کو ایس ایم ایس کے ذریعے۔

۷۔ بچپن کی عید بہت اچھی ہوتی تھی، ان عیدوں کا اہتمام امی کے ذمے ہوتا تھا، البتہ فرمائشی پروگرام ہمارا ابھی ہوتا تھا۔

اس دور میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت بڑی خوشیاں مل جاتی تھیں، کیونکہ بچوں میں بناوٹ یا خوامخواہ کا شوشا نہیں ہوتا، بچپن میں عیدی لینے والوں میں شامل تھے اور اب عیدی دینے والوں میں، پھر بھی ہر دور کی اپنی اہمیت اور خوبصورتی ہوتی ہے، عیدی دینا بھی اتنا ہی اچھا لگتا ہے، جتنا لینا اچھا لگتا تھا۔

ہمارا بچپن آج کے دور سے بالکل مختلف تھا، زندگی سادہ تھی مگر بہت اچھی تھی، بچوں کے لئے شاپنگ اتنی مہنگی نہیں تھی جتنی آج ہے، ہوٹلنگ اتنی عام نہیں تھی، سارے کزنز مل کر کھیلتے تھے اور کھاتے تھے، عام سے گول چکر لگانے والے لکڑی کے جھولوں میں بیٹھنے کا اتنا ہی مزا تھا جتنا کسی بڑے مال یا تفریحی مقام پر لگے مہنگے اور بجلی سے چلنے والے جھولوں میں مزا آتا ہے۔

اب زمانہ بدل گیا ہے، ہر دور کے ساتھ خود کو ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے، یہی زندگی ہے۔

سویرا فلک .... کراچی

سب سے پہلے تو میری طرف سے حنا اور اس کے پڑھنے والوں کو دلی عید مبارکباد قبول ہو، دعا ہے کہ رب کریم عید کے دم سے آنے والی خوشیوں کو تا حیات ہماری زندگیوں میں شامل رکھے (آمین)

۱۔ اگر مشرقی روایات کی بات کی جائے تو بلاشبہ تمام روایتیں ہی بہت خوبصورت ہیں، تاہم عید کی سب سے خوبصورت روایت جواب کچھ گھروں میں مفقود ہوتی جا رہی ہے، وہ مجھے یہ لگتی ہے کہ ان عزیزوں، رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے جن سے ہمارا پورا سال رابطہ نہیں ہو پاتا، عید کے بہانے ملنا اور عید کی مبارکباد کے بہانے رابطے کی بحالی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور ناپسندیدہ روایت جو شاید خالصتاً ہمارے یہاں پائی جاتی ہے وہ ہے بازاروں میں بے جا پھرنا اور اسراف کرنا، کہ ہر ہر چیز عید کے لئے نئی چاہیے، چاہے کسی کا حق ہی نہ مارا جائے۔

۲۔ کوئی مخصوص عید تو نہیں البتہ بچوں کے ساتھ عید منانا ہی سب سے خوبصورت لمحہ ہے، ان کی معصوم باتیں، چہرے پر خوشی کے رنگ ہی یاد کے بن کر محفوظ ہو جاتے ہیں، ذہن و دل میں۔

۳۔ عید پر ہمارے یہاں روایتی ڈشیں، قورمہ، بریانی، شیر خورمہ اور کسٹرڈ وغیرہ ہی بنتے ہیں کیونکہ فاروق (میرے شوہر) خاصے روایت پسند انسان ہیں اور میرے خیال سے قورمہ اور بریانی تو اب عام ڈشز بن چکی ہیں جن کی ترکیب سب کو ہی آتی ہے۔

۴۔ جو ہستی عزیز ترین تھیں یعنی میری امی، وہ

اب اس دنیا میں رہی ہی نہیں، ان کے بغیر آنے والی تمام عیدیں اب اپنی ذات کے حوالے سے لایعنی ہی لگتی ہیں، وہ سب سے زیادہ خوش ہوتی تھیں اور دعا دیتی تھیں عید پر تیار ہونے پر، جو وہ ایک نہیں تو میرا جہاں نامکمل سا ہے۔

۵۔ بلاشبہ اپنے پیاروں کے لئے خوبصورت کارڈز کی تلاش میں پھر ان پر ان سے چاہت کے اظہار کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نظمیں، غزلیں اور اشعار لکھا بہترین ذریعہ تھا، مگر اب وقت اور مہنگائی کے باعث ایس ایم ایس ہی مناسب ترین لگتا ہے۔

۶۔ میری شادی کے دو ماہ بعد ہی عید آ گئی تھی، سسرال والے اچھے ہیں تو عید بھی اچھی ہی گزری تھی، میاں سے تحفہ بطور ساڑھی زبردستی نکلوایا تھا۔

۷۔ پہلے جب بچپن تھا تو یہ گیت سنتی تھی کہ وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارش کا پانی تو بڑا عجیب لگتا تھا، مگر آج جب شعور جاگا ہے، تو لگتا ہے کہ واقعی شاعر نے کتنا درست لکھا ہے کہ بچپن جیسی انمول نعمت جو ایک بار جانے کے بعد دوبارہ نہیں ملتی، ہم کھو چکے ہیں اللہ کا شکر ہے بچپن اچھا گزرا، عیدیں اچھی گزری، اب خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کی ہر عید بلکہ ہر لمحہ خوشیوں سے بھر دوں کیونکہ بچپن کے سہانے دن لوٹ کر نہیں آتے۔

سیما بنت عاصم..................کراچی

سب سے پہلے عید کی ڈھیروں ڈھیر مبارکباد۔

۱۔ عید سے زیادہ چاند رات پسند ہے، مہندی لگانا، چوڑیاں پہننا، عید کے بابرکت اور خوشیوں بھرے دن کو سو کر گزارنا ناپسند ہے۔

۲۔ ایک عید پر نئی چپل ٹوٹ گئی اور اسے لے کر کافی دور تک پیدل چلنا پڑا، وہی عید یادگار ہے، باقی سب تو یکساں ہی لگتی ہیں۔

۳۔ خصوصی تیاری میں گھر کی صفائی ستھرائی دھلائی، خصوصی ڈش شیر خورمہ، جو امی بناتی ہیں۔

۴۔ اس عزیز ہستی سے ملنا ممکن نہیں رہتا۔

۵۔ عید وشنگ کا بہترین ذریعہ عید کارڈز، ایس ایم ایس، تو بس ایک فارمیلٹی لگتے ہیں، خصوصاً وہ ایک ایس ایم ایس جو ہر نمبر پر خود بخود چلا جاتا ہے۔

۶۔ بچپن کی عید میں مزا تھا، کیونکہ بے فکری تھی، اس دور کی چہل پہل ہی کچھ اور تھی، اب نہ وہ وقت ہی اور نہ ہی عید کا وہ مزا۔

فرح بخاری..................بھکر

سب سے پہلے ہمارے تمام پڑھنے والوں، ہماری مصنفین بہنوں اور ادارے کو عید کی بہت بہت مبارک، سروے میں شامل کرنے کا تہہ دل سے شکریہ، سبھی سوال بہت دلچسپ بہت مزیدار لگے۔

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں تقریباً ہر بات ہی مجھے بہت پسند ہے، فطرتاً چونکہ میں کافی زندہ دل ہوں اس لئے عید کے خوبصورت موقع پر مہندی، چوڑیوں میک اپ اور کپڑوں وغیرہ کا خصوصی اہتمام کرتی ہوں، باقی عید کی ناپسندیدہ چیز تو بازاروں کا بے تحاشا رش ہی ہے اور اسی سے بچنے کے لئے عید کی تمام تیاری آج کل قبل از رمضان ہی کر لیا کرتے ہیں۔

۲۔ یوں تو عید کا سارا مزا اسے اپنوں کے ساتھ مل کر منانے میں آتا ہے اور الحمدللہ ہر عید پر سبھی ساتھ ہوتے ہیں، لیکن اگر بات یادگار اور ذہن میں محفوظ رہنے والی عیدوں کی کریں تو وہ تمام عیدیں جو ڈیڑھ اسماعیل خان میں اپنے بچپن کی گزری وہ اپنے گھر میں منائیں

اخبار پر نکال کر اس کا چورا بنالیں، گرم آئل میں گوشت ڈال کر پانچ، سات منٹ بھونیں، اگر بیف ہے تو باقی اشیاء ڈالنے سے پہلے پانی ڈال کر پریشر ککر میں گلالیں، اگر چکن ہے تو پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہلکا سا بھون کر ٹماٹر کاٹ کر یا پیسٹ بنا کر ڈال دیں، پھر دہی، لہسن، ادرک اور سوائے گرم مصالحے کے تمام باقی مصالحے ڈال کر مکس کرلیں اور پھر دو منٹ بھوننے کے بعد پیاز کا چورا بھی شامل کرلیں اور مزید بھونیں ہلکا ہلکا پانی ڈال کر مصالحے کو یکجان بھی کرتی رہیں، جب ایک خاص قسم کے پکنے کی خوشبو آنے لگے تو گرم مصالحہ ڈال کر فوراً پانی شامل کرلیں، ثوبت میں پانی زیادہ ڈالا جاتا ہے، پانی ڈالنے کے لئے ہم عموماً یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ جتنے افراد کی ثوبت ہے، اتنے پانی کے گلاس ڈالیں جائیں اور ایک اضافی گلاس بھی شامل کیا جاتا ہے جو کھولنے اور پکنے کے دوران خشک ہو جاتا ہے، لہذا پانچ افراد کی ثوبت کے لئے چھ گلاس، دس افراد کے لئے گیارہ وغیرہ، مزید پانچ دس منٹ پکانے کے بعد چولہا بند کر کے ڈھک دیں، آئل سطح پر آجائے تو باؤل میں الگ سے نکال لیں۔

اب ایک بڑے صاف تھال میں تلی روٹیوں کے نوالے جیسے ٹکڑے بنا بنا کر ڈالتے جائیں، روٹیوں کی تعداد ایک شخص کے حساب سے دو یا تین رکھیں، تھال کو روٹی کے ٹکڑوں سے بھر لینے کے بعد شوربہ شامل کرلیں، اگر بڑی چھلنی ہو تو شوربہ چھان کر مکس کریں، ضروری نہیں کہ سارا شوربہ ڈالیں، روٹیوں کے نم ہونے تک ڈال کر چمچ سے ہلکے ہاتھ کے ساتھ مکس کرلیں، اوپر سے الگ کیا ہوا آئل پھیلا دیں اور تھال

یقیناً بہت خوبصورت بہت یادگار تھیں، جب ہم چھ بہن بھائی اپنے امی ابو کے ساتھ مل کر رہتے تھے، کزنز کے ساتھ عید ملن پارٹیز کا اہتمام کرتے تھے اور ہاں عید کے تیسرے روز صرف میں اور میری امی مل کر کہیں گھومنے جاتی تھیں، عموماً یہ دورہ کسی پرانی سہیلی یا عزیز رشتے دار کے ہاں جانے کا ہوتا تھا، تب کی ہمت اور جوان حوصلوں کو میں اور امی آج بڑے رشک سے یاد کیا کرتی ہیں اور ہمارا وہ گھر چونکہ اب ہمارے پاس نہیں ہے تو ان دنوں کی یاد سے کسک محسوس ہوتی ہے۔

۳۔ پورے گھر کو نئے سرے سے ترتیب دینا ہی عید کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے، ساری سستیاں بھی ایک ساتھ نکل جاتی ہیں اور گھر بھی نیا نکور لگنے لگتا ہے، ڈش کے حوالے سے اپنے علاقے کی مشہور ڈش ثوبت کی ترکیب شیئر کر رہی ہوں امید ہے آپ بھی ٹرائی کرکے مزے لیں گے۔

اشیاء

گوشت، بیف یا چکن	ایک کلو
آئل	ڈیڑھ کپ تقریباً
دہی	آدھا کپ
پیاز بڑے سائز کے	پانچ
ٹماٹر درمیانہ سائز	چھ عدد
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چمچ
لہسن پسے ہوئے	پانچ جوئے
ادرک	ایک چمچ
دھنیا پسا ہوا	ایک چمچ
سرخ مرچ	دو چمچ یا حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت
ہلدی	آدھا چمچ

ترکیب

آئل یا گھی میں پیاز براؤن کرلیں اور کسی

کے درمیان میں بوٹیاں رکھ کر رائتے کے ساتھ نوش کریں، یہ ڈش تھال کے اردگرد بیٹھ کر سبھی افراد خانہ مل کر ہاتھ سے کھاتے ہیں۔

۴۔ یقیناً والدین ہی وہ ہستی ہیں جن سے ملے بغیر عید ادھوری لگتی ہے، میں نے چونکہ شادی کے بعد گیارہ سال یو اے ای میں گزارے ہیں تو مجھے اس بات کا احساس شدت سے ہوتا ہے، ویسے تو پردیس میں رہتے میرا ہر سال پاکستان آنا ہوتا تھا لیکن اتفاق سے عید کوئی نہیں منائی، اب گزشتہ دو سال سے مستقل طور پر پاکستان شفٹ ہو چکی ہوں تو اپنوں کے ساتھ عید منانے کا خوب لطف آ رہا ہے۔

۵۔ عید وشنگ کا بہترین ذریعہ تو عید کارڈز ہی ہیں، لیکن چند سالوں سے صورت حال کافی تبدیل ہو گئی ہے، شارٹ کٹ کے زمانے میں لمبی چوڑی مشقت کرنے کو اب کوئی تیار نہیں، بہرحال جہاں تک میری بات ہے تو زندگی میں شاید سب سے زیادہ شاپنگ میں نے عید کارڈز ہی کی ہوگی، عید کارڈز میرے لئے عجیب سی فینٹیسی کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو کارڈز میں نے وصول کیے وہ سنبھال کر بھی رکھے ہوئے ہیں، کالج اسکول کے زمانے میں عید کے موقع پر سب سے خوبصورت مرحلہ عید کارڈز کی خریداری کا ہوتا تھا، میں اپنے بھائیوں کے ساتھ "بک لینڈ" جا کر فرصت سے کارڈز منتخب کرتی جہاں واقعی بہت اعلیٰ کولیکشن تھی۔

۶۔ سسرالیوں کے ساتھ تو پہلی عید نہیں گزار سکی کیونکہ شادی کے سات ماہ بعد ہی شوہر کے پاس راس الخیمہ یو اے ای چلی گئی تھی، پہلی عید وہیں پر منائی، وہاں صرف ہم دونوں تھے، خوب گھومنا پھرنا رہا، شاپنگ کی، گفٹ

بھی ضرور دیا ہوگا، لیکن ٹھیک سے یاد نہیں۔

۷۔ فرق صرف دور کا ہے، تب منانے کا انداز کچھ اور تھا اور آج کچھ اور ہے، بہر حال وقت تو نام ہی مسلسل تبدیلی کا ہے، ہمیں ان دنوں میں زیادہ خوبصورتی محسوس ہوتی تھی، ہمارے بچے آج کی عیدوں کو بھرپور انداز میں انجوائے کرتے ہیں، عید کا حسن بہر حال آج بھی قائم ہے۔

سونیا چوہدری............سیالکوٹ

۱۔ عید اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ بے حد خوبصورت تحفہ ہے، عید کی روایتی چیزوں میں مجھے تو سب سے زیادہ عیدی لینا ہی پسند ہے جو کہ شکر رب کائنات کا کہ یہ روایت اب تک قائم تو ہے، ورنہ اب عید بہت مکینیکل ہوگئی ہے، اس کی خوشی میں وہ خلوص اور فطری پن نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا عید کی حقیقی خوشی وقت کے ساتھ ساتھ ماند پڑتی جا رہی ہے اور یہ ہی بات مجھے ناپسند ہے۔

۲۔ عید کا خصوصی اہتمام تو میں چاند رات کو شروع کر دیتی ہوں، جبکہ کچن کا کام میں نہیں سنبھالتی، اس لئے عید والے دن جس کا جو دل چاہتا ہے وہ اپنی اپنی فرمائش کے مطابق کھانا بنواتا ہے کہ عید پہ سبھی ڈشیز خاص ہی ہوتی ہیں۔

۳۔ الحمد للہ میرے تمام عزیز و اقارب میرے آس پاس ہی ہیں اور اللہ ہمیشہ ان کو میرے اردگرد ہی رکھے، اس لئے مجھے کبھی اپنی عید کسی کی وجہ سے ادھوری نہیں لگی۔

۴۔ عید وش کرنے کا بہترین اور مزے دار ذریعہ عید کارڈ لگتا ہے لیکن اب تو صرف موبائل فون کے ذریعے فارورڈ ایس ایم ایس بھیج کر اپنی اخلاقی ذمہ داری پوری کر لی جاتی ہے، کاش پھر سے کارڈز کا دور چلا آئے۔

۵۔ ابھی چونکہ میں شادی شدہ نہیں ہوں اس لئے اس سوال کا جواب مستقبل کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

۶۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں بہت زیادہ فرق ہے، بچپن میں ہم دیکھا کرتے تھے رمضان کے آخری روز لوگ چھتوں پر چڑھ کر چاند ڈھونڈا کرتے تھے اور اب تو اگر گھر والے اکٹھے ہو بھی جائیں تو ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر باقاعدہ چاند نظر آنے کے اعلان کا انتظار کرتے ہیں، بچپن میں عید پر ایک سہیلی کے گھر سے نکلے تو دوسری کو ملنے چلے گئے، لیکن اب تو نہ ویسی سہیلیاں ہیں نہ ویسی مخلصی، وقت نہیں انسان اور انسانوں کی سوچ بدل چکی ہے، جو مزہ بچپن کا ہوتا ہے وہ لفظوں میں بیان نہیں صرف یاد کر کے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

عمارہ امداد............اسلام آباد

اسلام علیکم، سب سے پہلے تو میری طرف سے ادارہ حنا اور اس سے وابستہ تمام احباب اور پیارے قارئین، سب کو عید مبارک۔

۱۔ مجھے عید کی ساری روایتیں ہی بہت پسند ہیں، عام دنوں کی نسبت خاص طور پر تیار ہونا، نئے کپڑے پہننا، میٹھا بنانا، گھر کے مردوں کا عید کی نماز پڑھ کر آنا تو کوئی میٹھی ڈش پیش کرنا اور ساتھ خود بھی کھانا، اس کے علاوہ بڑوں کا بچوں کو عیدی دینا یہ روایت مجھے بہت اچھی لگتی ہے، سب روایات ہی پسند ہیں ناپسند تو کوئی نہیں ہے، البتہ کچھ لوگ عید کے حوالے سے بے جا اسراف کرتے ہیں یہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔

۲۔ بچپن کی ایسی بہت سی عیدیں ہیں جن سے لطف اندوز ہوتی تھی اور اپنی معصوم اور چھوٹی چھوٹی خواہشیں پوری ہونے پر وہ یادگار لگتی تھیں، اب تو خوشیوں کا دارومدار اور خوشگوار

یادیں بچوں کے دم سے ہی ہیں، دو سال پہلے عید الفطر والے دن میرے چھوٹے بیٹے کی پانچویں سالگرہ تھی، اس لئے عید والے دن اس کی سالگرہ بھی منائی تو وہ اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ سب اس کی سالگرہ پر تیار ہیں اور اگر کوئی ملنے آتا تو وہ اور خوش ہوتا کہ لوگ اس کی سالگرہ منانے آرہے ہیں اور اس کی سالگرہ کی مبارک باد دی جارہی ہے، اس کا خوشی سے دمکتا چہرہ اور مسکراہٹ یہی عید میرے لئے یادگار ہے۔

۳۔ عید کا خصوصی اہتمام ضرور کرتی ہوں، بچوں کو تیار کرنا، خود بھی تیار ہونا، میٹھے میں ضرور کچھ بنانا، اس کے علاوہ چنوں کی چاٹ، دہی بھلے وغیرہ بھی بناتی ہوں، اس عید پر میرا موڈ لذیذہ شیر خورمہ بنانے کا ہے، کافی مزے کا بنتا ہے، گھر والوں کی ستائش بھی سمیٹ لوں گی اور گرمی میں زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑے گی، میرے خیال میں اس کی ترکیب تو لکھنے کی ضرورت نہیں، ڈبے پر لکھی ہوتی ہے۔

۴۔ ہر عید پر امی سے اور بہن بھائیوں سے فون پر بات ضرور کرتی ہوں، اسلام آباد سے میاں چنوں تک کافی فاصلہ ہے اس لئے کم کم ہی میکے جا پاتی ہوں، امی سے عید پر ملنے کی خواہش تو پوری نہیں ہو سکتی البتہ فون پر بات ضرور کرتی ہوں اور جب تک ان سے بات نہ ہو تو عید ادھوری ہی لگتی ہے۔

۵۔ بچپن میں تو عید کارڈ دینا ہی اچھا لگتا تھا اور تب عید کارڈ ہی چلتے تھے لیکن اب تو عید کارڈ کے ذریعے عید وشنگ تو میرا خیال ہے ختم ہی ہوتی جارہی ہے، اب تو زیادہ تر ایس ایم ایس اور کال کے ذریعے ہی لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں اب میں بھی فون یا ایس ایم ایس ہی کرتی ہوں لیکن مجھے ذاتی طور پر عید کارڈ کے ذریعے مبارک باد دینا زیادہ پسند ہے۔

۶۔ جی بالکل میں شادی شدہ ہوں اور شادی کو دس سال ہو گئے ہیں، سسرال میں پہلی عید اچھی گزری تھی چونکہ میری شادی فیملی میں ہی ہوئی ہے کزن کے ساتھ، اس لئے کوئی اجنبیت تو نہیں تھی اور کوئی ماحول کا بھی بہت فرق نہیں تھا، لیکن پھر بھی گھر سے پہلی دفعہ دور عید کر رہی تھی تو تھوڑی سی اداسی تھی جس کا سدباب میں نے آدھا دن فون کر کر کے کیا تھا، امی سے بہنوں سے اور ساری دوستوں سے دل بھر کر بات کی تھی، میری بڑی باجی بھی تب اسلام آباد میں ہوتی تھیں تو شام میں ان کی طرف چلی گئی تھی، تحفے کے لئے میں نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ابھی دو ماہ پہلے تو شادی ہوئی ہے، اس لئے کپڑے، جیولری وغیرہ سب کچھ میرے پاس ہے، لیکن جوڑنے والی تو میں نہیں تھی اس لئے اس کے بدلے ہالی ڈے ان میں ہائی ٹی کی تھی۔

۷۔ بچپن کی عید اور اب کی عید میں بہت فرق ہے، بچپن تو لاابالی ہوتا ہے اور عید آنے کی خوشی بھی بے پایاں ہوتی ہے، عید کی خوشی تو اب بھی ہوتی ہے لیکن بچپن کی معصومانہ خوشیوں کا تو اور ہی انداز ہوتا ہے، بچپن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، صرف اپنی تیاری کی فکر ہوتی ہے لیکن بڑے ہو کر خصوصاً شادی اور بچوں کے بعد اپنے سے پہلے بچوں کی عید کی تیاری اور اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانے کی فکر ہوتی ہے۔

دلِ گزیدہ

ام مریم

ساتویں قسط کا خلاصہ

بالآخر محبت کو فتح نصیب ہوئی اور غانیہ کا ستارہ چمک اٹھا، گاؤں سے تاؤ جی کی بیماری کی اطلاع کے ساتھ اچانک شادی کا اصرار ہوا اور شادی کی تاریخ طے کر دی گئی، غانیہ خواب کی سی کیفیت کے زیر اثر ہنوز غیر یقینی کا شکار ہے، کیا واقعی وہ اتنی خوش قسمت ہے......؟
منیب چوہدری دوسری مرتبہ اس تلخ تجربے سے گزرنے پہ آمادہ نہیں، کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ غانیہ سے شادی سے منکر ہونے کا کہتا ہے، غانیہ کی پہلو تہی کو اپنی توہین محسوس کرتا وہ سرتا پا قہر و غضب ہے۔
حمدان ماں کی کمی کا شکار بچہ ماما کی آمد کا سن کر خوش ہے مگر یہ خوشی بہت سے سوالوں کے جواب نہ ملنے پہ ادھورے پن کا شکار ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے آٹھویں قسط:
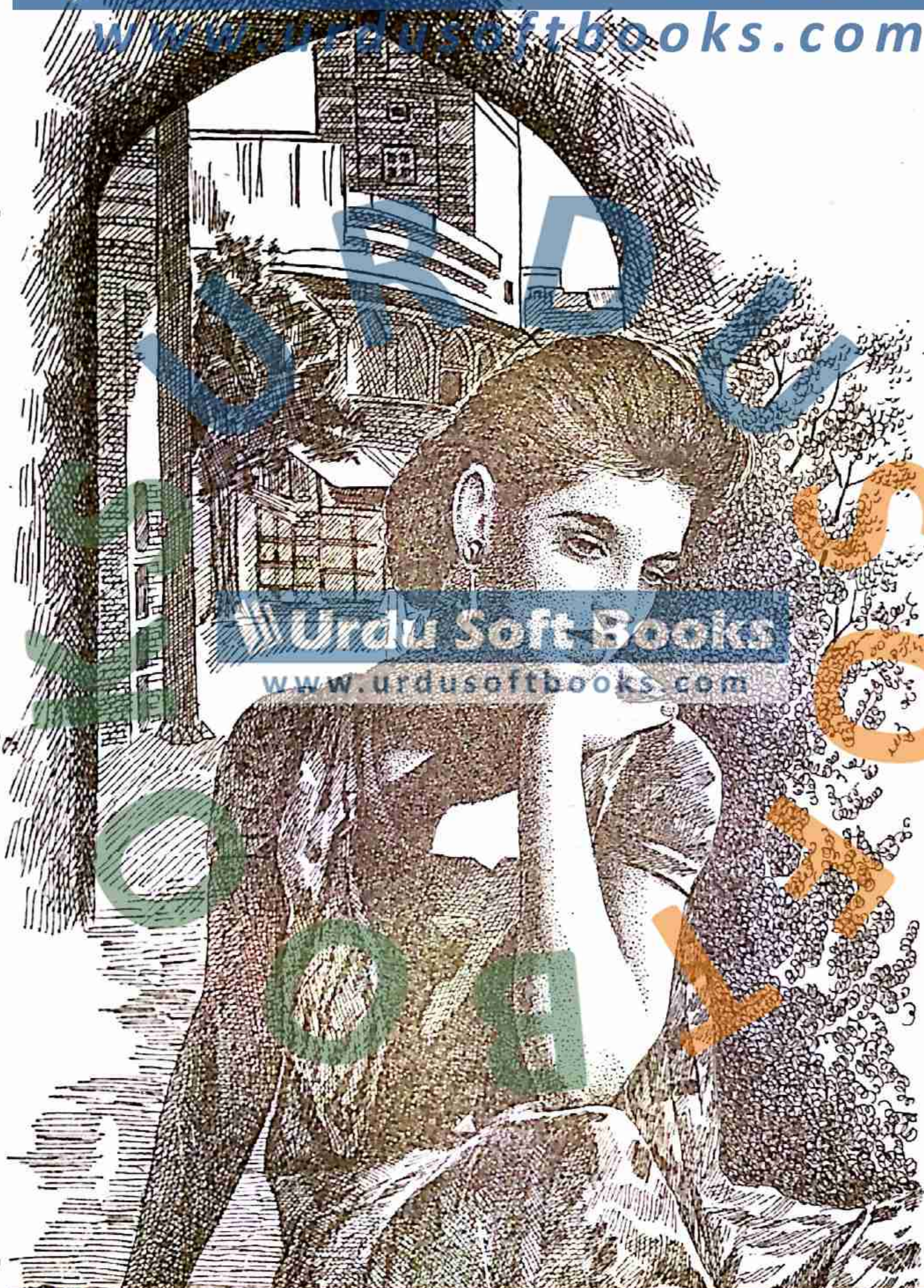
ہر شے تھی میرے گھر میں فقط ایک تو نہ تھا
تیرے بغیر گھر میرا ویران تھا بہت
تم چھوڑ دو اسے کہ بہت سے ہیں اور بھی
کہنا یہ بات دوستو آسان تھا بہت

دریائے ٹرینٹ کے پہلے پل کے پاس سفید بینچ پر وہ اکیلی بیٹھی تھی، اداس، ویران، وحشت زدہ سی، کبھی یہاں...... وہ اس کے ہمراہ آیا کرتا تھا، آج وہ اکیلی تھی، آج وہ دکھی تھی، وہ جو اسے نہ دیکھتی تھی تو دن نہیں چڑھتا تھا، اب دن گزرتے جاتے تھے اور وہ آتا نہ تھا، اس کا حال خسرو کی بیان کی کیفیت سے ملنے لگا۔

جو چشم سوزن چوزہ حیراں
ہمیشہ گریہ با عشق آمد

(کسی حیران و مرتعش شمع کی مانند میں عشق آمد میں گریہ کرتی بھٹکتی پھرتی ہوں)۔

سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں
تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

اس کے آنسو بھل بھل بہے جا رہے تھے، ٹرینٹ کے گدلے پانیوں میں گھلتے سورج کے نارنجی رنگ گہرے ہوتے جا رہے تھے، اک بار یہی اسی جگہ جب وہ دونوں اکٹھے تھے، اس نے سلیمان خان سے کتنی لجاجت سے کہا تھا۔

''اگر تم نہ ملے صاحب.... تو میں.... مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔''

اس کی آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی، سورج اس کے عقب میں تھا اور وہ پوری کی پوری زرد نارنجی رنگ میں ڈوبی ساکت و سامت مجسمہ لگنے لگی تھی، سلیمان شاید اس کی محبت پہ ایمان لے آیا تھا یا اس کے پاگل پن سے گھبرا گیا تھا، کچھ تو تھا کہ اسے اپنانے پہ آمادہ ہو گیا، وہ اس وقت بھی ایسی ہی وحشت کا شکار تھی، سورج آج بھی اس کے عقب میں تھا اور خود وہ نارنجی زرد رنگ میں ڈوبی نیم مردہ لگ رہی تھی، مگر وہ آتا نہ تھا کچھ بولتا نہ تھا، وہ اتنا ظالم تو کبھی نہ تھا جتنا اب کے ہوا تھا، اس کی ذہنی رو اک بار پھر بھٹکی۔

''ایسے مت دیکھیں مجھے۔'' وہ جھینپی تھی، کہ اس سحر کار کی نظروں کا رنگ ہی ایسا طلسم پھونکتا تھا، کہ وہ خاک ہونے لگتی، خاشاک ہو کر اس کے قدموں میں ڈھیر ہوتی جاتی، جواباً سلیمان کی مسکان بے حد گہری ہوتی گئی۔

''چلو اچھا ہوا، مجھے کم از کم یہ تو پتا چلا تمہیں کیسے خاموش کرایا جا سکتا ہے، مستقبل میں کام آئے گی یہ بات۔''

''مستقبل کب آئے گا یہ سنہرا وقت صاحب! جب آپ پورے کے پورے میرے ہوں گے۔'' وہ حسرت زدہ انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی، جس کے نقوش میں دیوتاؤں کی سی تمکنت اور بے نیازی تھی، آنکھوں میں اک مسحور کن چمک تھی، وہ اپنے سامنے کھڑے شاندار شخص کی شخصیت

میں چھپے سحر اور تمکنت سے بری طرح مرعوب ہو چکی تھی، وقت بیت گیا، بیتے وقت نے انمول لمحے چرائے، اس کی ہتھیلیوں پہ صرف پچھتاؤں کے رنگ اترے ہوئے تھے، شام کے رنگ سرمئی ہو گئے، ٹرنیٹ کے مٹیالے پانیوں میں سیاہی گھلنے لگی، اس کی آنکھوں میں بھی، اس کے وجود پہ بھی اس کی روح میں بھی، آنسو قطرہ قطرہ بہتے تھے، اسے یاد تھا سلیمان نے کہا تھا، اسے سلیمان کا کہا ہر لفظ از بر تھا۔

''سارا جھگڑا ملکیت کا ہے، ہم رشتوں کو ہمیشہ کے لئے ملکیت تصور کرنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ رشتے تو امانتاً ہمیں سونپے جاتے ہیں، ہر رشتے کے الگ الگ حقوق و فرائض متعین کیے گئے ہیں، تاکہ کسی سے زیادتی نہ ہو، میں ہر رشتے کو اس کے مقام پہ رکھنا چاہتا ہوں، ضد نقصان کا باعث بنا کرتی ہے، ضد چھوڑ دو۔''

اور اس نے ضد نہیں چھوڑی، کیسے چھوڑتی وہ زعم ہی اتنا رکھتی تھی، اعتماد ہی ایسا کرتی تھی، پھر سلیمان نے کھل کر بھی تو نقصان کی بابت نہ بتایا اور وہ مغلوب کر دی گئی۔

کوئی اسے پکار رہا تھا، وہاں سے اٹھ جانے کو کہہ رہا تھا، اس نے چونک کر دیکھا، ٹرنیٹ کے پانیوں پہ رات اتر چکی تھی، واقعی بہت دیر ہو گئی تھی، اتنی دیر کہ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا، کوئی نقصان پورا ہونے والا نہیں تھا، کوئی زخم بھرنے کو تیار نہ تھا، کوئی اسے بتاتا وہ کیا کرے کہ......

صدیوں سے راہ دیکھتی ہوئی وادیوں میں گم
اک لمحہ آ کے ہنس گئے میں ڈھونڈتا رہا
پھر نہ تم کو کے بتانا تو تھا مجھے
تم دور جا کے بس گئے میں ڈھونڈتا رہا

وہ اٹھ کھڑی ہو گئی، ٹرنیٹ مکمل طور پہ سیاہ ہو چکا تھا، اس کی قسمت کی طرح اس کی زندگی کی مانند۔

☆☆☆

سارا دن بے حد مصروفیات اور بھگدڑ مچی رہی، کنیز کا شوہر دوبئی ہوتا تھا، شادی کے بعد کنیز کو بھی وہیں چلے جانا تھا، مگر آج تو ساجد (کنیز کا شوہر) کو ہی روانہ ہونا تھا، جبھی اماں نے ان کی پوری فیملی سمیت دعوت کر رکھی تھی، بھرجائی بھی آئی ہوئی تھیں بچوں کے ساتھ، وہی کنیز جسے شادی سے قبل کچھ گردانتی نہیں تھیں، اب اس کے آگے پیچھے پھرتیں۔

''اویس ذرا بڑا ہو جائے تو میں بھی اسے دوبئی ہی بھجواؤں گی۔'' انہیں ساجد کے ٹھاٹ از حد متاثر کر رہے تھے، دوپہر کا کھانا کھا کر وہ لوگ سر شام نکلے، ہما اور سہیل تو ساتھ ہی گئے تھے ایئر پورٹ تک، اماں نے البتہ ادھر سے ہی خدا حافظ کہہ دیا، منیب کو گھر آتے ہی مغرب ہو گئی، بھرجائی ابھی ادھر ہی تھیں، آتے ہی اسے دھر لیا۔

''بہنوئی اتنی دور جا رہا تھا، ملاوی نئیں تو دیور صاحب، یہ وی نہ سوچا اک بہنوئی ہے برا مان جائے تے فیر؟'' منیب نے چونک کر اک نظر انہیں دیکھا اور بیگ وہیں کھڑے کھڑے چارپائی پہ اچھال دیا، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ کوٹ بھی اتار چکا تھا۔

''الوداعی ملاقات ہوئی تھی میری ساجد سے، اک گلاس پانی دے دیں مجھے اماں!'' بھرجائی کی بات کا بادل نخواستہ جواب دیتے اس نے اماں کو مخاطب کیا تو بھرجائی کو اک اور موقع مل گیا اس پہ گرفت کرنے کا۔

''ہا...... ہائے منیبے! تو ہلے تک ماں سے کم کراتا ہے، بڈھی آ گئی ہے اب تو تیری، اس سے کیوں نہیں کراتا خدمتیں؟'' منیب کو بھرجائی کی یہ بات ناگوار لگی تھی، یہ تاثر ان کے چہرے پہ آ چکا تھا، مگر بولا کچھ نہیں۔

''وہی کرتی ہے سارے کم، تو فکر نہ کر۔'' اماں کی وضاحت پہ بھرجائی تمسخرانہ مسکرائیں۔

''نکا روتو نہیں رہا تھا منیب؟'' اماں کو حمدان یاد آیا، جو جاتے ہوئے بہت افسردہ ہو رہا تھا۔

''نہیں۔'' منیب اٹھ کھڑا ہوا، جواب مختصر تھا، اماں کی تسلی نہیں ہو سکی۔

''کیا تھا اگر تو......''

''بس رہنے دیں اماں، جو اس کے حق میں بہتر ہے میں وہ کر رہا ہوں۔'' ان کی بات قطع کرتا وہ ازحد درشتی سے ٹوک گیا۔

''اوہو...... بڑا غرور ہے دیور جی کو اپنے فیصلوں پہ، دیکھیں گے جب وہ بچونگڑا بڑا ہو کر کہیں کا ''ڈی سی'' لگ جائے گا۔'' بھرجائی نے بالآخر جلاپا ظاہر کر دیا، اماں نے اک نظر انہیں دیکھا اور سر جھکا کر بیٹھ گئیں، منیب کمرے میں آیا تو غانیہ وہاں تبھی نہیں تھی، وہ دھیان دیئے بناواش روم میں بند ہو گیا، چینج کر کے باہر آیا تو جانے کا اک موہوم تھا مگر وہ تبھی نہیں تھی، منیب وہیں بیٹھ گیا ہمک اٹھاتے اس نے خود پہ کمبل کھینچ لیا۔

''کیسی لڑکی تھی، ضروریات پوری کرنی تھی خواہشات نہیں اور اک نیناں تھی جس نے صرف خواہشات کے پیچھے دوڑ لگا رکھی تھی، کیا یہ واقعی ویسی نہیں ہے؟'' وہ خود سے سوال کر رہا تھا، جواب میں خاموشی تھی دل اس کے حق میں فیصلہ دیتے سخت متامل تھا، اس کے لئے نرم ہوتا تھا نہ ہموار، اس پہ سابقہ رات کی غانیہ کی انا۔

حالانکہ وہ سمجھتا تھا اسے حمدان کی خاطر ایسا کرنا چاہیے تھا، مگر وہ نہیں کر پائی، یوں وہ خیال بھی فاسق ہوا جو وہ اخذ کر رہا تھا کہ شاید غانیہ اس کے بیٹے کے حق میں بہتر ثابت ہو جائے، اس کی خاطر کچھ بھی قربانی دے ڈالے، مگر نہیں، جو لڑکی اپنی انا قربان نہ کر سکی تھی، وہ اور کیا کرتی، وہ اور کیا کر سکتی تھی، کچھ نہیں، غانیہ کی انا اسے محض اکڑ غرور اور تکبر لگی تھی، ضد کے سوا کچھ محسوس نہ ہوا تھا۔

(میں تو پہلے ہی تمہیں کوئی اہمیت کوئی درجہ دینے کو تیار نہ تھا غانیہ بیگم، اپنی اس حرکت کے بعد تم نے خود پر مزید مشکلات کھڑی کر لی ہیں۔)

سگریٹ پھونکتے ہوئے وہ ہنوز غصے سے بھرا ہوا تھا، غانیہ کھانے کی ٹرے لے کر آئی تب تک وہ یونہی نیم دراز خراٹے لینے میں مصروف ہو چکا تھا، نیند کا ایسا غلبہ اور انداز اس کی تھکن یا طبیعت کی خرابی کی جانب اشارہ کرتا تھا، ٹرے رکھتے ہوئے غانیہ سوچ میں پڑی تھی، اب کیا کرے، اسے جگانے کی جرأت کہاں سے لائے، البتہ کمبل ضرور اس پہ درست کر دیا، جو صرف

ٹانگوں کی حد تک تھا، کھینچ کر سینے تک لاتے منیب کی آنکھ کھل گئی، غانیہ اک نظر سے زیادہ نہیں دیکھ سکی تھی، مگر اس کی لہو رنگ آنکھوں میں

کمبل اس کے ہاتھوں سے سرک گیا، وہ کیسے اسے گھور رہا تھا، غانیہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہوئی بلکہ دھڑکتے دل کو سنبھالتی بے اختیار پلٹ کر باہر بھاگ گئی، منیب سر جھٹک کر کروٹ بدل گیا، سر بھاری تو جسم میں حرارت محسوس ہو رہی تھی، وہ چاہنے کے باوجود نہیں اٹھ سکا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی کا دھندلا غبار اور سناٹا پھیلا ہوا تھا، اسے اپنا سر ہنوز بھاری محسوس ہوا، ذرا سا کہنیوں پہ دباؤ ڈال کر اونچا ہوتے اس نے وال کلاک پہ نگاہ کی، دس بج کر چالیس منٹ۔

اس نے بے اختیار گردن موڑی، غانیہ صوفے پہ سکڑ کر لیٹی ہوئی نظر آئی، جسم پہ کسی کمبل یا لحاف کی بجائے وہی گرم چادر تھی جو سارا دن وہ اسے اوڑھے دیکھا کرتا، منیب چند ثانیے اس زاویے پہ ہونٹ بھینچے ساکن اسے دیکھتا رہا، شدید غصہ اس کے دماغ میں ٹھوکریں سی مارنے لگا، اسے اس متکبر لڑکی پہ شدید تاؤ آ رہا تھا، اک دل تو چاہا مرنے دے اسے ٹھنڈ میں، اماں شاید آج بھول گئی تھیں، انگیٹھی سلگانا جبھی سردی کی شدت کہیں زیادہ تھی۔

(اب کیا میں اس مہارانی کی منت کروں کہ معاف کر دے مجھے، غلطی ہو گئی جو ایسا کہہ دیا تھا اور بستر پہ تشریف لے آئے، کیوں کیوں، ہے اس کی اتنی اوقات؟ اور غرور تو دیکھو ذرا، میرے سر چڑھ مرنا چاہتی ہے، مرے جان چھوڑ دے)

سگریٹ سلگاتے ہوئے خود بھی جھلس [illegible] تھا، پھر بستر اچاہا کہ اس کی ذات سے بے پرواہ ہو جائے، خود پہ بے حسی طاری کرے، پھر سو جائے، مگر اندر جو ہمدردی کا احساس تھا وہ اس کے بار بار سر جھٹکنے پہ بھی ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا، وہ پھر اک بار جھنجھلا کر اٹھ گیا، جی میں آئی اس غرور کی پوٹ کے دو لگا کر اسے خود بستر پہ پٹخ دے، مگر ایسا کرنے میں اپنی انا بھی مجروح ہوتی تھی، وہ ہارتا تھا، کیوں اس پہ ظاہر کرے کہ اس بہانے اسے خود سے قریب کر رہا ہے، امپاسبل۔

اس نے اس خیال کو بھی رد کر دیا، اک نئی سگریٹ سلگالی، وہ بھی ختم ہو گئی، مگر اضطراب اور فضول کا جذبہ ہمدردی ہی نہ ختم ہوا، وہ جھنجھلا کر اٹھ گیا، سلیپر پہنے، لحاف اٹھا کر اس کے اوپر پھینک دیا، غانیہ جو سردی کے باعث ٹھٹھرتی سو نہیں پا رہی تھی، ٹھٹک کر متوجہ ہوئی۔

"اور یہ عجیب بات نہیں کہ شادی سے قبل جن چیزوں کو استعمال کرتے تم ذرا نہ جھجکی تھیں، انہیں اب شیئر کرنے میں ایسا تامل، ایزی ڈیئر، میں جا رہا ہوں، تم اطمینان سے سو سکتی ہو۔"

طنز سے کہتا وہ آخیر میں تسلی دینے کے انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا، غانیہ ایک دم متاسف ہو گئی، اسے بہت شرمندگی ہوئی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے بے آرام ہو چکا تھا۔

"کہیں خفا نہ ہو گئے ہوں کہ میں حمدان کی بات کیوں نہ مانی، غلطی ہو گئی کم از کم مجھے......" وہ بے چین بے قراری مختلف سوچیں سوچتی رہی تھی، لحاف میں اس شخص کی خوشبو تھی، جو اسے اس کی طرح محبوب تھی، مگر وہ پھر بھی بے چین مضطرب ہی رہی، اس کی منتظر بھی، جو جانے کہاں اتنی سردی اتنی رات میں خوار ہوتا پھر رہا ہوگا، ساری رات اس پریشانی اک [illegible] کے ساتھ ڈھل گئی، صبح فجر

کی اذان سے پہلے کہیں جا کر آنکھ لگی، ادھر وہ پرسکون ہوئی ادھر منیب نے اندر قدم رکھا تھا، اسے لحاف میں سکون کی نیند سوتے دیکھ کر اپنی خواری پہ خود لعنت بھیجی۔

''یہ میری بیوی ہے، اسے کچھ میرا خیال......؟ اس پہ محبت کے دعوے، سبحان اللہ۔'' آدھی سے زیادہ اس کی جان وہیں جل کر خاک ہوئی تھی، مزید جلنا نہیں چاہتا تھا، جبھی وہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کرلیا۔

''غانیہ سے کہیں تیار ہو جائے، اسے اس کے میکے چھوڑ دوں گا۔'' نماز کے لئے مسجد جاتے اس نے وضو کرتیں اماں کو مخاطب کیا تھا، اماں نے حیرانی سے اسے پلٹ کر دیکھا۔

اس سے قبل کہ کچھ کہتیں وہ باہر نکل گیا، نماز پڑھ کر لوٹا تو غانیہ کمرے میں نہیں تھی، منیب اپنی تیاری میں لگ گیا، کچن میں ناشتے کو آیا تو غانیہ کو اطمینان سے چائے پکاتے دیکھ کر برس پڑا تھا۔

''کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ یہ سارا گھر تمہاری وجہ سے چل رہا ہے؟'' غانیہ جسے اس کے کسی بھی ارادے کی خبر نہیں تھی اس جھاڑ کی وجہ نہ سمجھتے ہوئے ہراساں سی ہوگئی۔

''جی...... میں سمجھی نہیں۔'' وہ عاجز و بے بس لگنے لگی۔

''شٹ اپ، تیار نہیں ہوئیں تم؟'' وہ غرایا، غانیہ حواس بحال نہ رکھ سکی، گھبراہٹ بہت شدت سے اس پر حملہ آور ہوئی۔

''ک...... کیا کہیں جانا تھا؟'' اس نے ہکلا کر پوچھا، آنکھوں میں سوال ہی نہیں تشویش بھی اتر آئی، منیب کو اس کے [illegible] پہ قہر [illegible]

''اماں نے تمہیں کچھ بتایا نہیں ہے؟'' وہ دانت پیس کر پوچھ رہا تھا، غانیہ نے فی الفور نفی میں گردن ہلائی، منیب کو مزید تپ چڑھ گئی، وہ واپس پلٹا اسی وقت اماں اندر آ گئیں۔

''میں کچھ کہہ کر گیا تھا آپ سے اماں۔'' وہ چڑ کر یہی کہہ سکا۔

''تو خود کیوں نہیں کہہ لیتا، ساری رات تم اکٹھے ہوتے ہو، پھر بغیر تیاری کے کیسے بھیج دیتی بچی کو...... پہلی بار میکے جائے گی شادی کے بعد۔''

''ایسے کون سے آپ نے گھوڑے ہاتھی ساتھ کرنے تھے جو تیاری میں وقت صرف ہوگا، بہرحال آج تیاری کر لیجئے گا، میں کل اسے چھوڑ دوں گا ادھر۔''

جل کر کہتا وہ ناشتے میں مصروف ہوا، غانیہ البتہ سخت بے چین و پریشان نظر آنے لگی، اس کا موڈ ایسا تھا کہ اسے ہرگز خیریت نہ نظر آئی تھی، کہیں تو اسے بھیجنے پہ آمادہ نہ تھا، کہاں خود چھوڑنے پہ تل گیا، اسے فکر لاحق ہونی تو لازمی تھی، اماں کچن میں ہی تھیں، ان کے سامنے بھلا وہ کیا کہتی جبھی بہانے سے کمرے میں آ گئی، صد شکر اس کا بیگ ابھی یہیں تھا، لینے تو لازمی آنا، اس نے گم صم انداز میں بیگ اٹھا لیا، دوپٹے سے جھاڑا، نادیدہ گرد بہت پیار سے جھاڑی، تب ہی کسی نے ہاتھ بڑھا کر بیگ اچک لیا، غانیہ متحیر سی سرعت سے پلٹی اور اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

''ان چونچلوں کا عادی نہیں ہوں، نہ تمہیں ان کا کوئی فائدہ پہنچنے والا ہے، بے کار ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' سرد مہر غایت درجے کے بے رحم انداز میں کہتا وہ غانیہ کا پہلے سے سہما دل یکدم سے پاتال [illegible] گیا، وہ جو اس سے بات کرنے آئی تھی، ٹکر ٹکر صورت دیکھتی رہ گئی۔

تیب اُنہی قدموں سے پلٹ کر جا چکا تھا۔

☆☆☆

تفکر اس کی روح کو جکڑ چکا تھا، اسی پریشانی میں کچھ کھایا بھی نہیں گیا، دادی اور اماں کے ساتھ سہیل اور تاؤجی کو کھانا دے کر اس نے کمروں کی صفائی کی، پھر کچن میں آ کر برتن دھونے لگی، ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی، غانیہ نظر انداز کیے اپنے کام میں مصروف رہی کہ سہیل گھر پہ ہو تو فون وہی اٹھالیتا تھا۔

''آپ کا فون ہے بھابھو!'' کچھ دیر بعد ہی سہیل دروازے پہ آ کھڑا ہوا، غانیہ فی الفور پلٹی، اس کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت تھی۔

''کون ہیں ماما......؟''

''نہیں آپ کی سسٹر، فضہ آپی۔'' غانیہ نے عجلت میں نل بند کر دیا، دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی وہ فون کی طرف چلی گئی، سہیل کو عجیب سی یاسیت نے آن لیا، کوئی اس حد تک گھریلو رنگ میں رنگ جانے والی لڑکی کو دیکھ کر یقین کر سکتا تھا وہ کیسی ہو سکتی تھی ایک ماہ قبل تک۔

''السلام علیکم!'' غانیہ نے ریسور اٹھالیا تھا، فضہ کو وہ تمام تر خوشدلی کے مظاہرے کے باوجود بجھی ہوئی پژمردہ آواز لگی تھی۔

''ہم یاد کریں تو کریں، تمہیں تو وکیل صاحب کے سوا سب کچھ بھول گیا۔'' فضہ کے انداز میں شکایت تھی، سلام کا جواب بھی پتا نہیں کیسے دیا، بس شروع ہو گئی، غانیہ کو یکدم چپ لگی، وہ ہرگز غلط نہیں کہہ رہی تھی۔

''میں آج تمہیں کال کرنے والی تھی، مما کیسی ہیں اور عمر......؟''

''سب ٹھیک ہیں، مما بھی، مگر تمہارے فیصلے پہ اندر ہی اندر گھل رہی ہیں وہ غانیہ، انہیں ابھی بھی لگتا ہے تم نے غلط کیا ہے۔'' غانیہ کو پھر چپ لگ گئی، اب تو اسے بھی یہی لگنے لگا تھا۔

''میں ایک ہفتے بعد جا رہی ہوں واپس، غانیہ تم ملنے آؤ گی مجھے؟'' اس کی خاموشی پر فضہ پکار کر پوچھ رہی تھی، غانیہ چونک کر رہ گئی۔

''اتنی جلدی؟'' وہ ٹھٹکی تھی، فضہ ہنسنے لگی۔

''وکیل صاحب نے اتنا خوش رکھا ہوا ہے تمہیں کہ یہ بیس بائیس دن گزرنے کا احساس نہ ہوا؟'' فضہ پھر شرارت پر اتری یا اس پر چوٹ کر رہی تھی، وہ سمجھنے سے قاصر رہی، البتہ آنکھیں ضرور بھر آئیں، کیا وہ بتا سکتی تھی، کتنی خوش تھی وہ، کسی کو نہیں بتائی جا سکتی تھی یہ بات۔

''کہاں کھو گئیں غانیہ!'' فضہ کے پکارنے پر وہ ہڑبڑائی۔

''وہ کہہ رہے تھے، مجھے لے کے یہاں آئیں گے، میں جلد آ جاؤں گی فضہ!'' اس جواب پہ پتا نہیں فضہ کی کسی حد تک تسلی ہوئی، مزید کچھ دیر بات کر کے اس نے فون بند کیا تھا، تو غانیہ کے پاس کہنے کو جیسے کچھ بھی نہ رہا، صحن بہت بڑا تھا ابھی بھی، برآمدے کے کونے پہ موجود پیڑ کا سایہ، صحن کے ایک چوتھائی حصے کو گھیر لیتا تھا، پتوں سے لدی شاخیں برآمدے تک آتی تھیں، وہ وہیں سے پیپل کے درخت کے ساتھ بندھا جھولا دیکھ سکتی تھی، آہستگی سے چلتی وہ اسی جھولے پہ آ کر بیٹھ

لٹی، اتنی آہستگی سے کہ شاید درخت کو بھی پتا نہ چلا، اس نے بے دلی و دلگیری کے انداز میں رسی سے سر ٹکا دیا، ہلکی ہلکی گرم نم ہوا سے جھولا، دھیرے دھیرے ہلنے لگا، دھیما دھیما سا آگے پیچھے جھولنے لگا، وہ درخت کی شاخوں میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی، چہرہ بے رونق، بال چوٹی میں مقید اور ہار سنگھار ناپید تھا، کلائی تک پھنسی چوڑی دار آستین اور تنگ پاجامہ اور یہ بڑا سا دوپٹہ جو گردن سے لپٹا نیچے زمین پر جھول رہا تھا، اپنے دھیان میں اندر آتا ہوا منیب وہیں ساکن و سامت کھڑا ہوا، اسے دیکھے گیا، وہ بجھ رہی تھی، یا گھل رہی تھی، اسے لگا گلاب مرجھا رہا ہے، وہ اسی طرح اسے دیکھے گیا، اس کے چہرے اور منیب کی نگاہ کے درمیان پتے حائل تھے، اس نے درمیان سے پتے نہیں ہٹائے، وہ کیا کیا ہٹاتا، درمیان میں تو بہت کچھ آ گیا تھا، نفرت انا ضد اکڑ بہت کچھ۔

وہ سر جھٹک کر اندر بڑھ گیا، غانیہ اسی بے خبری کی کیفیت میں وہیں بیٹھی تھی، شام کو وہ کچن میں چاول پکانے کی تیاری کر رہی تھی جب تائی ماں نے اسے اندر بلایا تھا۔

''پتر اپنی تیاری کر لے، منیب نے تجھے کل تیرے پیکے لے کر جانا ہے۔''

''میں کر لوں گی اماں۔'' اس نے انہیں تسلی کرا دی اور خود پھر سے کچن میں آ گئی، رات کے کھانے کے بعد اس نے دودھ گرم کر کے سہیل کے ہاتھ سب کے گلاس جہاں کوئی موجود تھا پہنچا دیئے۔

''آپ خود کیوں نہیں پیتیں ہیں دودھ؟'' سہیل کو اس لڑکی کے تنہا سفر کی کٹھنائیوں کا ملال کھائے جاتا تھا، اس کی ویرانی چھپائے نہ چھپتی تھی۔

''ایسے ہی..... دل نہیں چاہتا۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''اتنی کمزور ہوتی جا رہی ہیں، آج ہی خوش ہو جائیں، اپنے والدین کے گھر جانا ہے آپ کو، آج بہت عرصے بعد۔'' وہ ایسے اس سے بات چیت کر رہا تھا۔

غانیہ نے گہری سیاہ سحر طراز آنکھوں پہ سایہ فگن خمیدہ پلکوں کی جھالریں اٹھاتے ہوئے دانستہ مسکرا کے اسے دیکھا۔

''میں خوش ہوں سہیل۔'' سہیل اب کے کچھ نہیں بولا، محض ہنکارا بھر کے خاموش رہا، چند لمحوں بعد پلٹ گیا، غانیہ نے سرد آہ بھری اور کچن کا کام سمیٹتی اٹھ کر باہر آ گئی، اس نے دادی کے کمرے میں جھانکا، وہ سو رہی تھیں، اماں وہیں اک سائیڈ پہ نماز پڑھنے میں مصروف، گہرا سانس بھرتی وہ پلٹ کر پھر کمرے میں آ گئی، وہ شخص کہیں نہیں تھا، غانیہ چونکہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی جبھی دانستہ کتاب کھول لی، غالب امکان تھا وہ آئے گا، مگر رات بھیگتی گئی تو اس کا انتظار بھی دم توڑتا چلا گیا، اسے نہیں آنا تھا نہیں آیا، غانیہ نے اٹھ کر پہلے دروازہ بند کیا تھا، پھر لحاف کھول کر اوڑھ لیا، سردی آج معمول سے بھی کہیں بڑھ کر تھی، معاً یاد آیا کل کی تیاری تو کوئی کی نہیں، اٹھی اپنے کپڑے نکال کر دیکھے، ایسا لباس جو سادہ بھی ہو اور بھرم بھی رکھ سکے نئی ہونے والی شادی کے تقاضوں کا۔

اپنے ساتھ اس نے منیب کے بھی چند جوڑے استری کر کے لٹکائے، لاکر میں اس کے زیورات موجود تھے، اس نے پرل کا سیٹ منتخب کیا تھا، اس کام سے فراغت کے بعد بیگ میں ساتھ لے جانے کے لیے چند شوخ جوڑے رکھ دیئے، تیاری مکمل تھی، وہ نہیں جانتی تھی، اسے وہاں

رکتا ہوگا یا وہ شخص ساتھ واپس لانے کا ارادہ رکھتا تھا، بہر حال اس نے سارا انتظام مکمل کر لیا، تاکہ منیب کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے، واپس بستر پہ لیٹتے اس نے لائٹ بھی آف کر دی، ابھی نیند پوری طرح گہری بھی نہیں ہو سکی تھی جب کسی احساس کے تحت پھر سے آنکھ کھل گئی، شعور بیدار نہیں تھا، وہ ابھی نیند کے غلبے میں تھی کہ دستک کی آواز پہ اچھل پڑی، قطعی سمجھ نہ آ سکی اس وقت کون ہو سکتا ہے، اس نے سانس تک روک لی، خوف اس کے اعصاب شل کرنے لگا تھا، اس سے قبل کہ مزید یہ خوف اسے حراساں کرتا، منیب کی آواز نے اسے متحرک کر دیا۔

''غانیہ...... دروازہ کھولا...... میں منیب۔'' وہ اچھل کر کھڑی ہوئی، لائٹ آن کرتے ہی جھٹ چٹخنی گرا دی، وہ جیسے منتظر ہی تھا، پٹ دھکیلتا اسے سامنے سے ہٹاتا تیزی سے اندر گھسا اور دروازہ پھر سے بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔

''سو رہی تھی کہ دنیا سے ہی چلی گئی تھیں، کب سے دروازہ بجا رہا تھا، نان سنس۔'' اس کی جانب رخ کرتے ہی وہ مدھم غراتی آواز میں اس پہ برس پڑا، غانیہ جو اس افراتفری اس بھگدڑ کی وجہ نہیں سمجھی تھی، مزید گڑبڑا کر رہ گئی۔

''سب خیریت ہے؟''

''ابا جی آ کر پوچھیں تو کہنا کب کا سویا ہوا ہوں سنا۔'' سر تک لحاف کھینچتے وہ اسے بتی بجھانے کا اشارہ بھی کر چکا تھا، غانیہ مزید ہونق ہو کر رہ گئی، چند لمحے متحیر کھڑی رہی پھر لائٹ آف کر دی، ابھی اپنی قیام گاہ یعنی صوفے تک بھی نہیں پہنچی تھی کہ دروازہ اک بار پھر دھڑ دھڑایا، وہ اس افتادہ پہ کیا بوکھلائی کہ اچانک اس کی کلائی سخت و درشت گرفت میں آ کر جھٹکا لگا گئی۔

''ابا ہیں، خبردار جو انہیں شک ہونے دیا۔'' اندھیرے میں اس نے منیب کی سرد پھنکارتی تنبیہی آواز سنی تھی تو دل ذرا سنبھلا، خود کو کمپوزڈ کر کے اس نے پھر لائٹ جلائی اور دروازہ کھول دیا، واقعی تاؤ جی تھے، ان کی متلاشی بے چین نظریں اندر بھٹکی تھیں اور بیڈ پہ تنے ہوئے لحاف پہ جا کر تھم گئیں، آنکھوں میں قہر غصہ اور غیض وغضب سب کچھ تھا۔

''پتر منیبے کو اٹھا ذرا۔'' انہوں نے خود اندر آنے سے گریز برتتے اسے بھاری ذمہ داری سونپی، وہ سٹپٹا سی گئی۔

''وہ تو کب کے سو رہے ہیں تاؤ جی، طبیعت ٹھیک نہیں تھی، دوا لے کر لیٹے ہیں، شاید آسانی سے نہ اٹھیں۔'' وہ گریزاں تھی، بہت سوچ سوچ کر بولی، تاؤ جی نے اک نظر اسے دیکھا، ان کی آنکھوں میں اچنبھا اور تحیر اک ساتھ امڈا، گویا فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں، جسے کچھ دیر قبل باہر دیکھا وہ منیب نہ تھا، ان کی آنکھیں دھوکہ کیسے کھا گئیں، غصہ اتنا تھا کہ بغیر لحاظ کے اس وقت اس کی کلاس لینے آ پہنچے، مگر وہ بھی کم کائیاں نہیں تھا۔

''ہلاں...... چل پتر تو دروجا بند کر لے، آرام کر، چلتا ہوں میں وی۔'' انہوں ن اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا، وہیں سے پلٹ گئے، غانیہ نے سکھ کا سانس بھرتے ہوئے دروازہ بند کیا، پلٹی تو ٹھٹک گئی، وہ بہت اطمینان سے بیٹھا سگریٹ سلگا رہا تھا۔

''تھینکس۔'' بہت سارا دھواں بکھیرتے وہ بھاری بھر کم آواز میں گویا ہوا، غانیہ نے خود کو

سنبھالا اور دھڑکتے دل کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔

''یہاں آ جاؤ، بہر حال آج میں ہمدردی میں بھی تمہیں لحاف نہیں بخش سکتا، یہی حل ہے اس کا کہ تم میرے ساتھ شیئر کر لو۔'' غانیہ سناٹے میں گھر گئی، دھڑکتا دل یکدم ساکن ہو گیا، جیسے کبھی زندہ ہی نہ ہوا ہو، اسے لگا وہ پھر اس کی تذلیل کا آغاز کر چکا ہے، آنکھیں تکلیف و کرب کے مارے جھلملا گئیں۔

''ہیلو کس سوچ میں پڑ گئیں موصوفہ؟'' منیب کا لہجہ طنزیہ ہوا، غانیہ نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا، وہ متوجہ تھا، نگاہوں کی اس گستاخانہ چمک پہ اس کا چہرہ تپ کر انگارہ ہوا، دل سلگ اٹھا۔

''میری فکر میں ہلکان نہ ہوں چوہدری صاحب، کر لوں گی گزارہ کسی نہ کسی طرح۔'' وہ تڑخ گئی تھی، منیب کو کہاں توقع تھی وہ ایسے بپھرائے گی، جبھی اسے بھی قہر بننے سے کوئی نہ روک سکا۔

''تم...... تم خود کیا سمجھتی ہو، میں مر رہا ہوں تمہارے فراق میں؟'' وہ خونخوار انداز میں غراتا اس پہ چڑھ دوڑا، غانیہ نے اپنا بازو اس سے چھڑوانے کی کوشش نہیں کی، بس بہتی نم آنکھوں سے اسے کچھ دیر دیکھا۔

''اب ہی تو خود کو ٹھیک سمجھی ہوں منیب صاحب! کہ میری حیثیت دو کوڑی کی بھی نہیں ہے آپ کے نزدیک، اگر میں محبت کے قابل نہیں تو مجھے ایسی خیرات بھی نہیں چاہیے، یہ میری ضد نہیں خودداری ہے، میں بھی آپ کو بتاؤں گی کہ غانیہ نے محبت میں یہ قدم اٹھایا تھا، ہوس میں مبتلا ہو کر نہیں۔'' وہ بھی پھٹ پڑی تھی، منیب کو سکتہ ہوتے ہوتے رہ گیا، اس نے ایکدم اس کا بازو چھوڑ دیا، بلکہ وحشت بھرے انداز میں اسے دور جھٹک دیا۔

''ہاں تم اور تمہارے یہ دعوے، مٹی کی دیوار ثابت ہوں گے انشاءاللہ، محبت کی متقاضی ہو مجھ سے؟'' وہ حقارت سے ہنسا، گویا ہنسا۔

''تمہیں کبھی اگر استعمال کیا غانیہ بیگم تو وقتی جذبے یا ضرورت سے زیادہ کوئی احساس نہیں ہو گا، میں سمجھتا ہوں یہی اصل اوقات ہے تمہاری اور سنو ابھی مجھے نہ تو تمہاری ضرورت محسوس ہوتی ہے نہ تم اس وقت میرے کسی وقتی جذبے کی تسکین کا ہی سامان ہو۔'' غانیہ کچھ نہیں بولی، شدتوں سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، منیب اک بار پھر لحاف میں خیمہ زن ہو گیا، وہ البتہ کمرے کے وسط میں دھری انگیٹھی میں دہکتے کوئلوں کی مانند سلگتی چٹختی راکھ ہوتی رہی تھی، ختم ہوتی رہی تھی۔

☆☆☆

سہ پہر کی تیز دھوپ لان کے آخری کناروں تک پھیل چکی تھی اور اب اپنا آپ سمیٹتے ہوئے دیواروں کی منڈیروں اور درختوں کی پھننگوں پر چڑھ رہی تھی، سنہری دھوپ میں ہری گھاس کے رنگ میں عجیب سا سنہری پن آ گیا تھا، وہ اس سنہری گھاس کو روندتا اندرونی حصے کی جانب جا رہا تھا، کہ اسی وقت اپنے دھیان میں باہر آتیں آپا اسے روبرو پا کے یکدم ٹھٹک گئیں، آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا، جو سن گلاسز اتار کر جیب میں اٹکا رہا تھا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپا۔'' سفید براق سوٹ میرون ٹائی، وہ کسی انگلش فلم کا ہیرو لگتا تھا، سرخ و سفید اونچا پورا بے حد وجیہہ، انہیں وہ ہمیشہ سے بڑھ کر پیارا دلارا لگا۔

"ماں صدقے، ماں قربان، میرا شہزادہ ویرا آ گیا، دکھی قسمتوں والی ہوئی جس نے تمہیں اس راستے پہ چلا دیا۔" انہوں نے والہانہ اظہار کیا تھا، زبانی بھی عملی بھی، گلے لگایا ماتھا چوما۔

"میں کتنی خوش ہوں، بتا ہی نہیں سکتی، قسم سے اپنی خوشی کا۔" دونوں ہمراہ چلتے اندر آ گئے تھے اب، انہوں نے صوفے پہ سجے کشنز کو از سر نو جمایا، اسے بٹھایا، پیار لٹاتی نظروں سے دیکھنے لگیں، مون قدرے بے چین اور کچھ عجلت کا شکار لگتا تھا۔

"قدر کیسی ہے اب؟" وہ ادھر ادھر بیٹی کو تلاش کر رہا تھا، انہوں نے سرد آہ بھری۔

"بہتر ہے، میں لاتی ہوں۔" انہوں نے تسلی دی اور بیڈ کے ساتھ موجود بے بی کاٹ سے کمبل میں لپٹی بے خبر سوئی بچی کو اٹھا لائیں، مون یکلخت اٹھ کھڑا ہوا، بچی کو ہاتھوں پہ لیا، سر پہ بوسہ ثبت کرتے بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا، بالکل ماں کا عکس تھی، رنگ روپ باپ پہ پڑا تھا، وہ حسن و جمال کا مرقع تھی گویا، ایک چھوٹی سی شہزادی کسی سلطنت کی ملکہ۔

"ذرا سا فون کر دیتے تو میں تمہاری پسند کے سارے پکوان تیار رکھتی، تم بیٹھو ذرا، آتی ہوں ابھی۔" انہوں نے اٹھنا چاہا، مون نے بے ساختہ روک دیا۔

"میں کھانا کھا کر آیا ہوں آپا، زحمت نہ کریں پلیز، زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکوں گا، بھائی جان اور بچے کدھر ہیں؟" بچی کو سینے سے لگائے آہستگی سے تھپکتا وہ انہیں واقعی سیاست دان لگا، کلف زدہ اور کسی حد تک خود غرض، وہ اسے دیکھتی رہ گئیں، آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، جو چھلکی تب مون کی نظروں میں آئیں، وہ جو بچی میں مگن تھا، قدرے شکستہ نظر آتا تھا، بہن جو ماں کی طرح تھیں کے آنسوؤں سے یکلخت ٹوٹا ہوا اور ملول بھی دکھنے لگا۔

"کیوں روئیں آپ آپا!" بچی سمیت وہ ان تک آیا، ان کا ہاتھ تھام لیا، بازو کے حلقے میں لے لیا، وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگیں، ضبط اس پل گویا محال تھا، ویر بھرا کا دکھ ان کا کلیجہ پھاڑ رہا تھا، چیر رہا تھا، ایسی اتھری جوانی ایسا حسن و جمال اور یہ تنہائی، یہ دکھ، کیا پھر بھی وہ نہ روتیں، دل اجڑ گیا تھا ان کے بھائی کا، گھر ویران ہو گیا تھا، کم دکھ کی بات تھی، مگر کہتی تو کیا، کہنے کو اب بچا ہی کیا تھا۔

"سچ پوچھیں تو اسی وجہ سے نہیں آ رہا تھا میں، جانتا ہوں آپ بجائے خوش ہونے کے اداس ہو جائیں گی۔" مون نے بچی کو کاٹ میں لٹاتے ہوئے گویا شکوہ کیا، انہوں نے جواباً زخمی نظروں سے خوبرو بھائی کی اس بے اعتنائی کے مظاہرے کو دیکھا تھا، ان کی افسردگی ویاسیت مزید بڑھ گئی۔

"کبھی کبھار تم پہ نہیں اس کرماں ماری پہ ترس آتا ہے مون، تو اس دنیا کا باسی تو لگتا ہی نہیں ہے، ہاتھوں میں پالا گودوں کھلایا تجھے، مگر ہمیشہ پہنچ سے دور لگتا رہا، رسائی سے باہر، اگر تو مجھے میسر نہیں تھا، نہیں ہے، وہ تو پھر کہاں تیری خاک کو پہنچی ہو گی بیچاری، حالانکہ داسی یا کنیز ہی بن گئی تھی تیری چاہت میں مگر۔"

"آپا......!!!"

مون بچی کو لٹا چکا تھا، رخ پھیر کے اس کی جانب پلٹا تو کیسا غیر یقین نظر آتا تھا، چہرے پہ عجیب نافہم سا تاثر ابھرا، اگلے لمحے وہ پھر نارمل تھا۔

"کیا بے معنی باتیں لے بیٹھیں آپ بھی، چائے نہیں پلائیں گی؟ پھر مجھے جانا بھی ہے۔" وہ رسٹ واچ دیکھ رہا تھا، ایک پل کو وہ انہیں انسان نہیں ربورٹ لگا جذبات و احساسات سے عاری اپنی دھن میں مگن بے نیاز لاتعلق بے پرواہ۔

"قدر ذرا ہوش سنبھالتی ہے تو میں اسے ساتھ لے جاؤں گا۔" انٹر کام پہ چائے آرڈر کر کے وہ پھر اس کے پاس آ کر بیٹھی تو اس کی بات سن کر گہرا سانس بھر کر رہ گئیں، وہ بھائی کے لئے خود چائے بناتیں اپنے ہاتھ سے ساتھ لوازمات کے ڈھیر لگا دیتیں، مگر وہ آیا ہی اتنے مختصر سے دورانیے کے لئے تھا کہ ارمان نکالنے کا خیال ترک کر کے آنکھوں کی پیاس بجھانے کا لالچ کر رہی تھیں، ابھی تو بچے اور ان کے والد الگ شاکی ہوتے کہ وہ آیا اور ان سے ملا تک نہیں۔

"اتنی چھوٹی بچی بغیر کسی عورت کی نگرانی کے کیسے رکھو گے؟" انہوں نے سنبھل کر بیٹھتے نقطہ اٹھایا، گویا نازک موضوع پہ بات کرنے کی تیاری پکڑی۔

"اچھی گورنس ڈھونڈ کر ہی یہ کام کروں گا آپا، مگر بیٹی کو دیکھے بغیر رات کاٹنی مشکل لگتی ہے اب، واحد خوشی ہے یہ میری زندگی کی۔" ربورٹ جیتا جاگتا انسان کا روپ دھار گیا، جذبات و احساسات سے لبریز، انہیں بے حد اچھا محسوس ہوا، خوش امیدی اور آس جاگی۔

"شادی کر لو مون، زندگی کو مقصد مل جائے گا۔" انہوں نے ہمت کر کے کہہ ڈالا اور جیتا جاگتا انسان پھر سے واپس ربورٹ میں ڈھل گیا، تاثرات و احساسات سے عاری، فولادی چہرہ۔

"آئندہ ایسی بات نہیں کریں گی آپ مجھے امید ہے، چلتا ہوں، بھائی جان کو سلام دیجئے گا اور ہاں میری زندگی بے مقصد نہیں ہے، اگر سمجھیں تو ابھی مقصد ملا ہے۔" وہ خالی مگ واپس رکھتا اٹھ کر یہ جا وہ جا، نہ الوداعی ملاپ نہ رسمی سلام دعا، نرے اجنبیوں کی یونہی ان چھوئی پڑی تھی، وہ آنسو بھری آنکھوں سے سب دیکھتی سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھی رہیں۔

☆☆☆

روز ہوتی ہے ان سے ملاقات
بات ملتی ہی نہیں بات بڑھانے کے لئے

کمرے میں موت کا سا سناٹا تھا، اتنی خاموشی کے باہر گرتی ہلکی بوندیں کھڑکیوں کے بند شیشوں پر کسی پتھر کی طرح لگ رہی تھیں، جیسے بہت سے پتھر تڑاخ تڑاخ گر رہے ہوں اور جیسے یہ پتھر شیشوں کو چور چور کر دیں گے اور چور چور تو بہت کچھ ہو چکا تھا، اس کا دل، اس کے خواب، اس کے ارمان، اس کے جذبات، اس کا مان بھی، اس شخص کی باتیں ہی ضرب کاری نہ ہوتی تھیں، نظریں بھی دل و روح میں شگاف ڈالتی تھیں، عزت کس چڑیا کا نام ہے، یہ وہ جانتا ہی نہ تھا، یا شاید غانیہ کے لئے اسے عزت پسند نہ تھی کہ صرف ذلیل کرنے پہ تل گیا تھا، کیا واقعی اتنا بڑا جرم تھا محبت؟

وہ آنسو بہاتی سوچتی تھی، سوچتی تھی اور آنسو بہاتی تھی، آنسو اس کی زندگی کے ہر پہر کا لازمی حصہ ہو گئے تھے جیسے، وہ اسے ماما کے گھر نہیں لے کر گیا تھا، کہ صبح سے جھڑی لگی تھی، بلکہ یہ جھڑی رات سے ہی لگ گئی تھی، جب اگلی صبح وہ اٹھی تو صحن گیلا تھا، بوندیں ہنوز گر رہی تھیں، سردی کی

شدت میں بھی اضافہ ہو کر رہ گیا، ایسے موسم میں ویگنوں بسوں کے دھکے کھا کر خود کورٹ پہنچنا ہی محال تھا، اسے کہاں وہ بھلا ساتھ گھسیٹے پھرتا، غانیہ نے خود بھی خاموشی اختیار کی تھی، اس شخص کی مجبوری و ناپسندیدگی تو ایک طرف وہ خود ایسے موسم میں باہر نکلنے سے کترایا کرتی، گو کہ اپنی گاڑی میں سفر کرنا ہوتا اس کے باوجود اسے خوف آیا کرتا، اب تو پھر پبلک ٹرانسپورٹ میں خوار ہونا تھا۔

منیب تیار ہو کر چلا گیا، تو غانیہ نے معمول کے کام نپٹائے تھے، فراغت ہی نہیں تھی، یاسیت بھی دامن جکڑے ساتھ ساتھ تھی، کمرے میں بارش کی آواز سنتی وہ مسلسل اپنی سوچوں سے فرار چاہتی تھی جو ملنے نہ دیتا تھا، جانے کب آنکھ لگ گئی، دوبارہ اٹھی تو ظہر کی اذان ہو رہی تھی، اسے یاد آیا منیب کے کپڑے صبح سے سرف میں بھگو کر رکھے ہیں، پہلے اس نے سالن چولہے پہ گرم کرنے کو رکھا پھر کپڑے دھونے اندر آ بیٹھی، کپڑے کھنگال کر نچوڑنے کے بعد وہیں ٹب میں رہنے دیئے کہ پھیلانے کہاں تھے، بارش تو ہنوز برس رہی تھی، گیلی آستین چڑھاتی دوبارہ کچن میں آئی تو اماں کو روٹیاں پکاتے دیکھ کر گھبرا سی گئی۔

''آپ کیوں لگ گئیں اماں، ہٹیں پلیز میں بناتی ہوں۔'' انہوں نے پیڑا بناتے ہوئے اک نظر اسے دیکھا، کیسی شفقت و محبت تھی اس پیار لٹاتی نظروں میں۔

''نہ پتر، کجھ نئیں ہوندا، میرا بس چلے تو تجھے چھ ماہ پلنگ سے نہ اتاروں، اتنے ارمان نکالوں اتنے چاؤ لاڈ کروں، پر وہ منیبا جو ہے نہ بہت کوڑا ہے اس معاملے میں، سنتا ہی نئیں کسی کی، تیرے ہاتھوں کی مہندی اترنے کا وی انتظار نہ کیا لو جی نے، لے کے کم کار میں جوت دیا، خیر تو اس کے سامنے کرلیا کر، باقی ذرا آرام وی کیا کر پتر، دیکھ ذرا سی ماڑی ہوگئی ہے چند دنوں میں، کجھ کھاتی پیتی وی نئیں۔'' ایسی محبت ایسی چاہت، غانیہ کا دل بھرانے کا سبب بنی، آنکھیں جل جل اٹھیں۔

''ایسی بات نہیں ہے اماں، منیب سے مجھے کوئی شکایت نہیں، آپ بھی نہ پریشان ہوا کریں۔'' فریج کھول کر سلاد کے لئے سبزیاں نکالتی وہ سلاد اور رائتے کی تیاری کرنے لگی، اب کے اماں کچھ نہیں بولیں، البتہ جو مسکراہٹ ہونٹوں پہ ابھری وہ صاف گواہ تھی کہ وہ بیٹے کے کسی بھی ستم سے بے خبر نہیں ہیں۔

''آج جمعہ ہے، منیبا وی جلدی آجائے گا، کی خیال اے تھوڑے سے چاول نہ دھر لیں ساتھ؟ شوق سے کھاتا ہے شوربہ ڈال کے۔'' انہوں نے روٹی سینکتے ہوئے غانیہ کی اصلاح لی۔

''ٹھیک ہے، میں ابھی چاول پکا لیتی ہوں۔'' اس نے سلاد کاٹ لی تھی، تیزی سے ڈش میں سجا کر ڈش فریج میں رکھتے ہوئے ڈبہ کھول کر چاول نکال کر پرات میں ڈالے اور بھگونے لگی، جب تک اماں روٹی پکا کے فارغ ہوئیں، وہ چاول چڑھانے کی تیاری مکمل کر چکی تھی۔

''آپ دادی کے پاس جائیں اماں اب، میں کرلوں گی یہ۔'' اس نے نرمی سے کہا تو اماں اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتیں باہر نکل گئیں، چاول دم پہ تھے جب سہیل اور ابا جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد گھر آئے، اب ابا کو فوری کھانا چاہیے ہوتا تھا، تاکہ وہ کچھ دیر بعد میں آرام کرسکیں، غانیہ نے انہیں دیکھتے ہی کمرے میں جا کر دستر خوان بچھانا شروع کر دیا۔

''منیبا ابھی تک آج پتا نہیں کیوں نہیں آیا۔'' اماں کھڑی کھڑی بیرونی دروازے سے جھانک کر

تھیں، اب کے مایوس ہو کر بولیں، سہیل جو نلکے کے پاس کھڑا پیر مل مل کے دھو رہا تھا، انہیں دیکھ کر ہنسنے لگا۔

''اتنی فکر کبھی میری اور ابا کی نہیں کی آپ نے اماں، جتنی ویرے کی کرتی ہو۔'' اماں کھسیا گئیں، بلکہ جھلا گئیں، جبھی اس پہ چڑھ دوڑیں۔

''وہ ہر روز شہر جاتا ہے، ویگنوں بسوں کے دھکے کھاتا ہے، فکر تو ہو گی، تم دونوں تو ادھر ہی ہوتے ہو، فکر کا ہے کی؟''

''سیدھی طرح کیوں نہیں کہتی ہو اماں، ویرے سے تجھے ہم سے زیادہ محبت ہے۔'' سہیل پیر دھو چکا تھا، نل بند کرنے کے بعد زمین پہ پیر زور زور سے مارتا ان تک آتا ہوا چھیڑنے سے باز نہ آیا، اماں نے اب کے جواب نہیں دیا تھا، منیب کی دور سے آتے انہیں اک جھلک نظر آ گئی تھی، جبھی مطمئن ہوتیں اندر کمرے میں چلی گئیں۔

''آپ کی کچھ مدد کرواؤں بھر جائی؟'' غانیہ اک اک چیز لا کر دستر خوان پہ رکھ رہی تھی، وہ اس کے پاس آ گیا، غانیہ نے چاولوں کی ڈش اور سلاد کا ڈونگا اسے تھما دیئے، سہیل جیسے ہی کچن کے دروازے سے نکلا منیب کو گویا اپنا منتظر پایا۔

''تمہارا رزلٹ آؤٹ ہو گیا ہے بی اے کا؟'' لہجہ کڑا انداز چبھتا ہوا تھا، سہیل گڑبڑا سا گیا۔

''پ...... پتا نہیں ویرا! میں نے اک دن صابر سے پوچھا تھا، کہتا ابھی نہیں نکلا۔'' اس نے اپنے کلاس فیلو گاؤں کے دوست کا حوالہ دیتے صاف جھوٹ بولا جو کہ منیب جیسے زیرک انسان سے کہاں چھپا رہ سکتا تھا۔

''کچھ شرم ہے سہیل تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرو، چوتھی بار اس امتحان میں فیل ہوئے ہو اور دھڑلے سے دیکھو کہ صاف جھوٹ بک رہے ہو، کیا سمجھتے ہو تم نہیں بتاؤ گے تو پتا نہیں چلے گا مجھے؟'' سہیل کا چہرہ یکلخت پھیکا پڑ گیا، وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا جیسے۔

''اب میں بھی جتنا مرضی تمہاری طرف داری کر لوں، مگر ابا نہیں سنیں گے، کرنا اب ساری زندگی یہی کھیتی باڑی۔'' وہ کلستا ہوا اپنے کمرے میں جا گھسا، سہیل نے اس کے جانے کے بعد گہرا طویل سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''زمین آسمان کا گز ہے ویرا، مجال ہے انسان اس سے کچھ چھپا لے۔'' غانیہ کو دیکھ کر وہ کھسیانا ہو کر کہہ رہا تھا، وہ کچھ نہیں بولی۔

''چاول اندر لے کر چلو، ابا کو بھوک لگ رہی ہو گی۔'' وہ ہاٹ پاٹ اٹھائے اس کے پاس سے گزرتی ہوئی ٹوک گئی۔

''جتنی بھی لگی ہو، لاڈلے کو ساتھ جب تک بٹھا نہیں لیں گے نوالہ نہیں توڑیں گے، سہیل صاحب کی ہی کوئی عزت نہیں بس یہاں کسی کو، اک دن دیکھنا ایسا کام کر کے دکھاؤں گا کہ سب حیران رہ جائیں گے۔'' غانیہ نے چونک کر دیکھا، وہ بے حد سنجیدہ تھا، اسے عجیب سا احساس ہوا۔

''محنت کے بغیر کچھ بھی حاصل اگر کیا جائے تو اس میں کہیں نہ کہیں سے ناجائز ضرور شامل ہو جاتا ہوتا ہے سہیل بھائی، سوچ لیجئے گا۔'' بہت اخلاص سے نصیحت کرتے اسے اس شخص کی چھپی

بہت سخت نظروں کا احساس ایک دم سے چپ ہونے پہ اکسا گیا۔

"غانیہ! دھی رانی ادھر میرے پاس آکے بیٹھو، سارا دن کام میں لگی رہتی ہے، میرے پاس آنے کا وی ٹیم نہیں لگدا تیرا۔" دادی نے اسے دیکھتے ہی بے قراری سے کہا تھا، ابا ہنس پڑے، اماں کی نظروں میں پیار تھا، غانیہ اگر بوکھلائی تو اس شخص کی طنزیہ نظروں سے۔

"نہیں تو دادی، روٹیاں اماں نے پکائی ہیں، میں تو سو گئی تھی جبھی آپ کے پاس نہیں آسکی۔"

وہ اتنا گھبرائی کہ اصل بات اگل دی، جہاں منیب کے چہرے پہ زہریلی مسکان ابھری وہاں اماں گہرا سانس بھر کے رہ گئیں، غانیہ کی یہی سادگی اور معصومیت انہیں اب فکر مند کرنے لگی تھی، آج کل کی لڑکیوں جیسا تو کچھ بھی اس میں نہیں تھا، اتنی سیدھی اور کسی حد تک بے وقوف یا حماقت کی حد تک سچی، ایسے لوگ سب سے زیادہ خود اپنا نقصان کیا کرتے ہیں، انہیں اس سے دلی ہمدردی اور محبت محسوس ہوئی۔

"کیا ضرورت تھی تجھے یہ گل کہنے کی، جھلی ہی رہنا تو وی ساری عمر۔" اماں نے کچن میں آکر اسے ڈانٹا تھا، وہ کچھ گھبرا سی گئی۔

"مگر سچ تو یہی تھا ناں اماں۔"

"پتر میں نے کب کہا جھوٹ بول، پر وہاں تو چپ وی رہتی تو گزارا ہو سکتا تھا، منیبے کے مجاج میں سختی ہے، توں اسے ہی جھلی بنی رہی تو کبھی تجھے وہ کچھ نہیں سمجھے گا، پٹھی مت کی عورت سے متھا لگا چکا ہے وہ، اعتبار اٹھ گیا ہے اس کا عورت ذات سے، تجھے بڑی ہوشیاری سے رہنا ہوگا ہاں؟"

غانیہ کیا کہتی بھلا، خاموش رہی وہ، انہیں کیسے سمجھاتی، کیسے بتاتی کہ اس شخص کے ماتھے کی شکن اسے سب فراموش کرا دیتی ہے، وہ گھر میں تھا، غصے میں تھا، غانیہ کا حوصلہ نہیں ہو سکا کمرے کا رخ کرنے کا، یہاں تک کہ رات ہوگئی، اس نے عصر مغرب یہاں تک کہ عشاء کی نماز بھی دادی کے کمرے میں ادا کی، دادی کے لئے دودھ کا گلاس لائی تو تسبیح پڑھتی دادی مسکرانے لگیں۔

"میری پتری نے آج میری ساری شکاتیں دور کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے؟" جواباً وہ جھینپ گئی تھی۔

"بس آپ سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا دادی۔" وہ ان کے بستر میں گھس گئی، دادی نے اس کا سر گود میں رکھ لیا، دادی نہیں جانتی تھیں پر یہ حقیقت تھی کہ وہ اس شخص کے سامنے سے بھاگ رہی تھی، اس کے سامنے سے کترا رہی تھی، رات پتا نہیں کیسے اسے اتنی باتیں سنا دیں، سچ یہ تھا کہ اب وہ اندر ہی اندر خائف تھی، سردی بہت زیادہ تھی، وہ دادی کے بستر میں گھس کر بھی کپکپا رہی تھی، اماں معمول کے مطابق انگیٹھی میں کوئلے دہکا کر دادی کے کمرے میں رکھ کر گئی، تب کہیں اس قہر کی سردی کی شدت میں کچھ کمی محسوس ہوئی، دادی کے ساتھ وہ بھی غنودگی میں جا چکی تھی، جب دروازہ کھول کر وہ شخص اندر داخل ہوا۔

"غانیہ ادھر ہے دادی۔" غانیہ ایک دم الرٹ ہوئی، دل بہت زور سے دھڑکا بلکہ رکا۔

"ہاں ادھر ہی ہے کیوں؟" دادی کو پوتے کی مداخلت کچھ بھائی نہیں، جبھی چڑ سی گئیں۔

"اسے بھیجیں۔"

"ہر روز تیرے کول ہی ہوتی تھی، آج ہے میرے پاس آ گئی تو برداشت نہیں ہوا تجھ سے
منیبے۔" دادی سخت برامان گئی تھیں، منیب ان کے تیا نے والے انداز پہ سر پٹنے والا ہوا کھڑا کا کھڑا
رہ گیا، پھر اسی حساب سے غصہ کر گیا۔

"دادی اس کے میکے سے فون ہے، بات کرنی ہے تو کرے نہیں تو بے شک لیٹی رہے، مجھے
کوئی اعتراض نہیں۔" جھنجلا کر کہتا وہ وہیں سے پلٹ گیا، غصہ چڑھانے کی ایک وجہ غانیہ کا ہنوز
خیمہ زن وجود تھا، اتنی بے حس تھی کہ مجال ہے جو ذرا سی بھی اس کی بات پہ توجہ دی ہو، دروازہ زور
سے بند ہوا، غانیہ جو سب سن رہی تھی، تیزی سے اٹھ کر بیٹھی۔

"کس کی باتوں میں آ رہی ہے توں وی پتری، سارے تجھے اپنے پاس بلانے کے بہانے
ہیں، میں جیسے جانتی نہیں ہوں۔" غانیہ بستر سے نکل کر چپل ٹٹول رہی تھی، دادی کی بات پہ چونک کر
متوجہ ہوئی، انہیں مسکراتے پا کر جھینپی شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں دادی، ایسا کیوں کریں گے وہ، میں آتی ہوں ذرا فون سن لوں۔" وہ خفت زدہ سی
وضاحت پیش کرتی چلی گئی، فون اسٹینڈ پہ واقعی ریسیور سائیڈ پہ الٹا پڑا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھایا،
کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! شکر ہے آواز ہی سننے کو ملی، اس سے پتا چلا زندہ تو ہو۔" جواب میں مما کی
رندھی ہوئی غمناک آواز سنتے ہوئی وہ یاسیت و ملال کے حصار میں گھر گئی، دل ان سے بھی زیادہ
افسردگی سمیٹ لایا، بھرا گیا، بوجھل ہو گیا، آنکھیں جو دن بھر بار بار بھیگی تھیں کچھ ایسے چھلکیں کہ خود
پہ قابو پانا محال ہو گیا، وہ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں بول سکی، حالانکہ سمجھتی تھی بہت بہادر ہو گئی ہے،
اس شخص کی ستم ظریفیاں سہہ سہہ کر مگر ماں سے یہ کیسا رشتہ تھا، کیسا تعلق تھا کہ وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکی
تھی۔

"غانیہ!" انہوں نے اس کی سسکیاں سنی تھیں اور سارا طنطنہ سارا غصہ بھلائے اضطراب بھری
وحشت میں گھر تیں اسے پکارے گئیں، غانیہ کی وہ ذہنی و قلبی کیفیت تھی کہ اس پل چاہتی بھی تو خود کو
نہ سنبھال پاتی، جبھی رابطہ منقطع کر ڈالا، زندگی عجیب دوراہے پہ آ گئی تھی، وحشت حد سے سوا ہو تو
باقی سبھی خیال پس پشت چلے ہی جایا کرتے ہیں۔

اسے بھی بھول گیا ہاں کیسی بے کلی اور تفکر کے عالم میں ہو گی، جبھی تو فون کی مسلسل پھر سے
بجتی گھنٹی بھی سنائی نہ دیتی تھی۔

"اگر اسی شغل میں مصروف رہنا ہے تو آپ یہ شوق کہیں اور جا کے بھی پورا فرما سکتی ہیں، فون
کسی اور کی بھی ضرورت ہو سکتا ہے کہ نہیں؟" جانے وہ کتنی دیر مزید یونہی روتی کہ اس اضطراب
بھری کیفیت سے اس شخص کی اس طنزیہ سرد و جامد آواز نے اسے نکالا چونکا ڈالا، اس غائب دماغی
کی کیفیت میں بھی اسے جانے یہ خیال کیسے آ گیا کہ اس کی جانب پلٹنے سے پہلے آنسو پونچھ لے،
وحشت زدہ حلیہ سرخ ناک، بعید تو سارے عیاں تھے، کھلے پڑے تھے، از خود چیختے تھے، گواہی
دیتے تھے، اپنی بے بسی، شکست اور یاسیت و حزن کے، گو کہ تمام حسرتیں اور وحشتیں سکون کی جانب

مائل ہو چکی تھیں مگر سامنے والا کتنا زیرک تھا جس سے کچھ بھی چھپانا جیسے ممکن ہی نہ تھا، وہ وہاں ٹھہر نہ سکی، دروازے سے نکلتے البتہ سن لیا، وہ فون اٹینڈ کرنے والے سے اپنا تعارف کرواتے ہوئے حمدان سے بات کروانے کا کہہ رہا تھا، وہ رکی نہیں، ٹھہری نہیں، سیدھی کچن میں آ گئی، لائٹ بھی آن نہیں کی، سلیب سے ٹیک لگائے بس خاموش آنسو بہاتی سسکیاں بھرے گئی۔

دل جیسے دکھتا پھوڑا تھا، ٹیس چھوڑتا تھا، ملال سے بھرا تھا، جو بار بار احساس زیاں سمیت سسکنے لگتا، گھاٹے کا سودا، سراسر گھاٹے کا سودہ، وہ گھل رہی تھی، ختم ہو رہی تھی، ایک دن بالکل مٹ جاتی، اس شخص کو مگر پرواہ تک نہ تھی، نہ ہوتی، وہ کیسے خود کو یقین دلاتی اس نے غلط نہیں کیا، اس سے غلط نہیں ہوا، وہ واقعی غلطی کر چکی تھی، ایک بار مرنا نسبتاً آسان بار بار لمحہ لمحہ کی موت بہت اذیت انگیز ہے، بہت کٹھن، بہت دشوار، وہ جاں بلب تھی، گھل رہی تھی تو دوسری جانب وہ شخص بھی کم و بیش مشکل میں گرفتار تھا، اس وقت اس کی صرف ایک کمزوری تھی، وہ تھا اس کا بیٹا، اس کا حمدان۔

جسے وہ یار من کہتا تھا، بہت پیار سے کہتا تھا، دلار سے بلاتا تھا، وہی یار من اس وقت روٹھا جاتا تھا بات نہیں کرتا تھا، روتا تھا تو اس شخص کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔

''آپ جھوٹے ہیں پپا، میں ہرگز آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ سسکے جاتا تھا، اس شخص کی جان مشکل میں جا پڑی، بس نہ چلتا تھا فاصلے مٹا دے، بیٹے کے تڑپتے ننھے وجود کو بازوؤں میں بھرے، سینے سے لگا لے، اتنے ناز اٹھائے کہ ہر شکایت دور کر دے، وہ کتنا مجبور ہو گیا تھا، اک عورت کی وجہ سے وہ کتنا بے بس کتنا دکھی ہو گیا تھا۔ کیسے ممکن تھا اب کہ اک عورت سے خود دکھ اٹھا کر اس جیسی دوسری ناگن کو موقع دیتا کہ [illegible] یہ تو حماقت تھی، سراسر حماقت۔

مگر اس کا بھولا معصوم نادان بیٹا یہ سمجھ یہ پرکھ کہاں رکھتا تھا، جبھی تو مجبور باپ کو سسک سسک کر بے حال ہوتا ہوا مزید مجبور کیے جاتا تھا، مزید دکھی کیے جا رہا تھا۔

''آپ نے کوئی پرامس پورا نہیں کیا، پپا آپ نے مجھ سے سارے ہی جھوٹ بولے، آپ نے کہا تھا میں ہاسٹل چلا جاؤں آپ مما کو مجھ سے وہاں ملانے لائیں گے، آپ اکیلے آئے، مما کو لائے بغیر آئے، آپ نے یہ بھی کہا تھا جب نیکسٹ ٹائم مجھے کال کریں گے، مما سے بات کروائیں گے، آپ نے نہیں کروائی، وائے..... پپا وائے؟''

''سوری بیٹا، میں ابھی کر دا دیتا، مگر وہ سو رہی ہیں۔'' منیب کی آواز بوجھل ہو رہی تھی، وہ جیسے بامشکل بول پا رہا تھا، دوسری سمت جیسے حمدان نے پیر پٹخے، سر جھٹکا، دانت پیسے۔

''مام اپنے سن سے بات کرنے کو نیند سے اٹھ سکتی ہیں پپا، سن سے بات کرنی ہو تو مما کو تو نیند ہی نہیں آتی، آپ انہیں جگا دیں، وہ خوشی خوشی اٹھ کے آئیں گی، کہیں تو سہی، آپ سے آپ کے سن آپ کے یار من نے ٹاک کرنی ہے۔'' وہ اب کے بلک کر بولا، بہت ضدی ہو رہا تھا، منیب کو صاف سمجھ آئی، اب کوئی حیلہ بہانہ اسے نہیں بہلا سکتا، اگر ضد پوری نہ ہوئی تو ساری رات روئے گا، کھانا کھائے گا نہ ڈھنگ سے کچھ پڑھے گا، اسے ہتھیار ڈالنے پڑے، پسپا ہونا پڑا۔

''اوکے فائن یار، میں انہیں جگاتا ہوں، آپ ذرا ہولڈ کرو، اوکے؟'' وہ بولا تو بہت تھکا ہوا تھا۔

اس کا لہجہ، مگر بچہ تو جیسے یہ سنتے ہی پھر سے زندہ ہو گیا، جی اٹھا بلکہ لمحوں میں موڈ بدل کر چہکنے لگا۔

''میں ہولڈ پہ ہوں پیا جانی، آپ جلدی لائیں مما کو ساتھ۔'' منیب نے گہرا سانس بھرا، ریسور سائیڈ پہ رکھ دیا، انا کو جھکانا کتنا مشکل تھا، یہ اسے ان لمحوں میں اندازہ ہو پایا، وہ اپنے کمرے میں نہیں گیا، قوی امکان تھا واپس دادی کے کمرے میں ہی گئی ہو گی وہ، محبت میں جتنی بھی بے بس ہوئی تھی، مگر انا پرور ضرور تھی، باوقار رہتی تھی، نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھیک مانگنا توہین سمجھتی تھی شاید جبھی بہت شان سے گردن تانے کھڑی تھی، سرو قد، سر بلند، مگر منیب کا خیال تھا ڈرامہ کر رہی ہے، عنقریب ہار جائے گی، اپنے اصل کے ساتھ اس پہ اپنے اوچھے ہتھکنڈے چلائے گی، وہ اس کی ہار اس کے جھکاؤ بلکہ ٹوٹنے کا منتظر تھا، بلکہ یہ کہا جائے کہ پر یقین تھا تو غلط نہ ہو گا۔

دادی سو رہی تھیں، لائٹ آن تھی، اسے وہاں نہ پا کر منیب جھنجھلا سا گیا، یہ جھنجھلاہٹ اسے اپنے کمرے میں بھی نہ پا کر تشویش میں بدلنے لگی، رات کے اس پہر وہ کہاں جا سکتی تھی، تشویش کا عالم انوکھا اور غصہ دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا، جب صحن سے گزر کر اماں کے کمرے کا رخ کرتے اسے کچن سے اٹھتی مدھم سسکیوں کی آواز نے چونکا ڈالا، اگلے لمحے وہ لمبے ڈگ بھرتا کچن میں جا پہنچا۔

''یہاں کس کا ماتم کر رہی ہو اس وقت؟'' کم از کم اس وقت اس سے جھگڑ کر وہ وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر جھگڑ رہا تھا۔

طیش و اشتعال ہی ایسا تھا کہ وہ کسی طرح بھی خود پہ قابو نہ رکھ سکا، غانیہ کو کہاں توقع تھی اس کے پھر سے سر پہ سوار ہو جانے کی، وہ تو بڑی مشکل سے فرصت سے دل کا بوجھ ہلکا کرنے پہ آمادہ تھی، اس افتاد پہ بوکھلا گئی، سٹپٹا کر اسے دیکھنے لگی، آنسو پونچھتے ہاتھوں کی لرزش و کپکپاہٹ منیب کی نظروں سے مخفی نہ رہ سکی۔

''بٹ اپنی ہاؤ، جس کا بھی ماتم کرنا ہے بعد میں کرتی رہنا، اس وقت تو آ کر حمدان سے بات کرو، میرے بیٹے کو اگر اپنی محبت کے جھوٹے دام میں پھنسا ہی لیا ہے تو اس وقت اسے ایسے تسلی ضرور دینا کہ وہ پرسکون ہو سکے، سنا تم نے؟'' اپنے مطلب کی خاطر سنا ہے انسان گدھے کو بھی باپ بنانے میں عار نہیں سمجھتا، غانیہ کو یہ مثال اس پل کچھ ایسی غلط بھی نہ لگی، انکار کی مجال کسے تھی، حالانکہ اپنی ذہنی و قلبی حالت ایسی نہیں تھی، کہ خود کو تسلی ہی دے پاتی، کجا کسی کا دل سنبھالنا، مگر وہ اس شخص کے ہمراہ ہو لی تھی، حکم حاکم مرگ مفاجات کے تحت، فون اسٹینڈ کے پاس آ کر رکتے ہوئے اس شخص نے حاکمانہ انداز میں انگلی کی جنبش سے اس ریسور اٹھانے کو کہا تھا، غانیہ نے حکم کی تعمیل کی۔

''ہیلو۔''

''ہیلو...... مما...... یہ آپ ہیں...... واقعی یار من آپ سے بات کر رہا ہے۔'' دوسری جانب حمدان کی خوشی پہ غیر یقینی و حیرت کے ساتھ یاسیت کا غلبہ چھانے لگا، غانیہ عجیب سے دکھ سے آشنا ہوئی، اس ننھے فرشتے کی حسرت کے سامنے اسے اپنا ہر دکھ ہیچ محسوس ہوا، بلا کا کمتر بے مایا لگا۔

''یار من...... میرے بیٹے، کیسے ہو آپ، مما آپ کو بہت مس کرتی ہیں، بہت ویٹ کرتی

پپا اپنے حمدان کا، کب آؤ گے، کب مما آپ سے بہت سارا پیار کریں گی۔" اس نے کچھ بھی سوچ کر نہیں بولا، الفاظ خود بخود زبان سے پھوٹ نکلے صرف الفاظ نہیں آنسو بھی آہیں بھی، وہ پتا نہیں کیوں رونے لگی، اپنے دکھ پر کہ اس معصوم فرشتے کی محرومیوں پہ حسرتوں پہ، اسے بھول گیا وہ شخص اپنی کڑی ترین نگاہوں کو اس پہ جمائے کھڑا ہے، کچھ دیر قبل وہ اس کی ان نظروں سے کتنی خائف تھی، اب اس کی سحر کار شخصیت کے اثر سے بے اثر ہو گئی تھی، اس جادوگر کی جادوگری کا توڑ اس کے بیٹے کی معصومیت نے کیا تھا، وہ اسے بہلا رہی تھی، پیار بھری تسلیاں دے رہی تھی، من موہنے وعدے کر رہی تھی، اسے اچھے اچھے اسباق پڑھا رہی تھی، قائل کر رہی تھی اس نے صبح جاگنے کے بعد نماز پڑھنی ہے، پھر اسکول کی تیاری اور دیگر تمام کام کیسے سرانجام دینے ہیں وہ شخص متاثر ہونا نہیں چاہتا تھا مگر ہو رہا تھا، کیسا سحر پھونکا تھا اس ساحرہ نے کہ لمحوں میں ماحول تبدیل کر دیا، یارمن کی کھلکھلاہٹ وہ فاصلے پہ کھڑا بھی سن سکتا تھا۔

"مما جانی یو آر سو کیوٹ سو نائس، پپا کو بھی سکھائیں کہ سن سے جھوٹے وعدے نہ کیا کریں، سکھائیں گی؟" وہ کتنا مدبر بنا کہہ رہا تھا، مگر اس طرح کہ شرارت اس کے ہر انداز سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی، غانیہ ایک دم خفت سے بھر گئی، گھبرا کر اس شخص کو دیکھا، جو پاس ہی کھڑا تھا، اپنے اونچے پورے قد کے ساتھ ماحول پہ اس پہ سحر طاری کرتا ہوا، اس کے متوجہ ہونے پر نظر اندازی کا تاثر دینے کو دوسری جانب دیکھنے لگا، غانیہ نے گہرا سانس بھرا۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹے، پپا جھوٹ نہیں بولتے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی یقیناً او کے۔"

"یو آر رائیٹ مما، اب آپ پپا سے کہیے، یارمن کو اس ویک اینڈ پہ ضرور لینے آئیں، آپ بھلے ساتھ نہ آنا، بی کوز میں گھر آؤں تو آپ اچھے والے کپڑے پہنے بہت مزے کے کھانے بنا کر میرا ویٹ کر رہی ہوں، میں آؤں تو پھر آپ مجھ سے بہت سی باتیں کرنا، میں رات کو بھی آپ کے ساتھ سوؤں گا او کے؟"

وہ ایک کے بعد دوسری فرمائش داغ رہا تھا، حق جتا رہا تھا، غانیہ بے ساختہ مسکرانے لگی، بہل گئی، مطمئن ہوئی، زندگی اتنی بھی کٹھن نہیں تھی بہرحال، یہ اس نے یارمن سے بات کرتے ہوئے جانا، اس بند گلی میں بھی راستے نکلتے تھے، اس تہہ خانے میں جو بھلے جتنا بھی تاریک تھا، اس میں روزن کھل سکتے تھے، روشنی اندر آنے کو مچل رہی تھی، روزنوں کے بند شیشوں پہ مسلسل دستک دیتی تھی، اسے ذرا سی ہمت بحال کرنی تھی ان روزنوں کو کھولنا تھا، پھر بھلا روشنی کو اندر آنے سے زندگی پہ محیط اندھیروں کے چھٹ جانے سے کون روک سکتا تھا اور یہ روشنی کی کرن حمدان تھا، یارمن تھا، جو اس پہ بڑے دھڑلے سے حق جتا رہا تھا، مان دکھا رہا تھا، اسے یہ مان یہ دھڑلا پیارا لگا، بڑا پیارا لگا۔

اس چھوٹی سی عمر میں ماں پہ ایسا رعب جمانے والا بڑا ہو کر بیوی پہ کیسے کیسے حق نہ جتائے گا یہ وہ اک سہانے خواب کی طرح ابھی سے کھلی آنکھ سے دیکھ سکتی تھی، جبھی مسکرا دی۔

کچھ دیر قبل افسردگی یاسیت و مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈولتی غانیہ کے ہاتھ میں پھر سے امید کا جگنو آ گیا، زندگی اب ہرگز بھی اتنی تاریک اور کٹھن ہی نہیں تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

''محبت اگر اس پر مر مٹنے کا نام ہے تو انا للہ وانا علیہ راجعون۔'' سعدان نے بے خودی کے عالم میں کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''چلو ہوگئی چھٹی، یا تو محبت، پیار کو کبھی منہ نہ لگاتے تھے اور اب اچانک مر مٹنے کی بات کر رہے ہیں، جانتے ہیں ناں محبت کا ڈسا پانی نہیں مانگتا فقط محبوب کا پیار بھرا ساتھ مانگتا ہے؟'' زین نے اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جانتا ہوں۔'' سعدان نے مسکراتے ہوئے میز پر رکھے پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر اب کیا ارادے ہیں؟'' زین نے اپنے خوبرو اور وجیہہ وشکیل دوست کو خلوص سے دیکھا۔

''ارادے تو نیک ہی ہیں بس تم دعا کرو۔''

''دعا ہی دعا ہے میرے دوست! ابھی صرف دیکھنے پر وہ بھی دور سے دیکھنے پر جناب کا یہ حال ہے اگر روبرو ہو جاتیں وہ محترمہ تو آپ تو گئے تھے جان سے۔'' زین نے ہنس کر کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

''سچ میں زین! وہ لمحہ بہت سحر انگیز تھا، جیسے مجھے اپنے بس میں کر کے اس لمحے نے بے بس سا کر دیا اس لمحے نے، اس منظر نے میں لاکھ چاہ کے بھی اس لمحے کی گرفت سے خود کو آزاد نہیں کرا پا رہا، ہزار جتن کیے ہوں گے وہ منظر بھلانے کو مگر وہ تو جیسے آنکھوں کی پتلیوں پر ثبت ہو گئے ہیں مٹتے ہی نہیں میری بینائی کا حصہ بن گئے ہیں، ذہن کی خوبصورت یادوں میں چپکے سے جگہ بنا گئے ہیں۔''

''بھیا! تم ضرور اس معالج کو تلاش کرو جس کے پاس تمہارے درد کی دوا ہے کیونکہ مجھے یہ مرض لاعلاج لگ رہا ہے، ماہر مسیحا ہی اسے شفا

مکمل ناول

عطا کر سکتا ہے بڑی خطرناک علامتیں ہیں یہ میں تو چلا بھائی!" زین نے اس کے جذبے کی گہرائی اور سچائی کا اندازہ اس کی باتوں سے لگاتے ہوئے حیرت اور تفکر کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں چلے؟"

"کہیں تو جاؤں گا ہی لیکن اگر مزید کچھ دیر تمہاری محبت میں بیٹھا رہا تو مجھے بھی اس ان دیکھی حسینہ سے پیار ہو جائے گا۔" زین نے مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا وہ ہنس کر بولا۔

"بکواس نہیں کرو اس سے پیار کا حق صرف میرا ہے۔"

"ہاں بھائی! اپنے آپ حق بھی تم ہی لے سکتے ہو اگر وہ اتنی ہی خوبصورت اور خوب سیرت ہے نا تو تم جیسے ہزاروں مرتے ہوں گے اس پر نجانے کتنے دفنائے جا چکے ہوں گے یوں محبت میں مر مٹنے کے بعد تو صرف کفن دفن ہی باقی بچتا ہے۔" زین نے اپنے مخصوص پر مزاح لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"کفن دفن تو سبھی کا مقدر بنتا ہے چاہے وہ محبت کرے یا نفرت۔"

"ایسا کیا تھا اس لڑکی میں جس نے تمہیں اپنی جانب متوجہ کیا؟ اس کا بے تحاشا حسن ہی نا؟" زین نے استفسار کیا۔

"نہیں اس کا حسن عمل۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اس کی نگاہوں میں وہ منظر موجود تھا اب بھی۔

"کیا آپ اپنی بات کی وضاحت فرمائیں گے؟" زین بولا اور پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"پچھلے ہفتے آفس میٹنگ سے واپسی پر راستے میں میری گاڑی خراب ہو گئی تھی شاید میری زندگی صحیح ہونے والی تھی، عین بیچ سڑک پر کوئی ورکشاپ دور دور تک نہیں تھی میں نے وہیں گاڑی سائیڈ پر کھڑی کر دی، ڈرائیور ممی کے ساتھ اسے فون کر دیا کے کسی مکینک کو ساتھ لائے اور گاڑی ٹھیک کروا کے گھر لے جائے، پھر میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح بس اسٹاپ پر کھڑا ہو گیا جہاں ہر عمر کے افراد کھڑے تھے، اپنے مطلوبہ اسٹاپ پر جانے والی بس کے انتظار میں یونیورسٹی اور کالج کی اسٹوڈنٹس بھی تھیں ان میں شدید گرمی اور تیز دھوپ نے سب کو بے چین کیا ہوا تھا، تب میری سرسری سی نگاہ اس لڑکی پر پڑی تھی ہلکے نیلے رنگ کے شلوار قمیض اور سفید دوپٹے میں بالکل سادہ سی شاید بلکہ یقیناً وہ کالج کی اسٹوڈنٹ ہو گی وہ بس اسٹاپ کے شیڈ کے نیچے کھڑی تھی جہاں کافی بھیڑ تھی، اس نے سن گلاسز لگائے ہوئے تھے، سب بے تحاشا گرمی کے سبب بولائے ہوئے گھبرائے ہوئے ہوا جھل رہے تھے کوئی دوپٹے سے کوئی فائل سے اور کوئی ہاتھ سے، لیکن وہ لڑکی پر سکون کھڑی تھی شاید کچھ پڑھ رہی تھی، ایک لمحے میں، میں نے وہاں موجود افراد کا جائزہ لیا اور خود بھی وہیں جگہ بنا کر کھڑا ہو گیا، سوچا کیوں نہ آج بس کے سفر کا ایڈونچر کیا جائے۔"

"اس لڑکی کی وجہ سے؟" زین نے سوال کیا۔

"نہیں تب وہ لڑکی بھی ان تمام افراد میں شامل تھی جو اپنی اپنی بس کے انتظار میں کھڑے ہلکان ہو رہے تھے۔" سعد نے جواب دیا۔

"تو ایسا کیا ہو گیا کے اچانک سے وہ تمہارا دل نکال کر لے گئی؟"

"بس اسٹاپ پر ایک معمر خاتون آ کر کہیں شیڈ کے نیچے جگہ نہیں تھی وہ خاتون جلدی سے

عجیب دکھائی دے رہی تھی اور ہانپتی گرمی سے ہلکان کچھ بیمار بھی تھیں شاید وہ دھوپ میں ہی کھڑی ہو گئیں کسی نے ان کے وہاں آنے کا نوٹس نہیں لیا میں بھی، نہ لیتا اگر میری سماعتوں میں یہ دلکش نسوانی آواز نہ پڑتی۔''

''اماں جی! آپ یہاں سائے میں آ جائیں دھوپ بہت تیز ہے آپ کی طبیعت نہ بگڑ جائے۔''

میں نے کیا سبھی نے آواز کی سمت دیکھا وہ نیلے لباس والی چھوٹی سی لڑکی ان معمر خاتون کو کہہ رہی تھی اور باقاعدہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اس نے انہیں اپنی جگہ سائے میں کھڑا کر دیا اور خود ان کی جگہ سورج تلے جا کھڑی ہوئی۔

''جیتی رہ بیٹی! اللہ تجھے سدا سکھی چھاؤں میں رکھے سدا ہرا بھرا رکھے۔'' معمر خاتون مسکراتے ہوئے بہت خلوص سے اس لڑکی کو دعائیں دے رہی تھیں اور جواب میں وہ صرف مسکرا دی تھی، بس وہ ایک منظر وہ ایک لمحہ تھا اس کی نیکی کا جو محبت بن کر میرے اندر اتر گیا تھا، پھر بس آئی وہ لڑکی اس میں سوار ہو کر چلی بھی گئی اور میں اس منظر، اس لمحے کو ٹھنڈک میں وہاں کتنی دیر تلک کھڑا رہا ہوں جیسے مجھے کسی نے مسمرائز کر دیا ہو۔

سعد نے اسے ساری بات تفصیل سے بتا دی۔

''واؤ ویری نائس، تم خود نیکی کے کام کرتے ہو نا جبھی تمہیں اس لڑکی کی نیکی نے اپنی جانب متوجہ کر لیا، عموماً اس عمر میں لڑکیاں لا ابالی اور لاپرواہ ہوتی ہیں لیکن یہ لڑکی غیروں کے لئے اتنی پروا کرنے والی اور کیئرنگ ہے تو یقیناً اپنوں پر تو جان چھڑکتی ہوگی۔''

''بالکل، [illegible]

اس کی دھوپ اپنے سر پہ لے لینا عام لوگوں کا مزاج نہیں ہوتا وہ یقیناً بہت خاص ہے بہت نیک روح، رحم دل لڑکی ہے اس کا حسن اور حسن عمل دونوں ہی دل موہ لینے کے لئے قیامت کا اثر رکھتے ہیں۔'' سعد کے لہجے میں اس انجان لڑکی کے لئے احترام بھی تھا پیار بھی تھا اور رشک بھی۔

''ہوں، بیسٹ آف لک مائی فرینڈ۔'' زین نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

''تھینکس۔'' سعد مسکرا دیا۔

☆☆☆

''اجالا! صائمہ آنٹی کی بیٹی کی شادی طے پا گئی ہے عید کے پانچویں روز بارات آئے گی۔'' کنزی نے چپس کھاتے ہوئے اسے بتایا، صائمہ ان کے محلے کی غریب، بیوہ خاتون تھیں، شوہر ایک حادثے میں انتقال کر گئے تھے، وہ ٹوپیاں بن کر پلاسٹک کی تھیلیاں بنا کر اور کپڑے سی کر گزارہ کر رہی تھیں، تین بیٹیاں تھیں جو شادی کی عمر کو پہنچ گئی تھیں ایک بیٹا تھا جو ایم اے کر رہا تھا اور اکثر بیمار رہتا تھا، رشتے داروں نے بھی شوہر کے انتقال کے بعد کوئی خبر نہیں لی تھی، محلے کے دو تین گھر ایسے تھے جو کبھی کبھار ان کی امداد کر دیا کرتے تھے، جن میں اجالا اور کنزی کے والدین بھی شامل تھے۔

''یہ تو خوشی کی بات ہے نا چلیں گے انہیں مبارکباد دینے۔'' اجالا نے خوش ہو کر کہا۔

''صرف مبارکباد نہیں دیں گے انہیں ان کی بیٹی کے جہیز کے لئے بھی ہم کچھ نہ کچھ ضرور دیں گے کیونکہ آنٹی بہت پریشان ہیں کہ کیسے ہوگا یہ سب لاکھوں روپے چاہئیں، شادی کے لئے۔''

کنزی نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بتایا۔

''ہاں تو ہم سب کریں گے انشاء اللہ ہم

دیکھنا یہ شادی بہت دھوم دھام سے ہوگی۔" اجالا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ! مگر ہوگا کیسے؟"

"یونیورسٹی میں چندہ جمع کریں گے زکواۃ جمع کریں گے ہم سب فرینڈز کا گروپ اپنی فیملیز سے ڈونیشن لے گا جو جتنے پیسے بھی دے سکے دے، میلاد ہوگا نا یونیورسٹی میں اور نعت کا مقابلہ بھی تو کافی امیر بیگمات آئیں گی یونیورسٹی میں ہم ان سے ڈونیشن مانگیں گے دیکھنا سب ہو جائے گا۔" اجالا نے فوراً پلان بھی ترتیب دیدیا۔

"انشاء اللہ، پھر تیاری کرتے ہیں۔" کنزی بولی۔

"بالکل، پہلے اپنے کانٹیکٹ میں موجود سب لوگوں کو ایس ایم ایس سینڈ کرو کے اس نیک کام میں ہمارا ساتھ دیں اور دل کھول کر ڈونیشن دیں اگر کوئی جہیز کے لئے سامان دے سکتا ہے جیسے سلائی مشین، فریج، ٹی وی، واشنگ مشین وغیرہ تو وہ بھی دے سکتا ہے اور وہ سب آگے اپنے جاننے والوں سے کہیں۔" اجالا نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولی۔

"اور اگر ہماری توقع کے مطابق رسپانس نہ ملا تو؟"

"مائی ڈیئر، نیک کام شروع کرتے ہوئے نیک تمنا اور دعا کرنی چاہیے اچھی امید ہی اچھا نتیجہ لاتی ہے، اللہ جی نے فرمایا ہے نا کہ میں انسان کی امید کے ساتھ چلتا ہوں وہ جیسا مجھ سے گمان رکھتا ہے میں اسے ویسا نتیجہ دیتا ہوں تو دوست اچھی امید رکھو انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا سب۔" اجالا نے سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماشاء اللہ ہماری بیٹی تو بہت سمجھداری کی باتیں کرنے لگی ہے۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"صرف باتیں نہیں پھوپا جان، آپ کی بیٹی کام بھی بہت اچھے کرتی ہے آپ کی روح ہے اجالا میں۔" کنزی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر اجالا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"وہ تو ہے میری بیٹی میرا فخر ہے اللہ اسے ہر خوشی اور کامیابی عزت کے ساتھ نصیب کرے۔"

"اور مجھے؟" کنزی نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

"ساری دعائیں اپنی بیٹی کے لئے مانگ لیں اور میرے ایک دعا بھی نہیں۔"

"ایسا ہوسکتا ہے کیا؟" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے مسکراتے ہوئے کنزی کو اور اجالا کو اپنے دائیں بائیں بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔

"اجالا! اور کنزی دو نہیں ہیں ایک ہیں ہمارے لئے ہم جب جب اجالا بیٹی کے لئے دعا مانگتے ہیں تب تب کنزی اور فاطمہ بیٹی کے لئے بھی دعائیں مانگتے ہیں اور ہم نے اجالا میں اور آپ میں کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔"

"میں جانتی ہوں، میرے پھوپا جان دنیا کے سب سے بیسٹ پھوپا جان ہیں۔" کنزی نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔

"اور پھپھو کے بارے میں کیا خیال ہے؟" غزالہ عظیم نے چائے کے ساتھ لاؤنج میں آتے ہوئے مسکراتے ہوئے کنزی سے پوچھا تھا۔

"پھپھو تو بیسٹ تھیں ہی جبھی تو پھوپا جان نے آپ سے شادی کی تھی۔" کنزی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو سب کو ہنسی آگئی، غزالہ عظیم کے چہرے پر حیا آمیز مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کے نئے بلاک کی تعمیر کا ٹھیکہ سعدان پیرزادہ کی کنٹرکشن کمپنی کو ملا تھا، پرنسپل رفعت حسین سعد یعنی سعدان کے والد فیضان پیرزادہ کے بچپن کے دوست تھے، لہٰذا سعدان ذاتی دلچسپی لے رہا تھا اس پراجیکٹ میں یونیورسٹی میں مختلف ادبی تقریبات ہو رہی تھیں، تعمیری کام کا احاطہ ان سے کافی فاصلے پر تھا، مگر لاؤڈ اسپیکرز پر آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

''ہم بلا ضرورت بہت کچھ خرید لیتے ہیں مگر ضرورت مند کو پھر بھی دیتے ہوئے ہمارا بجٹ خراب ہونے لگتا ہے، اگر دل مانے تو اس چیرٹی بکس میں حسب توفیق، حسب حیثیت، حسب نیت اپنے عطیات جمع کرائیں اور آخرت کے لئے جنت کا راستہ ہموار بنائیں شکریہ۔''

عظیمی کی دلکش آواز اور فکر انگیز کمنٹ اجالا ... سعدان پیرزادہ کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا، یونیورسٹی میں چونکہ لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے تعلیم حاصل کرتے تھے مخلوط ادارہ ہونے کے باعث پنڈال میں بھی موجود تھے جبھی سعدان پیرزادہ کے قدم بھی بے اختیار اس پنڈال کی جانب اٹھتے چلے گئے، کافی اسٹوڈنٹس پنڈال سے باہر آ رہے تھے کیونکہ نعتیہ مقابلے کی تقریب اختتام پذیر ہو چکی تھی، سعدان پیرزادہ پنڈال میں داخل ہوا تو وہاں خاصا جم غفیر تھا، وہ آرام سے ایک طرف کھڑا ہو گیا، اسٹوڈنٹس چیرٹی بکس میں پیسے ڈال کر جا رہے تھے، چیرٹی بکس اسٹیج پر رکھا ہوا تھا، یکایک سعدان پیرزادہ کی نظر اسی بس اسٹاپ والی لڑکی پر پڑی تو اس کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی، وہ وہیں جم جاتا اگر کسی اسٹوڈنٹ کی اس سے ٹکر نہ ہو جاتی۔

''سوری۔'' اسٹوڈنٹ نے سعدان پیرزادہ سے فوراً معذرت کی اور آگے بڑھ گیا، سعدان پیرزادہ بھی اس شناسا چہرے کو دیکھتے ہوئے اسٹیج کی جانب بڑھنے لگا۔

سفید لباس میں سرخ و سفید رنگت والی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں، یا قوتی ہونٹوں پر سجی دلربا مسکان سجائے حسن و دلکشی کا مرمریں حسین پیکر وہ لڑکی کوئی اور نہیں تھی اجالا عظیم تھی، کنزی بھی اس کے ساتھ کھڑی تھی اور مہمان خواتین سے ڈونیشن کے حوالے سے بات کر رہی تھیں، اجالا کے ہاتھ میں ایک خوبصورت پھولوں سے بنی چھوٹی سی باسکٹ تھی جس میں وہ خود بھی مہمان خواتین سے ڈونیشن لے کر جمع کر رہی تھی، سر پر سفید جارجٹ کا آنچل قرینے سے سجائے وہ بہت معصوم اور پاکیزہ دکھائی دے رہی تھی، سعدان پیرزادہ کا ایک ہاتھ اپنے سیل فون کی طرف گیا تھا اور دوسرا ... والٹ کی طرف ... نے والٹ میں پانچ ہزار کا ایک نوٹ نکال لیا ڈونیٹ کرنے کے ارادے سے، فرنٹ لائن میں بیٹھی اعلیٰ عہدے داران کی بیگمات مہمان خصوصی اجالا اور کنزی کے ہاتھوں پکڑی پھولوں کی باسکٹ میں چندہ ڈال رہی تھیں، وہ دونوں مسکراتے ہوئے سب سے مخاطب تھیں، مسز کرمانی جو مہمان خصوصی کے جانے کے بعد ان کی سیٹ پر بیٹھی خوش گپیاں کر رہی تھیں اجالا کو دیکھتے ہوئے اسے اپنی طرف بلایا۔

''اجالا! جاؤ یہ ضرور بہت بڑی اماؤنٹ دیں گی جاؤ جلدی سے۔'' کنزی نے اس کے کان کے قریب ہو کر کہا۔

''اجالا!'' سعدان پیرزادہ نے زیر لب دہرایا۔

''جو واقعی اجالا ہو، روشنی ہو سویرا ہو۔''

سعدان پیرزادہ نے دل میں کہا اور ایک قدم آگے آیا، اجالا اس کے عین سامنے تھی، سعدان پیرزادہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''السلام علیکم! یہ میری طرف سے رکھ لیجئے۔'' سعدان پیرزادہ نے پانچ کا نوٹ پھولوں والی باسکٹ میں ڈال دیا۔

''جزاک اللہ۔'' اجالا نے متشکر نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا اور مسز کرمانی کی طرف چلی آئی۔

''جی میم!'' اجالا ان سے مسکراتے ہوئے مخاطب ہوئی، تو انہوں نے اپنے پرس میں ہزار کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شکریہ۔'' اجالا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ ہماری طرف سے۔'' پاس بیٹھی کئی خواتین نے یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹس نے باسکٹ میں ہزار، پانچ سو کے نوٹ ڈالنا شروع کر دیئے۔ سعدان پیرزادہ کچھ فاصلے پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا، اجالا کی روشنی اس کی نیکی کی روشنی اپنی آنکھوں میں بھر رہا تھا۔

''سنو لڑکی! کیا نام ہے تمہارا؟'' مسز کرمانی نے اجالا کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا تو اجالا کنزی کے ساتھ ساتھ سعدان پیرزادہ بھی اور پھر اسٹوڈنٹس بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''اجالا!'' اجالا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا نام بتایا۔

''ہاں اجالا! یہ بتاؤ کہ تم جو یہ ڈونیشن جمع کر رہی ہو یہ کہاں خرچ کرو گی؟ کس مقصد کے لئے جمع کر رہی ہو؟ اتنا ڈونیشن کہاں جائے گا؟''

مسز کرمانی کے سوال پر سب نے حیرت اور تاسف سے انہیں اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا تھا، سعدان پیرزادہ کو بھی افسوس ہو رہا تھا وہ مسز کرمانی کو پہچان گیا تھا وہ شہر کے ایک انڈسٹریلسٹ کی بیوی تھیں اور کروڑوں کمانے لٹانے والے ڈونیشن کا مصرف پوچھ رہے تھے افسوس کا مقام تھا۔

''میم! نیکی کے کام میں سوال نہیں پوچھے جاتے۔'' کنزی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں نہیں پوچھے جاتے؟'' مسز کرمانی نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھتے ہوئے جرح کی۔

''ارے بھئی، ہم ڈونیشن دے رہے ہیں تو ہمیں بھی تو معلوم ہونا چاہیے نا کہ ہمارا دیا ہوا ڈونیشن، ہمارا پیسہ کہاں خرچ ہو رہا ہے؟ کس کے کام آ رہا ہے؟ کسی مستحق کے کام آ رہا ہے یا ان کے نام پر اپنا کام کیا جا رہا ہے؟''

''میم! آپ نے ڈونیشن دیا ہے نا، ڈونیشن مستحق کے لئے ہی لیا اور دیا جاتا ہے۔'' اجالا نے تحمل سے جواب دیا۔

''ہاں تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے نا کہ جسے ہم نے پیسے دیئے ہیں ڈونیشن دیا ہے وہ مستحق ہے بھی کہ نہیں؟'' مسز کرمانی کی باتیں سب کو غصہ دلا رہی تھیں، مگر سب بہت ضبط کا مظاہرہ کر رہے تھے کیونکہ وہ اجالا کے کلاس فیلوز اور گروپ فیلوز تھے اور برداشت کرنے، نظر انداز کرنے کا سبق یاد کیے ہوئے تھے۔

''ایک بات بتایئے مسز کرمانی! آپ کے پاس جو کچھ ہے آج کیا آپ اس سب کی مستحق تھیں؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' مسز کرمانی کے سر پہ لگی تلووں پہ بجھی تھی، سعدان پیرزادہ سمیت سبھی اجالا کی باتوں پر کان کھڑے کیے ہوئے متوجہ تھے۔

''مطلب یہ کہ اگر اللہ یہ دیکھتا اور آپ سے پوچھتا کہ آپ مستحق ہیں یا نہیں تو آج آپ یہاں چیف گیسٹ کی کرسی پر نہیں بیٹھی ہوتیں بلکہ

باہر سڑک پر، کسی فٹ پاتھ پر بھیک مانگ رہی ہوتیں، اللہ تعالیٰ نے تو آپ سے نہیں پوچھا کے آپ کتنی مستحق ہیں، آپ کو مال و زر دینا چاہیے کے نہیں۔'' اجالا نے انہیں دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

''تم بدتمیزی کر رہی ہو میرے ساتھ۔'' مسز کرمانی غصے میں آتے ہوئے بولیں، اجالا نے مسکرا کر کہا۔

''انسان اپنی عزت اپنے رویے، بیان، زبان اور عمل سے کرواتا ہے مسز کرمانی، اور کتنے کا ڈونیشن دیا تھا آپ نے؟''

''ایک ہزار روپے۔'' ان کی بجائے اسٹوڈنٹس نے جواب دیا تھا۔

''ایک ہزار روپے یہ لیں اپنے ہزار روپے واپس، آپ کے ایک ہزار روپے کے لئے ہزار باتیں سننے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس، یہ پیسے سنبھال کر رکھیں آپ [illegible] جائے، یہ پیسے صحیح جگہ خرچ کریں آپ۔'' اجالا نے باسکٹ میں سے ہزار روپے کا نوٹ اٹھا کر مسز کرمانی کی گود میں رکھتے ہوئے کہا وہ مارے احساس ذلت کے سرخ ہو رہی تھیں۔

''تمہیں یہ حرکت بہت مہنگی پڑے گی۔'' مسز کرمانی نے اسے گھورتے ہوئے دھمکایا۔

''میری فکر نہ کیجئے، اپنی فکر کیجئے اور سوچیے کے آپ کو یہ حرکت کتنی مہنگی پڑے گی؟'' اجالا نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب ہنس پڑے اور مسز کرمانی اپنا پرس اٹھا کر غصے میں بولتی وہاں سے چلی گئیں۔

''اب یہ سیدھی پرنسپل کے آفس جائیں گی ہماری شکایت لگانے۔'' کنزی نے اجالا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''خیر ہے ڈیئر، پرنسپل اپنے ہیں۔'' اجالا [illegible]

بے نیازی سے ہنسی۔

''ہاں اور ہم ہیں ناں، کوئی تمہارا بال بھی بھیگا نہیں کر سکتا۔'' اس کا کلاس فیلو اویس ساگر بولا۔

''ہاں ہمارے ہوتے ہوئے وہ کچھ کر کے تو دکھائیں، دیکھنے جوگا نہیں چھوڑیں گے انہیں۔'' سلمیٰ بولی۔

''ارے نہیں دوستو! ہمیں جھگڑا نہیں کرنا کسی سے ہمیں اپنا مقصد حاصل کرنا ہے اور کامیاب ہونا ہے۔'' اجالا نے کہا۔

''ہاں انشاء اللہ! لیکن تم نے مسز کرمانی کو بالکل صحیح جواب دیا ہے، اتنے بڑے صنعت کار کی بیوی اور اتنے چھوٹے دل کی مالک اف۔'' کنزی نے تاسف زدہ لہجے میں کہا۔

''بڑے صنعت کار، الدار نہیں جانتے کے ان کا کتنا بڑا امتحان ہے یہ دولت۔'' اجالا [illegible]

''ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔'' کنزی بولی۔

''گنتی کریں کتنے پیسے رہ گئے ہمارا ٹارگٹ چھ لاکھ روپے کا ہے نا؟ آج کتنے جمع ہوئے ہیں۔'' اویس ساگر نے کہا۔

''ہاں آؤ کاؤنٹ کرتے ہیں۔'' اجالا نے کہا اور وہ چیریٹی بکس اٹھا لایا، سعدان پیرزادہ مسکراتے ہوئے وہاں سے چلا آیا۔

''کیا اجالا عظیم نام ہے اس لڑکی کا؟'' زین یہ نام سعدان پیرزادہ کے منہ سے سن کر اچھل پڑا۔

''ہاں آں، اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟'' سعدان پیرزادہ نے اسے اچنبھے سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''حیرت جناب کی اس جرأت محبت [illegible] [illegible] ہے مجھے کہ آپ کو بھی اجالا عظیم ہی ملیں [illegible]

خلق فرمانے کے لئے۔'' زین نے اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ملی نہیں ہیں ابھی تو صرف دکھائی اور سنائی دی ہیں انشاء اللہ، مل بھی جائیں گی۔'' سعدان پیرزادہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے سعد! وہ پروفیسر عظیم بیگ چغتائی کی چھوٹی بیٹی ہے اس کے لئے تو ہزاروں دل راہ میں بچھے رہتے ہیں ہزار چاہنے والے آنکھیں فرش راہ کیے رہتے ہیں میرے دوست، وہ تو کسی کو گھاس بھی نہیں ڈالتی تم کس کھیت کی مولی ہو؟'' زین نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ جو ہزار لوگ دل اور آنکھیں فرش راہ کیے بیٹھے ہیں نا ان کو سمجھتی ہو گی وہ گھوڑا، گدھا جبھی گھاس نہیں ڈالتی اور میں مولی ہوں، نہ ہی گھوڑا، گدھا، میں انسان ہوں ایک مضبوط عزم والا ارادے والا نیک نیت انسان اور ایک بار جو میں نے کمٹمنٹ کر لی تو اس کے بعد تو میں اپنے یار کی بھی نہیں سنتا۔'' سعدان پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

''میری دعا ہے کہ اللہ تمہاری سن لے کیونکہ پروفیسر عظیم بیگ چغتائی خاندان سے باہر تو شادی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں لیکن اپنی برادری سے باہر رشتہ جوڑنا وہ بھی بیٹی کا رشتہ خاندان، برادری سے باہر کرنا ان کو منظور نہیں ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟'' سعدان پیرزادہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بھئی کچھ دیوانوں نے اجالا عظیم سے براہ راست انکار سننے کے باوجود اس کے گھر رشتہ بھیجا تھا جہاں انکار ہی سننے کو ملا تھا انہیں اب تم خود سوچ لو کہ تم ... ان کے خاندان سے ہو نہ ہی برادری سے ہو، تمہیں وہ اپنی بیٹی کا رشتہ کیسے دے دیں گے؟''

''دعا، منت، فریاد، التجاء کسی طرح تو دیں گے نا؟''

''تم کوشش کرو میں دعا کرتا ہوں ویسے یہاں تمہاری دال گلنا مشکل ہے۔'' زین نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''دال کیا ہم تو پائے بھی گلا لیں گے اک نظر کرم کی دیر ہے بس۔'' سعدان پیرزادہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' زین نے مسکرا دیا۔

☆☆☆

سعدان پیرزادہ کا تعلق دولت مند گھرانے سے تھا، والد فیضان پیرزادہ ٹیکسٹائل ملز کے مالک تھے، والدہ شبنم پیرزادہ ایک این جی او چلا رہی تھیں، ایک بہن تھی امبر جو کینیڈا میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مقیم تھیں، بڑے بھائی عمران پیرزادہ بھی والد کے ساتھ ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتے تھے ان کی بیوی مہرین گھریلو خاتون تھی، ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جو ابھی پانچ سال کا تھا، بیٹیاں سات اور بارہ سال کی عمروں کی تھیں، سعدان پیرزادہ آرکیٹکٹ انجینئر تھا، اس نے اپنا الگ سے کنسٹرکشن کا بزنس شروع کیا تھا، آرکیٹکٹ انجینئر ہونے کی وجہ سے اس کی کمپنی خاصی اچھے اور قابل لوگوں کو سلیکٹ کر کے سامنے لائی تھی اور تین چار سال کے عرصے میں وہ ایک کامیاب کنسٹرکشن کمپنی کا مالک کہلایا جانے لگا، کام بہت مشکل تھا مگر وہ اسے مشکلوں کو آسان کرتے، محنت کو کامیابی میں بدلنے کی دھن اور لگن ہر وقت متحرک رکھتی یہی وجہ تھی کہ وہ انتیس برس کی عمر میں اتنا کامیاب جا رہا تھا، والد اور بھائی بھی اس کی کامیابی سے خوش

تھے، کاروبار میں مصروف و مگن ہونے کی وجہ سے سعدان پیرزادہ نے اب تک شادی نہیں کی تھی لیکن اجالا کو دیکھنے کے بعد اسے شادی کرنے کا خیال آ ہی گیا تھا اور وہ شاید اجالا جیسی نرم و رحم دل نیک سیرت انسان دوست شریک حیات کا متلاشی تھا، وہ خود بھی بہت چیرٹی کرتا تھا، والد بھی زکواۃ خیرات دل کھول کر دیتے تھے، ان کے کاروبار میں ترقی اور کامیابی کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ وہ ضرورت مندوں کا خیال رکھتے تھے۔

ادھر پروفیسر عظیم بیگ چغتائی اور غزالہ عظیم کا تعلق متوسط گھرانے سے تھا، غزالہ عظیم ان کے خاندان سے نہیں تھیں لیکن برادری کی تھیں لہٰذا ان کی شادی عظیم بیگ چغتائی کے ساتھ کرادی گئی اس میں زیادہ ہاتھ ان کی والدہ مومنہ بیگم کا تھا، جنہیں غزالہ ایک شادی کی تقریب میں پسند آئی تھیں اور عظیم بیگ چغتائی کو بھی وہ بہت پسند آئی تھیں حالانکہ ان کے بڑے بھائی نعیم بیگ چغتائی اور ان کی اہلیہ نصرت اس رشتے سے خوش نہیں تھے، نصرت اپنی بہن نزہت کو اپنی دیورانی بنانا چاہتی تھیں، پر دل میں غزالہ سے پرخاش رکھتی تھیں، ان کے دو بیٹے، تین بیٹیاں تھیں، ایک بیٹی اور دو بیٹے بیاہے گئے تھے، ایک بیٹی کی منگنی ہوگئی تھی، سب سے چھوٹی فرحت یونیورسٹی میں اجالا کے ساتھ پڑھتی تھی وہ اردو ڈیپارٹمنٹ میں تھی جبکہ اجالا پبلک ریلیشن میں ماسٹرز کر رہی تھی، فرحت کو اجالا سے جیلسی رہتی تھی کہ اسے تمام اساتذہ اور اسٹوڈنٹس پسند کرتے تھے اور اسے کوئی لفٹ بھی نہیں کراتا تھا، اس نے یونیورسٹی میں داخلہ بھی اجالا کی ضد میں آ کر لیا تھا، ورنہ نعیم بیگ چغتائی تو خلاف تھے، مخلوط تعلیم کے پھر نصرت نے اجالا کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لئے بھی بیٹی کے یونیورسٹی میں داخلے کی

حمایت کر ڈالی، فرحت تو روز انہیں چٹی پٹی خبریں سنایا کرتی تھی، اجالا کے حوالے سے اس کے ماں باپ کو شکایت کرنے والی خبر ابھی تک ان کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی۔

☆☆☆

''اجالا! چار لاکھ کا انتظام کیسے ہوگا اتنی جلدی؟ کھانے کا بندوبست میرج ہال کا انتظام بھی تو کرنا ہے آج کل کون چائے کے ایک کپ پر یا شربت کے گلاس پر بیٹی کو رخصت کرواتا ہے غریب آدمی تو بیٹی بھی عزت سے نہیں بیاہ سکتا۔''

کنزی یونیورسٹی کیفے میں بیٹھی اجالا سے مخاطب تھی، سعدان پیرزادہ بھی بیک سائیڈ پر بیٹھا نقشہ دیکھ رہا تھا کنزی کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا، اس نے بس ایک پل کو گردن گھما کر دیکھا تھا، اجالا کا چہرہ آنکھوں کو روشنی سے بھر گیا تھا اور وہ نظریں ہٹا کر ان کی باتوں پر دھیان دینے لگا تھی اجالا کی ریشم اور دلکش آواز اس کی سماعتوں میں پھول بن کر کھلی۔

''پاگل لڑکی! اچھا اور خوش آئندہ سوچو، اچھی سوچ ہے ایک عبادت اور عبادت اجر نصیب ہوا کرتی ہے۔''

''واہ، قسم سے اجالا تمہاری یہ باتیں مایوسی کے اندھیروں میں امید کی کرن ثابت ہوتی ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ ہم اپنا ٹارگٹ ضرور اچیو کر لیں گے اور صائمہ آنٹی عزت سے، شان سے اپنی بیٹی کو رخصت کرسکیں گی۔'' کنزی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ۔'' اجالا کھل کر مسکرا دی۔

''وہ تمہاری کزن ہے نا فرحت وہ کہہ رہی تھی اجالا کی زبان بہت کالی ہے۔'' کنزی مسکراتے ہوئے بولی۔

''جی نہیں، کالی زبان ہے میری بلکہ سرخ

ہے یہ دیکھو اور اسے کہو اپنی نظر کا علاج کروائے۔" اجالا نے باقاعدہ زبان نکال کر اسے دکھا کر کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"تمہیں پتا ہے مسز کرمانی کے ایک ہزار روپے صحیح جگہ خرچ ہوگئے ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"اس روز یونیورسٹی سے واپسی پر ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا، گاڑی کا تو انجر پنجر بن گیا خود بھی ہاتھ باز و تڑوا بیٹھی ہیں سر پر چوٹیں آئی ہیں سمجھو کے نئی زندگی ملی ہے انہیں اسی حادثے کا سن کر فرحت کہہ رہی تھی کے اجالا کی کالی زبان کا نتیجہ ہے یہ۔" کنزی نے تفصیل سے بتایا تو سعدان پیرزادہ کو بھی حیرت کے ساتھ افسوس ہو رہا تھا، انسان کے تکبر اور تنفر کا پھل اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے قدرت کے آگے سب بے بس ہو جاتے ہیں۔

"فرحت کو چھوڑو، مسز کرمانی کو تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"ہاں یار، یہ دولت مند لوگ اپنی فضول کی عیاشیوں پر ہزاروں، لاکھوں روپے لٹا دیتے ہیں اور کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کو کہو تو چند سو روپے دیتے ہوئے بھی احسان جتاتے ہیں ہزار سوال کرتے ہیں دوسروں کی نیت پر شک کرتے ہیں۔" کنزی سنجیدگی سے بولی تو اجالا نے تاسف سے مسکرا کر کہا۔

"ہاں جیسے خود تو وہ سب کے سب ہی جائز ذرائع سے صحیح اور حلال ذرائع کے دولت کما لٹا رہے ہوں۔"

"ان جیسوں کا بس چلتے تو اپنی قبر میں بھی منی اکاؤنٹ کھلوالیں۔" اجالا کی اس بات پر سعدان پیرزادہ نے اپنی ہنسی بمشکل روکی تھی۔

"دولت مندوں کے دل میں ضرورت

مندوں کا بھی حصہ ہے یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، اب بات ہے سمجھنے کی، غور و فکر کرنے کی، مگر انسان تو نہ سمجھ ہے، وہ تو بس پیسہ کمانے لٹانے میں مست ہے۔" اجالا نے سنجیدگی سے کہا تو کنزی کہنے لگی۔

"ہاں خیر چھوڑو یہ بتاؤ عید کی شاپنگ کا کیا کرنا ہے؟"

"عید کی شاپنگ کرنا ہے اور کیا؟" اجالا بولی۔

"کب کرنی ہے عید کی شاپنگ؟ وہی تو پوچھ رہی ہوں دوسروں کے لئے ڈونیشن جمع کرنے میں لگی ہو، کپڑے جوتے سویاں خرید کے بھیج رہی ہو، سوشل ورک ہی کرتی رہو گی کیا؟ خود عید نہیں کرنی کیا تم نے؟" کنزی نے سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔

"کرنی ہے۔ کیوں نہیں کرنی، عید تو ان کی بھی گزر جاتی ہے جن کے پاس پہننے کو نئے کپڑے، جوتے نہیں ہوتے کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا عید کے دن۔" اجالا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اجالا! ہم ساری دنیا سے بھوک پیاس اور غربت نہیں مٹا سکتے نا، ہم تو صرف اپنی حد تک کوشش کر سکتے ہیں اور اس کوشش میں دو چار ہی غریب ہمارے حصے میں آئیں گے نیکی کمانے کے لئے، تم کس کس کا خیال کرو گی، کس کس کی زندگی میں خوشحالی لاؤ گی؟" کنزی نے اسے دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"مائی ڈیئر کزن اینڈ فرینڈ، اگر ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے تو ایک انسان کی زندگی بچانا بھی تو پوری انسانیت کو نئی زندگی دینا ہوا نا؟ ایک خاندان کو زندگی کی

خوشیاں اور ضروریات مہیا کرنا بھی کل جہان کی بلکہ یوں سمجھو کہ دونوں جہان کی کامیابی کا راز اور راستہ ہوا نا دوست؟"

"صحیح کہہ رہی ہو اجالا، کاش سب تمہاری طرح سوچنے لگیں تو دنیا جنت بن جائے کوئی ضرورت مند ہی نہ رہے۔" کنزی نے سنجیدگی سے کہا تو اجالا ہنس پڑی، سعدان پیرزادہ اپنا کام بھول کران کی گفتگو دلچسپی سے سن رہا تھا۔

"ہنسی کیوں؟" کنزی نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"ارے بیوقوف، کوئی ضرورت مند نہیں رہے گا تو نعمتوں کی، چیزوں کی قدر کون کرے گا؟ اللہ کے سامنے ہاتھ کون پھیلائے گا؟ دعا کون مانگے گا؟ سجدوں میں کون گڑگڑائے گا اللہ نے اپنے بندے کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے رکھنے کے لئے ہی تو دعا کو ذریعہ بنایا ہے، ضرورت کو وجہ بنایا ہے، ساری ضرورتیں وہ پوری کرے گا پس ذرائع، وسیلے، واسطے، حالات بھی وہی بناتا جائے گا، ایک انسان، دوسرے انسان کے ساتھ مل کر زندگی گزارتا ہے اپنی فطری اور معاشرتی ضرورتوں کے تحت نا، تو جب ہر انسان دوسرے سے ضرورت اور فرض کے رشتے میں جڑا ہے تو اللہ تو سب انسانوں کا پوری کائنات کا خالق و مالک ہے سب نعمتیں وہی عطا کرنے والا ہے اگر سب کو سب کچھ بنا مانگے مل جائے تو کوئی بھی کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لائے گا، اللہ کو نہیں مانے گا، ابھی تو اپنی ضرورت اور تکلیف میں انسان اللہ کو پکارتا ہے نا؟ ضرورتیں بنا مانگے، مفت میں بنا کوشش کیے پوری ہونے لگیں تو قدر کھو دیتی ہیں اور اپنے خالق و مالک کی پہچان نہیں ہونے دیتیں کیونکہ انسان تو بہت خود غرض مخلوق ہے جتنا بڑا اس کا لالچ ہے نا، اس کی فطرت

اتنا بڑا نہیں ہے۔"

"ہوں ٹھیک کہہ رہی ہو تم اسی لئے تو اللہ نے اپنی پسند اور مرضی کی تقسیم رکھی ہے کسی کو بہت زیادہ دیا ہے کسی کو کم، کسی کو بہت کم، اس کی تقسیم کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی۔" کنزی نے اس کی بات مکمل ہونے پر سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں اور جن کو بہت زیادہ دیا ہے نا، یہ ان کا امتحان ہے کہ وہ اپنے پاس جو بہت زیادہ ہے اس میں سے تھوڑا بہت ان کو دے دیں جن کے پاس کم ہے یا بہت کم ہے، ضرورت پوری کرنے سے بھی کم ہے، غریب امیر کے لئے ایک سبق ہے، امتحان ہے اور امیر، غریب کے لئے باعث حسرت و یاس ہے، سکون، چین، اطمینان تو صرف اللہ کی تقسیم پر بخوشی سر تسلیم خم کرنے میں ہے، اللہ کی رضا میں راضی ہونے میں ہی سکون ہے اور اس عطا کو مان لینے سے ہی دلوں کو چین ملتا ہے، اللہ کے حکم کے آگے سر جھکا کر انسان کا سر اونچا ہو جاتا ہے۔"

"جی بالکل بجا فرمایا آپ نے، اب چلیں اپنی عید کی شاپنگ بھی کر لیں آج، تھوڑے سے تو دن رہ گئے ہیں عید میں۔" کنزی نے ٹیبل پر سے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلتے ہیں، یہ اویس وغیرہ کہاں رہ گئے؟ ہمیں یہاں انتظار کرنے کا کہہ کر نجانے کہاں غائب ہوئے ہیں ڈونیشن جمع کرنے گئے تھے یہ لوگ، بس یہ کام ہو جائے تو ساری تھکن دور ہو جائے گی۔"

"ہاں ڈیئر، یہ بھی ایک بہت بڑی ذمے داری ہے ایک کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو اسے مکمل تو کرنا ہے نا وہ بھی خوش اسلوبی سے۔" کنزی نے کہا اسی وقت اجالا کے سیل فون پر میسج ٹون بجی وہ میسج چیک کرنے لگی۔

"لوجی اویس اینڈ کمپنی تو کل ہی ملیں گے ٹریفک بلاک ہے وہ دوسرے راستے سے گھر جا رہے ہیں چالیس ہزار کا ڈونیشن ملا ہے انہیں۔" اجالا نے اویس ساگر کا ٹیکسٹ پڑھنے کے بعد بتایا۔

"شکر الحمدللہ، اب چلیں شاپنگ کے لئے؟" کنزی بولی۔

"اف شاپنگ وہ بھی اتنی شدید گرمی میں اور روزے میں کسی امتحان سے کم نہیں ہے تم ہی کر لو میری شاپنگ۔" اجالا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"ارے واہ، میں اکیلی کیسے کروں گی شاپنگ، دوسروں کے لئے تو تم روزہ، بھوک، پیاس سب بھلا کے ڈونیشن اکٹھا کرنے، شاپنگ کرنے میں لگی ہوئی ہو اتنے دنوں سے اب اپنی باری آئی ہے تو تمہیں روزہ بھی لگنے لگا ہے اور گرمی بھی۔"

"دوسروں کو، ضرورت مندوں کو خوشی دینے میں جو راحت ہے وہ کسی اور کام میں کہاں؟" اجالا ہنس کر بولی۔

"اچھا میری ماں، اب اٹھ جاؤ میں نہیں جاؤں گی اکیلے شاپنگ کرنے سمجھیں۔" کنزی نے زچ آ کر کہا۔

"جی جی سمجھ گئی اور آئندہ تم بھی عید کی شاپنگ رمضان سے پہلے کر لینا میں نہیں کر سکی اس بار تو مصروفیت بھی بڑھ گئی۔" اجالا اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر اس کے ساتھ کیفے سے باہر جاتے ہوئے بولی، کنزی کہنے لگی۔

"ہاں تم بہت سمجھدار بلکہ ہوشیار ہو ہمیشہ رمضان سے پہلے عید کی شاپنگ کر لیتی ہو میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ اگلے برس سے عید کی شاپنگ رمضان سے پہلے ہی کروں گی۔"

"صرف شاپنگ نہیں عید کا تحفہ بھی خریدنا ہے تم نے میرے لئے۔" اجالا نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"صرف میں نے؟" کنزی نے تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں جی صرف تم نے۔"

"چلو بھئی ٹھیک ہے چہیتی دوست ہونے کا فائدہ اٹھاؤ تم۔"

"صرف چہیتی دوست نہیں ہوں تم سے چھ ماہ چھوٹی بھی ہوں عمر میں اور چھوٹوں کو عیدی دیتے ہیں ان سے عیدی لیتے نہیں ہیں سمجھیں۔" اجالا مسکراتے ہوئے بولی۔

"صدقے جاؤں تمہارے اپنے فائدے کی خوب سمجھ ہے چلاکو ماسی۔" کنزی نے رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"حد ادب گستاخ لڑکی، نہ میں چلاکو ہوں اور نہ ماسی ہوں میں تو بہت معصوم، رحم دل، حساس اور حسین لڑکی ہوں۔"

"اوہو، معصوم، رحم دل، حساس اور حسین بھی۔" کنزی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں تو نہیں ہوں کیا حسین؟"

"حسین کیا آپ تو حسین و جمیل ہیں، حور پری، اپسرا ہیں۔"

"بس بس زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں ہے عید کا تحفہ تو تمہیں پھر بھی مجھے دینا ہوگا میں خالی خولی تعریف پر نہیں ٹلنے والی۔"

"اندازہ ہے مجھے۔" کنزی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور دونوں ہنس پڑیں۔

☆☆☆

"ممی! میری خواہش ہے کہ آپ اور ڈیڈی

پروفیسر عظیم بیگ چغتائی کے گھر میرا رشتہ لے کر جائیں ان کی بیٹی اجالا کے لئے۔'' سعدان پیرزادہ نے رات کے کھانے پر ان دونوں کو اجالا کے بارے میں سب بتانے کے بعد مہذب لہجے میں کہا۔

''ہوں، یہ بتاؤ تم صرف اس کی نیکی سے، انسان دوستی سے متاثر ہو کر یہ رشتہ کرنا چاہتے ہو یا اس کی کوئی اور وجہ بھی ہے؟'' شبنم پیرزادہ نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔

''ممی! کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے؟''

''نہیں، کیونکہ صرف دوسروں کی خدمت کا جذبہ دل میں رکھ کر کسی انجان لڑکی سے رشتہ جوڑنا محض جذباتی پن ہے لڑکی کو اپنے گھر کا خیال پہلے رکھنا پڑتا ہے وہ اگر شادی کے بعد بھی اسی طرح چیرٹی کے چکروں میں پڑی رہی تو تمہیں، تمہارے گھر کو کیسے وقت دے گی؟ بیٹا، آج اجالا کی جو خوبی تمہیں اتنی پسند آ رہی ہے نا کل کو یہی اس کی سب سے بڑی خامی بن جائے گی تمہاری نظروں میں، عورت ہوم ورک کرتی اچھی لگتی ہے سوشل ورک کرتی نہیں۔'' شبنم پیرزادہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ ان کے خیالات جان کر حیرت زدہ رہ گیا۔

''ممی! یہ آپ کہہ رہی ہیں، آپ تو خود ایک این جی او چلاتی ہیں، غریب اور مستحق لوگوں کی مدد کرتی ہیں۔''

''ہاں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں غریب اور مستحق لوگوں سے رشتے جوڑنے لگوں اور میں ہمیشہ سے تو این جی او نہیں چلا رہی تم لوگ اسکول سے کالج میں گئے تب میں نے یہ سوشل ورک شروع کیا تھا تمہارے ڈیڈی نے صاف صاف کہہ دیا تھا مجھے کہ جب تک بچے بڑے نہیں ہو جاتے کالج لائف میں قدم نہیں رکھ دیتے میں تب تک گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی اور میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی ایک فرمانبردار مشرقی عورت کی طرح، بیوی کی طرح اپنی ذمے داری نبھائی۔'' شبنم پیرزادہ نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ممی! یہ تو بہت اچھی بات ہے نا کہ آپ نے اپنا فرض ادا کیا، عورت کا اصل مقام اور کام تو اس کا گھر شوہر اور بچے ہی ناں، ہاں اگر وہ یہ ذمے داریاں احسن طریقے سے نبھا رہی ہے تو اپنے شوق اور سوشل ورک کے لئے بھی وقت نکال سکتی ہے اپنے شوق پورے کر سکتی ہے، اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہے انہیں استعمال میں لا کر خود کو مزید کامیاب انسان بنا سکتی ہے، لیکن گھر شوہر اور بچوں کو نظر انداز کر کے اپنے کیریئر اور سوشل ورک پہ فوکس کرنے والی عورت اپنے شوہر کے دل سے اتر جاتی ہے اور گھر میں بھی اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور رہی بات اجالا کی تو ممی، جو لڑکی دوسروں کی مدد کرتی وہ خود کیسے غریب یا مستحق ہو سکتی ہے؟ وہ پروفیسر عظیم بیگ چغتائی کی بیٹی ہے مانا کہ وہ لوگ ہماری طرح ایلیٹ کلاس سے تعلق نہیں رکھتے لیکن خوشحال گھرانے سے تعلق ہے ان کا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت اور آسائش سے نوازا ہے پھر ہمیں کیا فرق ہے کہ وہ امیر ہو یا غریب ہیں؟ مجھے یقین ہے اجالا کی تربیت میں، رشتوں کی قدر اور اہمیت ہر چیز سے زیادہ اہم ہوگی وہ سوشل ورک کے لئے اپنے گھر کو کبھی اگنور نہیں کرے گی۔'' سعدان پیرزادہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا، فیضان پیرزادہ ابھی تک خاموش تھے، ماں بیٹے کی گفتگو سن رہے تھے کھانا کھا رہے تھے۔

''جو بھی ہے میں خود تمہارے لئے بہت اچھی لڑکی کا انتخاب کروں گی۔'' شبنم پیرزادہ نے

سلاد کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

"ممی! اجالا بھی بہت اچھی لڑکی ہے وہ بری لڑکی نہیں ہے اور آپ کا بیٹا کسی ایسی ویسی لڑکی کا انتخاب نہیں کر سکتا۔" سعدان پیرزادہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو چڑ کر بولیں۔

"یہی لچھن ہوتے ہیں ان مڈل کلاس لڑکیوں کے جہاں کوئی دولت مند لڑکا دیکھا، پھنسالیا۔"

"ممی پلیز، اجالا کے بارے میں ایسی باتیں مت کیجئے، میں آپ کو ساری حقیقت بتا چکا ہوں پھر بھی آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے کہ میں اس کے لئے کیا سوچ رہا ہوں، وہ نہ مجھے جانتی ہے نہ پہچانتی ہے نہ ہماری کوئی دوستی اور ملاقات ہے، یہ تو صرف میں نے اسے اس کے نیک عمل کی وجہ سے پسند کیا ہے مجھے لگتا ہے اجالا میری بہترین شریک حیات ثابت ہو سکتی ہے اس لئے آپ سے اس کے بارے میں بات کر لی۔" سعدان پیرزادہ نے تلخ ہو کر کہا تو وہ بے نیازی سے بولیں۔

"تم نے بات کر لی اور میں نے تمہاری بات سن لی، بات ختم۔"

"ٹھیک ہے ممی، آپ کے ان خیالات کے ساتھ تو میں بھی اسے اس گھر کی بہو بنا کر اس پر ظلم نہیں کروں گا، وہ جتنی اچھی لڑکی ہے میں محض اپنی خوشی کے لئے تو اس کی زندگی میں دکھ نہیں بھروں گا ایک ان چاہی بہو بنا کر۔" سعدان پیرزادہ نے سنجیدہ اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"دکھ اور ظلم کیسے ہوگا اس پر، اسے تو تم سے شادی کر کے سب کچھ مل جائے گا جو وہ چاہتی ہے۔" شبنم پیرزادہ تنک کر بولیں۔

"ممی! وہ جو چاہتی ہے وہ اسے ابھی بھی

مل رہا ہے کیونکہ وہ ضرورت مندوں کی مدد کرتی ہے اس لئے اللہ کی طرف سے اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور پلیز مڈل کلاس کی لڑکیوں کو ایسے ڈی گریڈ مت کیجئے چند کے غلط رویے سے آپ سب لڑکیوں کے کردار کو جج نہیں کر سکتیں۔" سعدان پیرزادہ نے جھنجلا کر کہا۔

"بیٹا! یہ تمہاری ممی کے اندر کا چور بول رہا ہے ان کا تعلق بھی تو مڈل کلاس سے تھا شادی سے پہلے۔" فیضان پیرزادہ نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے انکشاف کیا تو جہاں سعدان پیرزادہ کو حیرت ہوئی وہاں شبنم پیرزادہ سٹپٹا گئیں۔

"کیا؟" سعدان پیرزادہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"فیضان!" شبنم پیرزادہ نے انہیں گھورا۔

"کیوں؟ کیا میں نے کچھ غلط کہا؟" فیضان پیرزادہ نے انہیں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"یہ بہت پرانی بات ہے۔"

"بات پرانی ضرور ہے لیکن ہے تو سچ نا اور تمہیں اچھی طرح یاد ہوگا تم نے مجھے اپنی محبت کے جال میں کس طرح پھنسایا تھا، شادی کے لئے میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا لیکن مجھے آئی لو یو بول کر تم نے اپنی منگنی میں کیا تھا پہلے۔" فیضان پیرزادہ نے انہیں دیکھتے ہوئے ان کا پردہ فاش کیا تھا، وہ جوان بیٹے کے سامنے یوں اپنی حقیقت کھلنے پر شیرنی سے یکدم بھیگی بلی بن گئی تھیں۔

"آپ بیٹے کے سامنے ایسی باتیں کر رہے ہیں کچھ تو خیال کیجئے۔" شبنم پیرزادہ نے دبی دبی آواز میں احتجاج کیا۔

"آپ بھی تو بیٹے کے سامنے کسی کی بیٹی

کے کردار پر انگلی اٹھا رہی ہیں، آپ کو لگتا ہے کہ اجالا بھی آپ جیسی ہو گی ہے نا، آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ نے مجھ سے شادی صرف دولت اور آسائشوں کے لئے کی تھی اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے کی تھی اور میں نے مڈل کلاس کی لڑکی سے شادی اس لئے کر لی تھی کہ میں اس سے پیار کر بیٹھا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ ان آسائشوں کی قدر کرے گی اور میری اولاد کی اچھی تربیت کرے گی ان کا خیال رکھے گی، میری زندگی سکون سے گزرے گی، لیکن آپ نے بھی مجھ سے شادی کرتے ہی اپنے رنگ دکھانا شروع کر دیئے تھے، کبھی آپ کو بوتیک کھولنے کا شوق ہوا تو کبھی بیوٹی سیلون چلانے کا جنون طاری ہو گیا، کبھی این جی او بنانے کے لئے بے چین ہونے لگیں، مجھے آپ کے کسی شوق پر اعتراض نہیں ہوتا تھا، لیکن آپ کا [illegible] پن اور ان سب کاموں کی طرف آپ کی [illegible] سے زیادہ دلچسپی ہی میں نے آپ پر پابندی لگائی تھی کہ پہلے اپنی اولاد کی تربیت اور پرورش کی ذمے داری اور فرض نبھائیں اس کے بعد اپنے شوق جاری رکھیں، بوتیک، سیلون، یا این جی او جو چاہے بنائیں چلائیں، دیکھیں جو خواتین مجبوراً اور ضرورتاً یہ سب کام کرتی ہیں ناں ان کی الگ بات ہے وہ اپنا گھر بھی اچھے سے مینج کرتی ہیں اور جو شوقیہ اور وقت گزاری کے لئے ان چکروں میں پڑتی ہیں انہیں اپنے گھر، شوہر اور اولاد کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، شبنم بیگم، عورت کا قلعہ اس کا گھر ہوتا ہے، وہ چاہے ساری دنیا میں کامیابی کے جھنڈے گاڑھ دے، دنیا فتح کر لے لیکن اگر وہ اپنے گھر کو نظر انداز کر کے ایسا کرتی ہے تو وہ دنیا کی ناکام ترین عورت ہوتی ہے، اپنے گھر کے قلعے میں شکست کھانے والی عورت دنیا تسخیر کر کے بھی شکست خوردہ کہلاتی ہے، عورت اپنی الگ پہچان اور شناخت بنانے کے چکر میں پڑ کر اپنا اصل مقام کھو رہی ہے، مرد کا مقابلہ کرنے کی سوچ لے کر گھر سے باہر کام کرنے والی عورت اپنے گھر میں بری طرح ہار جاتی ہے۔" فیضان پیرزادہ بولنا شروع ہوئے تو بولتے ہی چلے گئے، سعدان پیرزادہ تحیر سے انہیں دیکھ سن رہا تھا جبکہ شبنم پیرزادہ بیٹے کے سامنے ایسی باتیں اپنے شوہر کی زبان سے اپنے لئے سن کر شرم سے پانی پانی ہوئے جا رہی تھیں، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ فیضان پیرزادہ اتنے سالوں سے اپنے دل میں پرانی باتیں لئے بیٹھے ہیں اور وہ ان کے مزاج سوچ اور خیال کو کتنی گہرائی سے سمجھتے تھے، یہ بھی اسے آج معلوم ہو رہا تھا اور اپنی سوچ پر شرمندگی ہو رہی تھی، واقعی انہوں نے صرف دولت کی خاطر فیضان پیرزادہ سے شادی کی تھی اور انہیں یونیورسٹی میں بہت طریقے سے اپنے حسن و محبت کے جال میں پھنسا کر ان سے شادی کی تھی مگر وہ الگ ہی مزاج کے امیر زادے نکلے تھے، گھر اور رشتوں کو اہمیت دینے والے، یہ ان کی تربیت میں شامل تھا جب تک ان کی والدہ زندہ رہیں وہ اپنے پوتے پوتی کی تربیت کرتی رہیں، بچے تین ایج میں پہنچ گئے تھے جب فیضان پیرزادہ کی والدہ ملک عدم سدھار گئیں، شبنم پیرزادہ پر تو زیادہ ذمے داری تب بھی نہ تھی کہ بچوں کی دادی اور ملازمہ بھی بچوں کی دیکھ بھال کے لئے موجود تھیں، بس شوہر کے حکم کی وجہ سے وہ باقاعدہ کسی سرگرمی میں انوالو نہیں ہو سکی تھیں ان کا زیادہ وقت گھر پر ہی گزرتا تھا، البتہ خاندان اور دوست احباب کے ہاں آنا جانا رہتا تھا، شوہر کے سامنے وہ گھر میں ایکدم سے بہت ایکٹو ہو جایا کرتی تھیں جیسے وہی سارے کام کرتی ہوں [illegible] فیضان

پیرزادہ بھی بلا کی نظر رکھتے تھے وہ سمجھ جاتے تھے کہ کہاں شبنم پیرزادہ دکھاوا کر رہی ہیں اور کہاں واقعی ان کی محنت اور توجہ سے کام ہو رہا ہے، مگر وہ انہیں کچھ کہتے نہیں تھے کہ گھر میں بدمزگی نہ پیدا ہو اور ان کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ گھر میں بچوں کے پاس موجود تو تھیں۔

''اتنی لمبی تقریر کا کیا مطلب ہے؟ کیا میں نے اپنی ذمے داریاں ادا نہیں کیں؟ آپ کے بچے آج جس مقام پر ہیں کیا اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے، میری توجہ، تربیت، محنت، محبت کچھ بھی نہیں ہے؟'' شبنم پیرزادہ ان کے خاموش ہونے پر انہیں ناراض نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ لہجے میں تندی اور تیزی تھی۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا لیکن حقیقت آپ بھی بہت اچھی طرح جانتی ہیں، بس اتنا یاد رکھئے شبنم بیگم، کہ ہر انسان کے مزاج اور کردار کو اپنے مزاج اور کردار کی کسوٹی پر نہیں پرکھنا چاہئے۔ جہاں تک بات ہے سعد بیٹے کی پسند کی اور اس بچی اجالا کی تو مجھے اس رشتے میں کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی، شادی کے لئے اچھے خاندان اور نیک سیرت لڑکی کا ہونا ضروری ہے روپے پیسے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اگر میں بھی روپے پیسے اور جہیز کے لالچ میں پڑتا تو آپ کو بھی شریک حیات نہیں بناتا آپ کے والدین کی شرافت ہی میرے لئے کافی تھی اور جب سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے تو مجھے یا میرے بیٹے کو دوسروں کے مال پر نظر اور نیت رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟'' فیضان پیرزادہ نرم لہجے میں بولے۔

''بالکل صحیح کہہ رہے ہیں ڈیڈی آپ۔'' سعدان پیرزادہ نے باپ کو رشک و فخر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ان کی بات کی تائید کی۔

''تو ٹھیک ہے آپ باپ بیٹا بیاہ لائیں اجالا کو میں تو اس کے گھر رشتہ مانگنے نہیں جاؤں گی۔'' شبنم پیرزادہ نے ناراض اور تیز لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ٹھیک ہے آپ مت جایئے گا، میں تو اپنے بیٹے کے ساتھ ضرور جاؤں گا اور اگر لڑکی اور اس کے گھر والے واقعی اتنے اچھے ہیں جیسا کے سعد نے بتایا ہے تو میں تو شادی کی تاریخ بھی مانگ لوں گا، کیوں سعد بیٹے ٹھیک ہے نا؟'' فیضان پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے دھیمے نرم لہجے میں کہتے ہوئے سعدان پیرزادہ کی طرف دیکھا تو وہ خوش ہو کر بولا۔

''تھینک یو ڈیڈی، لو یو یو آر سو سویٹ۔''

''ہونہہ۔'' شبنم پیرزادہ غصے سے سر جھٹک کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

''بیگم صاحبہ! تھوڑی سی سویٹ آپ بھی ہو جایئے اور اولاد کی خوشی میں اپنی انا اور بے حسی کی دیوار مت کھڑی کیجئے۔'' فیضان پیرزادہ نے انہیں جاتے دیکھ کر کہا۔

''آپ ہیں نا اولاد کی خوشی پوری کرنے کے لئے میری کیا ضرورت ہے؟'' شبنم پیرزادہ ناراضگی سے کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

''ڈیڈی!'' سعدان پیرزادہ نے فکرمندی سے انہیں دیکھا۔

''ڈونٹ وری مائی سن، آئی ول ہینڈل دس۔'' فیضان پیرزادہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دیتے ہوئے اپنے ساتھ کا یقین دلایا تو وہ بھی مطمئن ہو کر مسکرا دیا۔

☆☆☆

''ایکسکیوزمی۔'' اجالا اور کنزی لائبریری کی طرف جا رہی تھیں کہ ایک مردانہ آواز نے ان

کے بڑھتے قدم روک دیئے۔

''جی۔'' وہ دونوں رک کر حیرت سے آواز کی سمت مڑیں، سامنے بلو جینز اور لائٹ بلو شرٹ بلیک شوز میں اونچا لمبا، وجیہہ وشکیل سعدان پیر زادہ کھڑا تھا۔

''السلام علیکم!'' سعدان پیر زادہ نے ان کے دیکھنے پر فوراً سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! جی فرمایئے۔'' اجالا نے سلام کا جواب دینے کے ساتھ ہی پوچھا تو وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔

''میرا نام سعدان پیر زادہ ہے کنسٹرکشن کا بزنس ہے میرا آپ کی یونیورسٹی میں آج کل میں ہی کام کروا رہا ہوں۔''

''جی میں نے دیکھا تھا آپ کو کنسٹرکشن ائیریا میں۔'' کنزیٰ نے بتایا، تو وہ مسکرا کر بولا۔

''ایکچوئیلی میں آپ کے اس نیک کام کے لئے ڈونیشن دینا چاہتا ہوں۔''

''آپ تو ڈونیشن دے چکے ہیں پانچ ہزار۔'' اجالا کو یاد آ گیا تھا کیونکہ سب سے زیادہ ڈونیشن اس دن سعدان پیر زادہ کا ہی دیا ہوا پانچ ہزار کا نوٹ تھا۔

''آپ کو یاد ہے۔'' وہ خوشگوار حیرت میں گھر کر بولا۔

''جی ہاں مجھے نیکی کرنے والوں کے چہرے نہیں بھولتے۔''

''دیٹس گریٹ، میں مزید ڈونیشن دینا چاہتا ہوں اس روز مجھے آپ کے کام کی نوعیت کا علم نہیں تھا اور جیب میں بھی زیادہ رقم موجود نہیں تھی، سو جو تھا وہی دے دیا تھا، آپ یہ بتایئے کہ کتنی اماؤنٹ کی ضرورت ہے اس بچی کی شادی کے لئے۔'' سعدان پیر زادہ نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

''ابھی تو ہم نے تین لاکھ روپے جمع کرنا ہیں۔'' اجالا نے بتایا۔

''اوکے اور یہ رقم جہیز کے لئے چاہیے کہ اس میں دیگر انتظامات بھی شامل ہیں آئی مین کھانا اور ہوٹل کا انتظام؟'' وہ تفصیل جاننے لگا۔

''آئی تھینک ہمیں کہیں بیٹھ کر بات کرنی چاہیے۔'' کنزیٰ بولی، تو سعدان پیر زادہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شیور، ادھر لان میں سایہ ہے وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ دونوں اس کے ساتھ لان میں سایے والی جگہ پر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''سعدان صاحب! کھانے کا ارینج منٹ ہو گیا ہے اور ہوٹل کی ضرورت نہیں ہے ہمارے وہاں محلے میں خالی گراؤنڈ ہے وہیں انتظام ہو جائے گا اور یہ کام محلے کے بڑے اور جوان مل کر خود کر لیں گے۔'' اجالا نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

''ہوں، اگر ہوٹل میں انتظام کرانا ہو تو میں بکنگ کروا دیتا ہوں تمام بلز بھی میں اپنی جیب سے پے کروں گا۔'' سعدان پیر زادہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''شکریہ مگر اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ خاتون بہت غریب ہیں اور اگر شاندار ہوٹل میں ان کی ایک بیٹی کی شادی ہو جاتی ہے تو لوگ دوسری بیٹی کی شادی بھی ایسی اچھی جگہ کرانے کا سوچ کر ہی ان سے رشتہ مانگیں گے اور پھر آپ کو پتا ہے نا کہ لوگ باتیں بھی خوب بناتے ہیں کہ اتنے اچھے ہوٹل میں بیٹی کی شادی کیسے کر دی؟ کہاں سے کر دی، لہٰذا ہمیں مناسب اور باعزت طریقے سے یہ شادی کرانا ہے کہ صائمہ آنٹی پر بوجھ بھی نہ پڑے اور ان کی بیٹی اچھے اور معقول جہیز

کے ساتھ بیاہی جائے۔" اجالا نے سنجیدہ مگر اپنے دھیمے اور دلکش لہجے میں کہا۔

"ھم، یو آر رائیٹ۔" سعدان پیرزادہ نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

"اور جہیز کے لئے ہمارے کچھ اساتذہ کے گھریلو ضرورت کا سامان بھی ڈونیٹ کیا ہے جیسے ٹی وی، فریج، ڈبل بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل، وارڈ روب، بہت آسانی ہو گی ہے ہمیں اور برتن، کپڑے وغیرہ کچھ اسٹوڈنٹس نئے خرید کر دے رہے ہیں اور آنٹی کے گھر میں بھی وائیٹ واش کا کام کروا رہے ہیں تاکہ شادی کا گھر تو صاف ستھرا نظر آئے اور چھوٹے موٹے ہزار خرچے ہیں۔" کنزی نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں آپ شادی کے ہزار اخراجات ہوتے ہیں اور چند روز پہلے تک چلتے رہتے ہیں اس کے لئے کم از کم پچاس ساٹھ ہزار روپے ان خاتون کے پاس ایکسٹرا بھی ہونے چاہئیں۔" سعدان پیرزادہ نے یہ کہتے ہوئے اپنی پینٹ کی جیب میں سے والٹ نکالا اس میں موجود چیک بک نکالی اور پین کے لئے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"پین ہوگا آپ کے پاس؟"

"جی ہے، یہ لیجئے۔" اجالا نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے پین نکال کر سعدان پیرزادہ کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔" سعدان پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے پین اس کے ہاتھ سے لیا اور چیک بک پر سائن کیے، چیک پھاڑا اور اجالا کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ لیجئے، یہ پورے چار لاکھ روپے کا چیک ہے آئی تھینک اب آپ کو اتنی گرمی میں رمضان میں ڈونیشن کے لئے بھاگ دوڑ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔" سعدان پیرزادہ نے چیک اس کے ہاتھ میں تھما کر مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑا ہو گیا، وہ دونوں حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں، انہیں اس سے پچاس ساٹھ ہزار روپے ملنے کی امید تو تھی لیکن پورے چار لاکھ ملنے کی تو سوچ بھی نہ تھی۔

"رئیلی، آپ صحیح کہہ رہے ہیں آپ نے تو سارا مسئلہ ہی حل کر دیا اب کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو ڈونیشن یا سامان ضرورت سے زیادہ ہوا تو ہم وہ کسی اور غریب کے گھر دے کر اسے بھی خوشی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔" کنزی نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل اور آئندہ بھی اگر چیرٹی کاز میں میری ضرورت محسوس ہو تو آپ مجھے کال کر سکتی ہیں مجھے خوشی ہو گی آپ کے ہمراہ یہ نیک کام کرنے میں یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے اس پر دیئے گئے فون نمبرز پر آپ دونوں مجھ سے کانٹیکٹ کر سکتی ہیں۔" سعدان پیرزادہ نے اجالا کو خاموش دیکھتے ہوئے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا تو وہ چونک گئی اور کارڈ لے کر بولی۔

"جی بہت بہت شکریہ، آپ نے بہت نیکی کا کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیک عمل کا اجر ضرور دیں گے۔"

"انشاء اللہ تعالیٰ، مجھے اس بات پر پورا یقین ہے۔" سعدان پیرزادہ کا جملہ لہجہ اور نگاہ کا زاویہ معنی خیز تھا، اجالا تو بس خوشی سے چیک کو دیکھے جا رہی تھی اس کے لہجے کی گہرائی اور معنی خیزی کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

"تھینک یو سعدان بھائی، یو آر رئیلی گریٹ، آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا میں نے آپ کو بھائی کہا؟" کنزی نے پرجوش لہجے میں کہتے

ہوئے اجالا نے احساس ہونے پر استفسار کیا۔

"بالکل نہیں بس خوش رہیے۔" یہ کہہ کر وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھنے سے پہلے اجالا کو چیک پر نظریں مرکوز کیے دیکھ کر بولا۔

"مس اجالا! اطمینان رکھیے یہ چیک کیش ضرور ہوگا۔"

"جی۔" اجالا خجل سی ہو گئی وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

"امیزنگ یار، ایسی لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں۔" کنزی مارے خوشی کے اجالا کو دیکھتے ہوئے مسکراتے لہجے میں بولی۔

"ایسے لوگ ہوتے ہیں جبھی تو انسان کا انسان پر اور نیکی پر یقین برقرار رہتا ہے۔" اجالا مسکراتے ہوئے بولی۔

"رائیٹ۔" وہ ہنس دی۔

چیک کیش بھی ہو گیا اور رقم صائمہ آنٹی تک بھی پہنچ گئی۔ شادی کے تمام انتظامات کے ساتھ ساتھ عید کے لئے بھی ان کی شاپنگ کروا دی گئی، گھر میں مہینے بھر کا راشن بھی ڈلوا دیا تھا۔

پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے اپنی نگرانی میں سب انتظامات کرائے تھے، صائمہ آنٹی ان سب کو بھیگتی آنکھوں سے دعائیں دے رہی تھیں، سعدان پیرزادہ کے بارے میں اجالا نے انہیں بتایا تھا اور وہ بھی اس کے اس نیک عمل پر اس کے گرویدہ ہو گئے تھے اور اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی انہوں نے اور ان کی خواہش اللہ نے اتنی جلدی پوری کر دی تھی کہ وہ ہی نہیں خود اجالا بھی حیران اور قدرے پریشان ہو گئی تھی، سعدان پیرزادہ اور فیضان پیرزادہ کو اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے دیکھ کر۔

"السلام علیکم!" عظیم بیگ چغتائی نے فیضان پیرزادہ اور سعدان پیرزادہ کو قدرے حیرت اور پہچاننے والے انداز میں دیکھتے ہوئے سلام کیا تو وہ دونوں کھڑے ہوگئے۔

"وعلیکم السلام عظیم صاحب، خیریت سے ہیں آپ کیسے مزاج ہیں؟" فیضان پیرزادہ کی شخصیت بہت گریس فل تھی، پینٹ شرٹ میں ملبوس خاصے ڈیشنگ لگ رہے تھے، سعدان پیرزادہ تو تھا ہی خوبرو وہ اجالا کو ایک بار پھر حیرت میں ڈال کر مسکرا رہا تھا۔

"الحمدللہ جناب میں بالکل خیریت سے آپ فرمائیے کیسے مزاج ہیں اگر میں پہچاننے میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ فیضان پیرزادہ ہیں پنجاب یونیورسٹی کے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے فیضی۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے گرمجوشی سے فیضان پیرزادہ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا تو وہ دونوں باپ بیٹا حیران ہو کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"ابو! یہ تو وہی ہیں جنہوں نے ہمیں ڈونیشن دیا تھا سعدان پیرزادہ یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟" اجالا نے پروفیسر عظیم بیگ چغتائی کے قریب ہو کر کان کے قریب منہ کر کے آہستگی سے کہا تو انہوں نے سعدان پیرزادہ کی طرف دیکھا۔

"آپ نے درست پہچانا مجھے لیکن میں کیوں نہیں پہچان پا رہا؟" فیضان پیرزادہ دونوں ہاتھوں سے ان کا ہاتھ تھامے کھڑے حیرت سے گویا ہوئے۔

"اردو ڈرامیٹک سوسائٹی کے ہیر رانجھا اور رومیو جیولیٹ کے اسٹیج ڈرامے یاد کیجئے، رومیو کا اسکرپٹ اس خاکسار نے آپ کے لئے تحریر کیا تھا اور آپ کو اس ڈرامے پر بیسٹ ایکٹر اور مابدولت کو بیسٹ رائٹر کا ڈائریکٹر کا انعام ملا تھا۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے انہیں دیکھتے ہوئے

یاد دلایا تو جیسے بجلی کا کوندا سا لپکا تھا اور ماضی کے کئی منظر ان کی نگاہوں کے سامنے گھومنا شروع ہو گئے تھے۔

''او مائی گاڈ! عظیم بیگ چغتائی یہ تم ہو آئی ڈونٹ بلیو دس، ارے گلے ملو یار پچیس چھبیس برس کے بعد ہم اس طرح اچانک مل رہے ہیں آئی ایم سو ہیپی۔'' فیضان پیرزادہ خوشی اور جوش سے معمور لہجے میں بولتے ہوئے ان کے گلے لگ گئے وہ ہنسنے لگے۔

''اتفاقات، معجزات اسی طرح ہوا کرتے ہیں پیرزادہ صاحب!''

''درست فرمایا آپ نے آج ہم اپنے بچوں کے حوالے سے ملنے آئے تھے اور ہمارا پرانا حوالہ سامنے آ گیا۔'' فیضان پیرزادہ مسکراتے ہوئے ان سے الگ ہو کر بولے۔

''صد شکر کہ یہ پرانا حوالہ خوشگوار ہے خدانخواستہ اگر ناخوشگوار ہوتا تو ہم کیا کر لیتے؟'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے مسکراتے ہوئے کہا تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، سعد پیرزادہ اور اجالا خود کو ان کے درمیان میں فٹ محسوس کر رہے تھے، اجالا اندر کمرے میں جانے لگی تو پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے اسے روک کر کہا۔

''اجالا بیٹی! اپنے انکل کے لئے بہت عمدہ اور مزیدار سی افطاری کا اہتمام کیجئے۔''

''صرف انکل کے لئے؟ انکل کے بیٹے کو تو کوئی لفٹ ہی نہیں کرائی عظیم انکل آپ نے دس ناٹ فیئر میں بھی آپ کے گھر مہمان آیا ہوں۔'' سعدان پیرزادہ نے بے تکلفی سے شکوہ کیا تو وہ خجل سے ہو گئے پھر ہنس کر اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولے۔

''معاف کرنا بیٹے! پرانے یونیورسٹی فیلو اور دوست کو اتنے برس بعد اچانک سامنے دیکھ کر یہ خیال ہی نہیں رہا کے دوست کا خوبصورت اور ہینڈسم سا بیٹا بھی ساتھ میں کھڑا ہے۔''

''السلام علیکم انکل!'' سعدان پیرزادہ نے بھی فوراً سلام کر دیا اور انہوں نے ''وعلیکم السلام!'' کہتے ہوئے اسے گلے لگا لیا اور پھر انہوں نے سب کے ساتھ پر تکلف افطاری کی، جب وہ دونوں جانے لگے تو فیضان پیرزادہ نے اجالا کے ہاتھ میں ہزار ہزار کے نئے نوٹوں کی موٹی سی گڈی دے دی۔

''انکل! یہ کیا ہے؟'' اجالا نے تحیر آمیز نظروں سے ان کو دیکھا۔

''یہ ڈونیشن ہرگز نہیں ہے، یہ آپ کے لئے ہمارا پیار ہے، تحفہ ہے، پہلی بار اپنی بیٹی کے گھر آئے ہیں تو خالی ہاتھ کیسے آ جاتے؟'' فیضان پیرزادہ نے اس کے سر دست شفقت رکھ کر شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

''لیکن بھائی صاحب! یہ بہت زیادہ ہیں۔'' غزالہ عظیم نے کہا۔

''بھابھی! پیار زیادہ ہی اچھا لگتا ہے خاص کر باپ جیسے انکل کا پیار اپنی بھتیجی کے لئے زیادہ ہی ہونا چاہیے آپ مجھے اجالا کا تایا سمجھ لیجئے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''فیضی یار! یہ ٹھیک نہیں ہے اتنا بوجھ مت ڈالو ہم پر۔'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے الجھن آمیز لہجے میں درخواست کی۔

''پیار، محبت، دوستی بوجھ ہے کیا؟ چلو ایسا کرو اسے شگن سمجھ کر قبول کر لو اگر ''ہاں'' کرو گے تو مجھے دلی خوشی ہو گی اور نہ کرو گے تو یہ میری طرف سے اجالا بیٹی کے لئے عید کا تحفہ سمجھ لینا اور تحفے کی قیمت نہیں دیکھی جاتی دینے والے کا خلوص اور پیار دیکھا جاتا ہے۔'' فیضان پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے کہا، اجالا ہونق بنی ان کی

باتیں سن رہی تھی اور "شلن" "ہاں" "ناں"
جیسے لفظوں میں الجھ رہی تھی، سعدان پیرزادہ کن
اکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا، مسکرا رہا تھا، اس کی
حیرت پر مسرور ہو رہا تھا۔
"ٹھیک ہے جیسے آپ کی خوشی۔" پروفیسر
عظیم بیگ چغتائی کو ان کی بات مانتے ہی بنی،
ہنسی خوشی وہ باپ بیٹا ان کے ہاں سے رخصت
ہوئے تھے۔

☆☆☆

"میں نے کہا تھا نا کہ پروفیسر صاحب کے
ہاں خاندان برادری سے باہر شادی نہیں کرتے
بیٹیوں کی بیٹوں کے لئے تو شاید کچھ سوچ بھی
لیتے ہیں لیکن بیٹیوں کو غیر خاندان میں نہیں
بیاہتے۔" زین نے سعدان پیرزادہ کی بات سن
کر کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔
"ہاں لیکن یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے
پروفیسر صاحب روشن خیال اور سلجھے ہوئے ذہن
کے انسان ہیں وہ یقیناً میرے پروپوزل پر غور
کریں گے اور مجھے میرے اللہ پر یقین ہے وہ
میری دعا اور دل کی خوشی ضرور پوری کرے گا۔"
"انشاء اللہ تعالیٰ۔" زین مسکراتے ہوئے
بولا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆

"لڑکا تو بہت اچھا ہے ماشاء اللہ، نیک
سیرت، درد مند دل رکھنے والا اچھی فیملی سے ہے
ہمیں انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ
کر فیصلہ لینا چاہیے، اتنے اچھے رشتے قسمت
سے ملتے ہیں۔" غزالہ عظیم نے پروفیسر عظیم بیگ
چغتائی کو دیکھتے ہوئے ان سے سعدان پیرزادہ
کے رشتے کی بابت کہا۔
"ہاں لیکن آپ کو ہمارے بھائی بھابھی کا تو
پتا ہی ہے وہ تو آج تک آپ کو دل سے اس
خاندان کا فرد نہیں قبول کر سکے، حالانکہ آپ
برادری کی تو تھیں اور اماں جان کی پسند بھی تھیں،
وہ تو خاندان سے باہر نکلنے کو بھی گناہ سمجھتے ہیں۔"
پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے انہیں دیکھتے ہوئے
سنجیدگی سے کہا۔
"وہ سمجھتے ہیں نا، باقی خاندان پر نظر
دوڑائیں آپ خالہ نسیماں نے اپنی بیٹی خاندان
سے باہر بیاہی ہے پچھلے سال کیونکہ ان کی بیٹی
کے جوڑ کا رشتہ خاندان میں تھا نہیں اور جو تھے
انہوں نے ان کی بیٹی کو پسند نہیں کیا تیس برس کی
عمر میں خالہ نسیماں کو بیٹی کی شادی خاندان سے
باہر کرنا پڑی نا؟ آخر وہ کب تک جوان بیٹی کو گھر
بٹھائے رکھتیں اور اب ماشاء اللہ دو ماہ پہلے اس
کے بیٹا ہوا ہے وہ اپنے گھر میں بہت خوش ہے اگر
وہ بھی خاندان والوں کی راہ دیکھتی رہتی تو ان
خوشیوں سے محروم رہ جاتی، صحیح وقت پر صحیح فیصلہ
لینا ہی عقلمندی ہے۔" غزالہ عظیم نے سنجیدہ مگر
اپنے مخصوص دھیمے نرم لہجے میں انہیں یاد دلاتے
ہوئے سمجھایا، تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔
"آپ کی بات سے سو فیصد متفق ہوں میں
لیکن مجھے لگتا ہے کہ بھائی صاحب اپنے بیٹے وسیم
کے لئے ہماری اجالا کا ہاتھ مانگنے میں دلچسپی
رکھتے ہیں اگر ایسا ہو جائے تو کیا حرج ہے ہمارا
رشتہ مزید مضبوط ہو جائے گا۔"
"عظیم! پرانے رشتوں کی مضبوطی کے لئے
نئے رشتے جوڑنے کے تجربے نہیں کیے جاتے
بلکہ پرانے رشتوں کی مضبوطی پر یقین اور مان
ہونے پر نئے رشتے استوار کیے جاتے ہیں اور
رہی بات وسیم کی تو وہ مجھے اجالا کے مزاج سے
مختلف لگا ہمیشہ انگلش میں ماسٹرز کرنے کے بعد
ایک سرکاری اسکول میں ماسٹر لگے ہیں برخوردار
لیکن مزاج میں اکھڑ پن اور ضد بدرجہ اتم موجود

ہے اور آپ ذرا مجھے یہ بتایئے کہ آپ کے بھائی بھاوج نے مجھے تو آج دل سے قبول بھی نہیں کیا تو وہ میری اجالا کو دل سے قبول کرلیں گے؟ اسے وہ خوشی عزت اور مان دیں گے جو ایک من چاہی بیوی، بہو اور بھتیجی کو ملنا چاہیے؟'' غزالہ عظیم نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں انہیں صورتحال سمجھاتے ہوئے ان سے سوال کیا، تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''آپ کی رائے میرے لئے بہت اہم ہے آپ فکر مت کیجئے میں اپنی اجالا کے لئے کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا، مجھے بھی میری بیٹی کی خوشیاں بہت عزیز ہیں، آپ اطمینان سے سو جائیں صبح سحری کے لئے بھی جاگنا ہے، اس مبارک مہینے کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ ہماری بیٹی کے لئے جو بھی ہوگا بہت اچھا ہوگا۔''

''انشاء اللہ۔'' غزالہ عظیم بھی ہلکا سا مسکرا دیں۔

☆☆☆

''کیا کہہ رہی ہو اجالا! وہ سعدان پیرزادہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے واؤ دیٹس گریٹ مجھے تو وہ بہت پسند آیا تھا کتنی نیک نیتی سے ہمارا مسئلہ حل کر دیا نا، اب وہ تمہاری محبت کا اسیر بھی تھا یا خالص نیکی کا خیال تھا بہر حال بندہ بہت شاندار ہے پھوپا جی کو چاہیے کے فوراً ہاں کر دیں اس رشتے کے لئے۔'' کنزی کو اجالا نے فون کرکے بتایا اس رشتے کے بارے میں تو وہ سنتے ہی پرجوش اور خوشگوار لہجے میں بولی۔

''اچھا مجھے اتنی حیرت اور پریشانی ہو رہی ہے سعدان پیرزادہ کے اس عمل سے اور تم خوش ہو رہی ہو۔'' اجالا نے پریشان لہجے میں کہا تو وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔

''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے سعدان پیرزادہ کو تم پسند آ گئیں اور انہوں نے شریفانہ اور مشرقی، روایتی طریقے سے تمہارے گھر اپنا رشتہ بھیجا ہے اس میں کیا برا ہے، عام لڑکوں کی طرح انہوں نے تمہیں خود سے نہ تو پروپوز کیا ہے نہ ہی پیار اور پسندیدگی کا اظہار کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہایت شریف اور سلجھے ہوئے مہذب شخص ہیں اور کیا چاہیے ہوتا ہے ایک لڑکی کو، ہر لحاظ سے بہترین ہیں سعدان بھائی تمہارے لئے۔''

''خیر چھوڑو امی ابو ہیں ناں یہ ٹینشن لینے کے لئے کوئی اور بات کرو فرحت کے بارے میں تم کچھ بتانا چاہ رہی تھیں ناں؟ کیا بات تھی؟'' اجالا نے موضوع گفتگو بدلتے ہوئے کہا تو سنجیدگی سے بولی۔

''پہلے وعدہ کرو کسی بات پر غصہ نہیں کرو گی کیونکہ وہ تمہاری تایا زاد بہن ہے اور اس کی حرکتیں اور باتیں ایسی ہیں کہ کبھی بھی وہ تمہاری طرح کزن شو نہیں کرتیں۔''

''اب اصل مدعے پر آؤ گی یا تمہید ہی باندھتی رہو گی؟'' اجالا نے تیزی سے کہا تو وہ بولی۔

''اصل مدعا یہ ہے مائی ڈیئر کزن کہ فرحت صاحبہ کا کسی امجد نامی لڑکے کے ساتھ افیئر چل رہا ہے وہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کا لڑکا ہے اور اول درجے کا فلرٹ ہے فرحت صاحبہ سے پہلے کئی لڑکیوں کو شرف محبت بخش چکا ہے اور بھی بڑی فضول باتیں سنی ہیں اس کے بارے میں۔''

''ہو سکتا ہے کہ یہ سب محض باتیں ہی ہوں حقیقت کچھ بھی نہ ہو سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔'' اجالا نے اس کی باتیں سننے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم میری بات کا یقین نہیں

کرو گی اس لئے میں نے فرحت اور امجد کی تصویریں حاصل کی ہیں تمہیں واٹس ایپ کر دیتی ہوں دیکھ لینا ان تصویروں کو دیکھ کر تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ ان دونوں کی پریم کہانی کتنی آگے تک پہنچ چکی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں امجد ان تصویروں کے ذریعے فرحت کو بلیک میل کر کے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش ضرور کرے گا کیونکہ وہ ایسا ہی گھٹیا ذہن رکھتا ہے۔" کنزی نے سنجیدگی سے ساری بات اس کے گوش گزار کر دی۔

"یہ تو بہت تشویش کی بات ہے کنزی، ہمیں کچھ کرنا چاہیے فرحت کو اس دھوکے باز انسان سے بچانے کے لئے۔" اجالا نے فکرمندی سے کہا، غزالہ عظیم اس کے کمرے کے قریب سے گزر رہی تھیں ادھ کھلے دروازے سے باہر آتی اجالا کی آواز نے ان کے قدم روک لئے۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں اور تمہاری وہ کزن ... ہماری کسی بات کا یقین کیوں کرنے لگی، تمہارے لئے وہ کبھی اچھا نہیں سوچتی تو تمہیں کیا ضرورت ہے اس کے لئے پریشان ہونے کی۔" کنزی نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔

"جو بھی ہے وہ ایک لڑکی ہے اس کی غلط حرکت سے نہ صرف اس کے گھر اور خاندان کی عزت پر داغ لگ سکتا ہے بلکہ اس کی اپنی عزت بھی داؤ پر لگ جائے گی عمر بھر کے لئے روگ لگ جائے گا تم کیوں نہیں سمجھ رہیں، وہ میرے لئے جیسا بھی سوچتی ہے یہ اس کی تربیت اور عمل ہے اس کی سوچ ہے، لیکن میں تربیت اور سوچ مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں فرحت کو گہری کھائی میں گرتے دیکھ کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہوں ہمیں کچھ کرنا ہو گا کنزی، جس سے فرحت کو امجد کی اصلیت بھی معلوم ہو جائے اور اس کی عزت بھی بچ جائے۔" اجالا نے فکرمند اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے کچھ سوچتے ہیں مل کے او کے میں تصویریں سینڈ کرتی ہوں تمہیں، اللہ حافظ۔" کنزی نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

کنزی نے تصویریں واٹس ایپ کر دی تھیں اجالا کو جنہیں دیکھ کر وہ سچ مچ پریشان ہو گئی تھی اور سوچ میں پڑ گئی تھی کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

☆☆☆

نعیم بیگ چغتائی، نصرت بیگ اس وقت عظیم ہاؤس میں موجود تھے، پر تکلف افطار ڈنر کے بعد چائے پیتے ہوئے نعیم بیگ چغتائی نے اجالا کو دیکھ کر عظیم بیگ چغتائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"عظیم! یہ تم نے اپنی بیٹی کو کس کام پر لگا رکھا ہے تمہیں باپ دادا کی اپنے خاندان کی عزت کا کچھ خیال ہے کہ نہیں؟"

"میں سمجھا نہیں بھائی نہیں بھائی صاحب! آپ کیا بات کر رہے ہیں؟" عظیم بیگ چغتائی نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا، غزالہ عظیم، اجالا اور ان کے بیٹے عبید عظیم اور فرخ عظیم بھی ان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"جب سارا شہر بات کرے گا تب سمجھو گے کیا؟ تم تو خود بہت نامور اور اعلیٰ پائے کے پروفیسر ہو پھر یہ کیا تربیت دی ہے تم نے اپنی بیٹی کو کہ یونیورسٹی کیا اور گلی محلہ کیا کشکول لئے بھیک مانگتی پھر رہی ہے۔" نعیم بیگ چغتائی نے نہایت سخت اور ناروا لہجے میں کہا تو ان سب کو شدید غصہ آنے لگا مگر ضبط کا دامن تھامے رہے۔

"تایا جان! ہمارے ماں باپ کی تربیت

ہے ہمارے اہم جیسی اخلاقیات کا ... مت دیکھیے ہماری اجالا کوئی ایسا کام نہیں کرسکتی جس سے باپ دادا کے نام اور خاندان پر کوئی انگلی اٹھائے یا کوئی حرف آئے۔" فرخ بھائی نے بہت تحمل سے انہیں جواب دیا۔

"بیٹا! تمہاری بہن ہے نا، تمہیں اس کی غلطیاں کہاں دکھائی دیں گی؟" نصرت بیگ بولیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں تائی جان، آپ اپنی آنکھوں کا شہتیر کسی کو نظر نہیں آتا اور دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی دکھ جاتا ہے چبھ جاتا ہے۔" عبید بھائی نے بھی بہت طریقے سے بات کی تھی جس پر چوری بن گئیں۔

"عبید میاں! میں تمہارے باپ سے بات کررہا ہوں تم لوگ ذرا خاموش رہو۔" نعیم بیگ چغتائی نے عبید بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تایا جان! آپ بات کیجئے لیکن ہماری بہن کے بارے میں غلط بات مت کیجئے۔" عبید بھائی سنجیدگی سے بولے، پروفیسر عظیم بیگ چغتائی ان سب کی باتیں توجہ سے سن رہے تھے، اجالا پریشان سی سب کو دیکھ رہی تھی۔

"بیٹا! غلط باتیں لوگ کررہے ہیں زبانیں روک لوگے ان کی؟"

"آپ کے علاوہ کون لوگ کررہے ہیں غلط باتیں نام بتائیں ہمیں کسی ایک دو کا نام ہی بتا دیں؟" فرخ بھائی بولے۔

"مجھے عظیم سے بات کرنے دو۔" وہ سٹپٹا کر بولے۔

"ضرور۔" فرخ بھائی ضبط کرتے ہوئے بولے۔

"اجالا یونیورسٹی میں کیا کرتی پھر رہی ہے، چندہ جمع کررہی ہے صدقہ خیرات اکٹھا کررہی ہے مجھے بتاؤ اتنا برا وقت آگیا ہے کہ تم نے بیٹی کو چندہ اکٹھا کرنے پر لگا دیا۔" نعیم بیگ چغتائی نے درشت لہجے میں کہا۔

"بھائی صاحب! آپ میرے بڑے ہیں اس لئے میں نے آپ کے سخت اور نامناسب الفاظ برداشت کرلئے ہیں آپ کو یقیناً کسی نے مس گائیڈ کیا ہے غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو میری بیٹی میرا فخر ہے، مان ہے اور اجالا چندہ اکٹھا کر رہی تھی اپنے یونیورسٹی فیلوز اور فرینڈز کے ساتھ مل کر محلے کی ایک بیوہ خاتون کی بیٹی کی شادی کا بندوبست کررہے تھے اور یہ ایک نیک عمل ہے کسی کی مدد کرنا ہمارا اخلاقی، اسلامی اور معاشرتی فرض ہے، ہمارے اللہ نے بھی مستحق افراد کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ مہینہ تو ویسے بھی رحمتوں، برکتوں کا مہینہ ہے، نیکیاں کمانے کا مہینہ ہے اگر میری بیٹی ایسا نیک کام کررہی ہے تو آپ کو بھی اس نیکی کے کام میں اپنا حصہ ڈالنا چاہیے، ان فیکٹ آپ کو تو چاہیے تھا کہ آپ اپنی بھتیجی کو سپورٹ کرتے اسے کچھ اور نہ سہی تعریف کے دو جملے ہی بول دیتے الٹا آپ تو میری بیٹی کو برا بھلا کہنے چلے آئے، یہ جو کچھ کرتی ہے مجھے بتا کر میری تربیت ایسی نہیں ہے کہ میری بیٹی میری عزت داؤ پر لگانے والے کام کرے، ہم سب گھر والوں نے محلے والوں نے مل کر اس بیوہ خاتون کی بچی کے لئے اور ایک اور یتیم بچے کے لئے مل کر ڈونیشن جمع کیا ہے اور ہمیں اس کام میں کوئی شرمندگی نہیں ہے بلکہ خوشی ہے کہ ہم کسی کے کچھ کام آسکے۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے دھیمے مگر نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"دیکھو عظیم میاں! تمہیں شوق ہے نیکی کمانے کا تم ضرور کماؤ، مگر اپنی بیٹی کو ان چکروں

سے دور رکھو غضب خدا کا اجالا کو کوئی شرم احساس ہی نہیں ہے کہ ہر لڑکے لڑکی کے سامنے اپنے ٹیچروں کے سامنے آئے گئے مہمانوں کے سامنے چندے کی ٹوکری اٹھائے پھرتی ہے، حد ہوتی ہے لڑکی ہو کر اسے یہ کام زیب دیتا ہے کیا، کل کو شادی بھی ہو گی اس کی تو یہی حرکتیں سسرال میں ناک کٹوائیں گی اس کی۔'' نصرت بیگ نے تلخ اور طنزیہ لہجے میں کہا تو غزالہ عظیم ہی نہیں وہ سب بھنا گئے، اجالا اٹھ کر چلی گئی۔

''بھابھی! آپ نے شاید میری بات غور سے سنی نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے ابھی اور میں ایسے سسرال میں اپنی بیٹی کو ہرگز نہیں بیاہوں گا جہاں اس کی یہ خوبی اس کی خامی اور غلطی شمار کی جائے، نیکی کرنا کب سے جرم یا گناہ ہو گیا بھابھی؟ اگر سب لوگ آپ دونوں کی طرح سوچنے لگیں تو نیکی کرنے والے تو بد دل ہو کر ہاتھ کھینچ لیں، آپ نیکی نہیں کر سکتے تو نیکی کرنے والوں کو تو غلط مت سمجھیں۔'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ نخوت سے منہ پھیر گئیں، وہ سب پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

''عظیم میاں! ہم کہہ رہے ہیں تو تمہیں برا لگ رہا ہے دنیا نیکی کے پیچھے بھی ہزار مطلب ڈھونڈ لیتی ہے، سو سو باتیں بناتی ہیں، ہم نے تو سوچا تھا کہ اپنے وسیم کے لئے تمہاری اجالا کا ہاتھ مانگ لیں گے مگر نہ بھئی ہم لوگوں کی باتیں نہیں سن سکتے، اجالا کو اپنے گھر کی بہو بنا کر گھر میں اندھیرا تھوڑی کرنا ہے ہمیں یونیورسٹی میں لڑکے کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں اجالا کے بارے میں ہمیں سب خبر ہے۔'' نعیم بیگ چغتائی سفاکی سے بولے تو غزالہ عظیم نے بھی چپ کا قفل توڑ ڈالا اور سپاٹ لہجے میں بولیں۔

''یونیورسٹی میں فرحت کے بارے میں لڑکے کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں ہمیں بھی اس کی سب خبر ہے اور لڑکے ہی کیا لڑکیاں بھی باتیں بناتی ہیں یہ نہیں بتایا آپ کو فرحت نے، یا لوگوں نے جو آپ کو اجالا کے ڈونیشن اکٹھا کرنے کی نیکی کو غلطی بتانے چلے آئے ہیں۔''

''لو غزالہ! اب تم الزام تراشی کر رہی ہو ہم نے تمہاری بیٹی کی غلطی کی نشاندہی کر دی تو تم الٹا ہماری بیٹی پر الزام دھرنے لگیں یہ سوچ لو خاندان میں وسیم ہی ہے جو تمہاری بیٹی کے ہم پلہ ہے ہم تو اپنے ہیں اپنا خون ہیں ہزار عیب ڈھانپ لیں گے بیاہ لیں گے اجالا کو اپنے بیٹے کے ساتھ اور جو ہم نے انکار کر دیا تو خاندان میں اچھا رشتہ کہیں نہیں ملنے کا تمہیں اپنی بیٹی کے لئے پھر بٹھائے رکھنا اسے ساری زندگی اپنے گھر میں۔'' نصرت بیگ نے سخت سپاٹ اور بدلحاظ لہجے میں کہا۔

''سچ کڑوا ہوتا ہے بھابھی، ہم نہیں بتائیں گے تو دنیا ضرور آپ کو بتائے گی کہ فرحت آپ کی بیٹی یونیورسٹی میں کیا گل کھلا رہی ہے، رہی بات میری بیٹی اجالا کی تو اس کے لئے رشتوں کی کمی نہیں ہے ابھی بھی کئی اچھے رشتے موجود ہیں اس کے لئے، ہم تو صرف آپ لوگوں کی خواہش کو محسوس کر کے ابھی تک خاموش ہیں ورنہ کب کا اجالا کا رشتہ طے کر دیا ہوتا ہم نے۔'' غزالہ عظیم نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں تو اب کر دو رشتہ ہم بھی تو دیکھیں کون سا شہزادہ گلفام ڈھونڈتی ہو تم اپنی بیٹی کے لئے، ہم تو اپنے وسیم کے لئے بہت اچھی لڑکی لائیں گے۔'' نصرت بیگ کا لہجہ اور انداز تضحیک آمیز تھا۔

''آپ انسلٹ کر رہی ہیں ہماری بیٹی کی، ہمیں بھی آپ کے بیٹے سے اپنی بیٹی بیاہنے کا

کوئی شوق نہیں ہے اور ہم ایسے گھر اور خاندان میں ہرگز اپنی بیٹی نہیں بیاہیں گے جن کو ان کی اچھائی میں برائی اور نیکی میں بدی دکھائی دیتی ہو، آنکھوں کے کانے اور عقل کے اندھے نہیں ہوتے سب، سب کو دکھائی دیتا ہے کہ کون غلط کر رہا ہے؟" غزالہ عظیم نے بہت تحمل بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا آپ سے کہ یہ شرمندہ ہونے کی بجائے ہمیں آئینہ دکھانے لگیں گے وہی ہوا نا؟" نصرت بیگ نے شوہر کو دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"اپنی غلطی کون مانتا ہے؟" نعیم بیگ چغتائی نے بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولے۔

"درست فرمایا آپ نے۔"

"نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔" نصرت بیگ حقارت سے بولیں۔

"بھابھی! نیکی، بدی کی تمیز نہیں رہی لوگوں میں آج کل ہر انسان کو اپنا عمل درست اور نیکی لگتا ہے اور دوسرے کا عمل غلط اور بدی محسوس ہوتا ہے، سوچ کے انداز اور معیار بدل گئے ہیں ورنہ زمانہ تو ہمیشہ نیکی کا متلاشی رہا ہے۔" عظیم بیگ چغتائی نے مسکرا کر سنجیدہ نرم لہجے میں کہا۔

"جو بھی ہے ہمارا کام تھا تمہیں تمہاری بے وقوفی سے آگاہ کرنا اب آگے تمہاری مرضی ہے بیٹی کو سر پہ چڑھا کے سر میں خاک ڈلوا لو یا سر کا تاج بنا لو، اس کے رشتے کے سلسلے میں ہم سے کوئی امید نہ رکھنا۔" نعیم بیگ چغتائی نے بدلحاظی کی حد کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں آپ سے پہلے بھی کوئی امید نہیں تھی بھائی صاحب، بس آپ کی خواہش کا احترام تھا، آپ نے آپ ہی آپ یہ سوچ لیا اور اس طرح

ہمیں جو بھی بتایا ہے مجھے بہت دکھ محسوس ہو رہا ہے آپ میرے بڑے بھائی ہیں آپ اتنے چھوٹے پن کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں، اتنے تنگ دل کیسے ہو سکتے ہیں، جب ہم نے اجالا کے لئے آپ کے وسیم کا رشتہ نہیں مانگا تو آپ کا یہ رشتہ دینے سے انکار کرنے کی کوئی وجہ، کوئی جواز، کوئی تک ہی نہیں بنتی، الحمدللہ میں اچھی بیٹی کا باپ ہوں، نیک سیرت بیٹی ہے میری اور اللہ کے فضل کرم سے اسے اچھے انسان کی شریک حیات ہی بناؤں گا پھر وہ اس خاندان، برادری سے باہر کا ہی کیوں نہ ہو میں اپنی اجالا کو بیاہ دوں گا، لہٰذا آپ لوگ یہ بات بھی مت سوچئے گا کہ میں آپ سے اپنی بیٹی کے رشتے کی بھیک مانگوں گا، آپ کے یک طرفہ انکار اور اس تذلیل کے بعد تو کبھی بھی میں اپنی اجالا کو آپ کی بہو نہیں بناؤں گا، اللہ کا حکم ہے نیک شریف خاندان اور لڑکا دیکھ کر شادی کرنے کا، تو میں بھی کوئی نیک شریف اور سلجھا ہوا لڑکا پسند کروں گا اپنی بیٹی کے لئے، یہ خاندان ذات برادری کی پابندیاں ہماری خود ساختہ ہیں، مسلمان ہو، نیک شریف ہو، محنت کر کے کمانا جانتا ہو لڑکا یہ زیادہ ضروری ہے۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے نہایت نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"خاندان، برادری سے باہر بیٹی بیاہو گے تو ہم سے بھی جاؤ گے۔" نعیم بیگ چغتائی نے دھمکایا ڈرایا۔

"آپ نے آ کر جو بھی باتیں کہی ہیں اس کے بعد مجھے آپ کے مجھ سے تعلق ختم کرنے کا افسوس ضرور ہوگا وہ بھی صرف اس لئے کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی نظروں میں خود کو چھوٹا کر دیا، میں کسی سے رشتہ نہیں توڑوں گا بھائی صاحب، آپ کی مرضی آپ جو بھی فیصلہ کریں مگر میری خواہش ہے کہ جب میری بیٹی

دلہن بن کر اس گھر سے رخصت ہو تو آپ اس کے تایا جان کی حیثیت سے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر اسے اپنی دعاؤں میں رخصت کریں۔'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے نرمی اور سنجیدگی سے جواب دیا۔

''پروفیسر ہو نا، باتوں کی مار مارنا خوب جانتے ہو۔'' نعیم بیگ چغتائی سے جب جواب نہ بن پڑا تو اتنا ہی کہا۔

''نہیں بھائی صاحب، باتوں کی مار تو آج آپ نے ماری ہے ہمیں لیکن ہم آپ کو اپنا بڑا سمجھ کر درگزر کرتے ہیں۔'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے مسکرا کر کہا۔

''بڑا احسان ہے تمہارا، چلئے جی یہاں مزید رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے یہ خود ہی بہت عالم فاضل ہیں انہیں سب سمجھ ہے۔'' نصرت بیگ نے اٹھ کر شوہر کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ اٹھ کر پروفیسر عظیم بیگ کو دیکھتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

''اور ہاں مجھے انتظار رہے گا اجالا کی شادی کے دعوت نامے کا۔'' نصرت بیگ نے جاتے جاتے غزالہ عظیم کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئیں۔

''سنا آپ نے؟'' غزالہ عظیم نے شوہر کو ناراض نظروں سے دیکھا، تو وہ مسکرا کر سر ہلا کر بولے۔

''ہوں، سب سنا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے۔''

''ابو! اجالا کی شادی سعدان پیرزادہ سے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے انہیں بھی تو پتا چلنا چاہیے نا کہ ہماری بہن کے لئے اچھے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔'' فرخ بھائی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو عبید بھائی ... ان کی تائید کی۔

''جی بالکل۔''

''جلدی بازی اور جذباتی پن میں رشتے طے نہیں کیے جاتے ہم سب ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر فیصلہ کریں گے ابھی آپ سب سونے کی تیاری کریں سحری میں آنکھ نہیں کھلے گی اور ہاں اپنی بیگمات کو بھی عید سے پہلے گھر لے آئیں آپ دونوں عید اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہے۔'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا دو سال پہلے عبید اور فرخ بھائی کی شادیاں اکٹھی ہوئی تھیں، دونوں کی بیویاں سگی بہنیں تھیں، آپس میں اتفاق بھی تھا، دونوں کے ایک ایک بیٹا تھا اور وہ ان کی اکلوتی پھپھو کی اولاد تھیں، پھپھو عظیم کو بیٹوں کی طرح چاہتی تھیں، بہت سلجھی ہوئی سلیقہ شعار خاتون تھیں یہی وجہ تھی کہ ان کی دونوں بیٹیاں فریحہ اور مدیحہ بھی ماں ہی کا عکس تھیں، محبت اور خدمت سے گھر اور رشتوں کو جوڑ کر رکھنے والی، فرخ اور عبید بھائی بھی اپنی اپنی بیوی سے خوش تھے۔

☆☆☆

''حد ہوتی ہے برداشت کی بھی تم لوگ کیوں نعیم انکل اور ان کی بیوی کی اتنی فضول بکواس سنتے ہو، یہ تو وہی بات ہوگئی ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔'' اجالا نے کنزی کو ساری بات بتائی تھی چونکہ وہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی، اس لئے وہ اس سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی، وہ سنتے ہی غصے سے بھڑک کر بولی تھی۔

''غصے میں محاورے بھی غلط اور بے محل بولتی ہو تم، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کہنا چاہ رہی تھیں غالباً آپ؟'' اجالا نے ہنس کر کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''ہاں وہی جو بھی ہے مگر سات توپوں کی سلامی ہے تمہیں اور پھپھو پاپا جی کو کہ ان کی

فضول باتیں بلکہ الزام اور کردار کشی کو آرام سے سہہ گئے کمال ہے بھئی، انسان کو اتنا نرم اور میٹھا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ دوسرے نگل جائیں پاؤں تلے مسل جائیں۔"

"صحیح کہہ رہی ہو آج تایا اور تائی جان کا رویہ بہت ہی نا مناسب اور ہتک آمیز تھا، لوگ اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے دوسروں کو ننگا کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں ایسے لوگوں کو قدرت ہی سبق سکھاتی ہے پھر۔" اجالا نے تاسف زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں لیکن ہر معاملے کو قدرت، قسمت پر نہیں چھوڑ دینا چاہیے خود بھی غلط باتوں پر اسٹینڈ لے لینا چاہیے۔" کنزی نے غصے بھرے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں دل تو میرا بھی چاہا تھا کہ میں تایا تائی کو سب کچھ بتا دوں پھر یہ سوچ کر خاموش رہی کہ خاندان کی عزت پر بات آئے گی اور ان دونوں کا غرور ٹوٹ جائے گا، ان کا کہا ان کے اپنے منہ پر طمانچہ بن کر لگے گا۔"

"تو لگنا چاہیے نا، وہ کون ہوتے ہیں تمہارے بارے فضول بکواس کرنے والے؟" کنزی بہت پیار کرتی تھی اجالا سے اسی لئے سب جان کر اپنا غصہ کنٹرول نہیں کر پا رہی تھی۔

"وہ میرے تایا جان ہوتے ہیں۔"

"پھر تو انہیں شرم آنی چاہیے اپنی بھتیجی کے بارے میں ایسی فضول گوئی کرتے ہوئے۔" کنزی نے سلگ کر کہا۔

"تم کیوں غصہ کر کے اپنی جان جلا رہی ہو یہ بتاؤ فرحت کو امجد کے چنگل سے کیسے آزاد کرایا جائے؟"

"واہ جی واہ وہ تمہیں کیریکٹر لیس ثابت کرنے پر تلی ہے اور تم اس کی عزت اور کردار [illegible] بچانے کا غم کھائے جا رہی ہو آفرین ہے تم پر۔" کنزی نے چڑ کر غصے سے کہا تو وہ ہنس دی۔

"شکریہ۔"

کنزی، اجالا کے اکلوتے ماموں جمیل احمد کی بڑی بیٹی تھی اس سے سال چھوٹی فاطمہ تھی اور فاطمہ سے سوا سال چھوٹا شرجیل احمد تھا جو ایف ایس سی میں تھا، فاطمہ بی ایس سی کر رہی تھی اور کنزی، اجالا کے ساتھ یونیورسٹی میں تھی، دونوں چونکہ ایک ہی عمر کی تھیں، اسکول، کالج کے یونیورسٹی میں بھی ساتھ تھیں لہٰذا بچپن کی دوستی مزید گہری اور محبت بھری ہو گئی تھی، مامی سفینہ بھی بہت اچھی طبیعت اور مزاج کی مالک تھیں، ان سے بھی بہت اچھے تعلقات تھے اجالا کے سب گھر والوں کے، کنزی ذرا جذباتی اور صاف گو لڑکی تھی، وہ غلط بات بالکل برداشت نہیں کرتی تھی اور اجالا سے تو اسے خاص انس و پیار تھا، اسے کوئی کچھ کہہ دے یا میلی نگاہ سے دیکھ لے تو کنزی جمیل احمد اس کی دھجیاں بکھیرنے کے لئے میدان میں اتر جایا کرتی تھی سو یہ تو کنزی کی برداشت ختم کرنے والی بات ہو گئی تھی اور اسے بے چینی نے گھیر لیا تھا، نعیم بیگ چغتائی اور ان کی فیملی یوں بھی اپنی کم ظرفی اور لئے دیئے رویوں کی وجہ سے اسے کبھی بھی پسند نہیں رہی تھی، اب تو نفرت محسوس ہو رہی تھی کنزی کو ان سب سے وہ خود کو بہت دیر سمجھانے کی کوشش کرتی رہی لیکن دل و دماغ نے ماننے سے انکار کر دیا اور وہ کیل کانٹوں سے لیس ہو کر پہنچ گئی نعیم بیگ چغتائی کے گھر "نعیم ہاؤس" جہاں اتفاق سے وہ دونوں میاں بیوی موجود تھے، فرحت بھی اپنے کمرے میں تھی، نعیم بیگ چغتائی اور نصرت بیگ نے اسے بہت حیرت سے دیکھا تھا، پہچانتے تو بخوبی تھے کہ اجالا کی ماموں زاد ہے۔

''تم یہاں خیریت! اکیلی آئی ہو؟'' نعیم بیگ چغتائی نے اسے دیکھتے ہوئے تحیر آمیز لہجے میں استفسار کیا۔

''جی ہاں میں اکیلی آئی ہوں کیونکہ مجھے کسی سے ڈر نہیں لگتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔'' کنزی نے انہیں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں اجالا کی کزن ہو جیسی بے خوف اور نڈر وہ ہے ویسی ہی منہ پھٹ اور تیز بے دھڑک تم ہو گی، خیر آؤ بیٹھو اور آنے کی وجہ بھی بتا دو کیونکہ پہلے تو تم کبھی ہمارے ہاں نہیں آئیں وہ بھی اکیلی بچوں کی شادیوں میں بھی اماں باوا اور عظیم وغیرہ کے ساتھ ہی آئی تھیں۔'' نصرت بیگ نے اسے بھنویں اچکا کر دیکھتے ہوئے طنزیہ اور تضحیک آمیز لہجے میں کہا، ان کی آنکھوں سے چھلکتی ناگواریت کنزی بخوبی محسوس کر رہی تھی، ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے وہیں برآمدے میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کل آپ دونوں اجالا کے گھر گئے تھے نا، میں اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔''

''اوہ اچھا اب سمجھے عظیم اور غزالہ شرمندگی کے مارے خود تو آ نہیں سکے، یہاں تمہیں معذرتی سفیر بنا کر بھیج دیا ہے سن رہے ہیں وسیم کے ابو، میں نے کہا تھا، ایسے ہی بھرم دکھا رہے ہیں کوئی رشتہ وشتہ نہیں آیا اجالا کا دیکھ لیجئے گا معافی مانگتے، ناک رگڑتے ہمارے دروازے پر ہی آئیں گے وسیم کا رشتہ کرنے کو ہی منتیں کریں گے لیجئے کل کی لڑکی کے ہاتھوں پیغام بھیجا ہے آپ کے بھائی نے۔'' نصرت بیگ نے طنز و تمسخر سے ہنستے ہوئے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا تو کنزی کو ان کی خوش فہمیوں پر ہنسی آنے لگی۔

''چلو اس کی تو سنو کیا پیغام لائی ہے؟'' نعیم بیگ چغتائی نے تخت پر بیٹھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو کنزی ان دونوں کو دیکھ کر ہنس کر بولی۔

''واہ آپ کی خوش فہمیوں کا جواب نہیں ہے ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ''عظیم ہاؤس'' میں کسی کو بھی نہیں معلوم کہ میں یہاں آئی ہوں ہاں البتہ میں یہاں سے جا کر اجالا کو ضرور بتاؤں گی کہ میں آپ کے گھر گئی تھی کیونکہ وہ میری بچپن کی بیسٹ فرینڈ ہے وہ مجھ سے اور میں اس سے کوئی بات نہیں چھپاتی اسی لئے اس نے مجھے بتایا کہ آپ دونوں نے کل رات اس کے گھر جا کر کیا باتیں کیں؟''

''لڑکی! اپنے آنے کی وجہ بیان کرو۔'' نعیم بیگ چغتائی نے سپاٹ لہجے میں کہا، تو وہ بھی چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''آپ دونوں اپنی بھتیجی پر تہمت اور الزام لگا کر اپنے بھائی بھابھی کی تربیت پر انگلی اٹھا کر بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ آپ سے معافی مانگیں گے آپ کے سامنے ناک رگڑیں گے، واہ کیا کہنے ہیں کبھی اپنی بیٹی فرحت کی حرکتوں پر اس کے باکردار پاکیزہ کارناموں پر بھی نظر دوڑا لیا کریں کہ بس دوسروں کی بیٹی کے کردار پر انگلی اٹھانا آتی ہے آپ کو۔''

''اپنی کزن کی حمایت میں بولنا ہے تو ہم نہیں سنیں گے سمجھی۔'' نصرت بیگ نے کڑک دار لہجے میں کہا۔

''نہ سنیں، میں تو آپ کو کچھ دکھانے لائی ہوں کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ دونوں میری بات پر یقین نہیں کریں گے اسی لئے میں ثبوت لے کر آئی ہوں اور یہ ثبوت سچ پر مبنی ہے، آپ یقین کریں نہ کریں وہ آپ کی مرضی۔'' کنزی نے یہ کہتے ہوئے اپنے شولڈر بیگ میں سے ایک

اور فرحت کی تصویروں کے پرنٹ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے، جنہیں دیکھ کر ان دونوں کے رنگ فق ہوگئے۔

''یہ سب کیا ہے؟'' نعیم بیگ چغتائی غصے سے بولے۔

''آپ کی بیٹی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ کتنی خوش نظر آرہی ہے کیوں انکل اپنی بیٹی کو نہیں پہچانتے آپ؟ ہاہاہا، ہاں پہچانتے ہوتے تو اپنے بھائی کی بیٹی پر الزام نہیں دھرتے آپ کی بیٹی اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے آپ کو اجالا کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے مگر یاد رکھیئے برائی ہو یا اچھائی لوٹ کر ضرور آتی ہے اور یہ جو لڑکا ہے نا امجد آپ کی بیٹی کا بوائے فرینڈ یہ کئی لڑکیوں کو برباد کرچکا ہے، ان تصویروں کے ذریعے وہ فرحت کو بھی بلیک میل کرے گا اور اس کی عزت سے کھیلے گا تب آپ کو اندازہ ہوگا کہ باپ دادا کی اور خاندان کی عزت کیسے مٹی ہوتی ہے، تب اگر آپ دونوں کشکول لے کر بھی پھریں گے نا تو کوئی آپ کو بھیک میں بھی عزت نہیں دے گا، اپنی عزت سنبھالنی بہت مشکل ہے انکل جی، پر دوسروں کی عزت اچھالنی بڑی آسان ہے۔'' کنزی نے انہیں شرمندگی اور غصے سے گنگ دیکھتے ہوئے آئینہ دکھایا تھا۔

''کون ہے یہ لڑکا؟ یہ تصویریں جھوٹی بھی تو ہوسکتی ہیں میری بیٹی کو بدنام کرنے کی سازش ہے یہ۔'' نصرت بیگ نے سپاٹ مگر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''آپ کی بیٹی کے اپنے کارنامے ہی کافی ہیں اسے بدنام کرنے کے لئے کسی اور کو سازش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر یہ تصویریں آپ کو جھوٹی لگتی ہیں نا تو میرے پاس ایک ویڈیو پروف بھی ہے کہیں تو وہ دکھاؤں آپ کو؟''

کنزی نے مسکرا کر اپنے موبائل کا لاک اوپن کرتے ہوئے کہا۔

''کیسی ویڈیو؟'' نصرت بیگ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''ایسی ویڈیو جو انٹرنیٹ پر بھی ڈال سکتا ہے امجد اور آپ کی عزت کا جنازہ نکلتے پوری دنیا دیکھ سکتی ہے ایسے۔''

کنزی نے انہیں دیکھتے ہوئے مزید ہراساں و پریشان کردیا، یہ بات بتا کر نعیم بیگ چغتائی تو غصے کے مارے اٹھ کر ٹہلنے لگے چہرہ پسینے سے شرابور ہوگیا تھا۔

''فرحت نے نجانے کیا کیا جھوٹ گھڑ کے سنائے ہوں گے آپ کو اجالا کے بارے میں اور کس انداز سے سنائے ہوں گے اس کا اندازہ مجھے ہوگیا ہے کل کی اجالا کے گھر میں آپ دونوں کی الزام تراشی سے حیرت ہے، آپ دونوں کو اپنی بیٹی کا مزاج نہیں معلوم ہے کہ وہ کیسی ہے؟ کیا کرتی ہے، حالانکہ وہ بھی آپ دونوں کی طرح ہی سوچتی ہے نیگٹو، منفی سوچ ہے دوسروں کے معاملے میں اس کی بھی، پھر بھی آپ کو اسے سمجھنے، پہچاننے میں غلطی ہوگئی تعجب ہے، وہ لڑکا امجد آپ کے خاندان یا برادری کا بھی نہیں ہے کہ آپ اسے گھیر گھار کر فرحت سے شادی کرنے پر مجبور کردیں گے، اسے جان سے ماریں گے یا فرحت کو یا خود خودکشی کریں گے، ہر صورت میں آپ کے گھر اور خاندان کی عزت خاک میں مل جائے گی، اجالا کے چندہ اکٹھا کرنے سے نہیں انکل جی، آپ کی بیٹی کے گندہ عمل کرنے سے ہوگی، خاندان سے باہر بیٹی بیاہنے کے حق میں نہیں تھے نا آپ، دیکھ لیں آپ کی بیٹی نے کیسا اعلیٰ حسب نسب رکھنے والا لڑکا ڈھونڈا ہے اپنے لئے، آپ دونوں کا کہا ہوا ایک ایک لفظ آپ کو واپس مل رہا

سے سود سمیت تیار رہیے۔'' کنزی یہ کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

''سنو! یہ تصویریں تمہارے پاس کہاں سے آئیں؟'' نعیم بیگ چغتائی نے فوراً پوچھا۔

''تصویریں میرے پاس کہاں سے آئیں، یہ بات چھوڑیں اور یہ سوچیں کہ یہ تصویریں کہاں کہاں آپ کی عزت کا اشتہار لگوا سکتی ہیں، اپنی بیٹی کو بلائیں پوچھیں ذرا اس سے کہ اپنے چکر کو چھپانے کے لئے اجالا جیسی معصوم اور نیک سیرت لڑکی کے بارے جھوٹ کیوں بولتی رہی وہ لوگوں سے؟ مجھے یقین ہے وہ اس وقت بھی اپنے بوائے فرینڈ سے ہی گپ شپ کر رہی ہو گی۔'' کنزی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بس بس بہت سن لی ہم نے تمہاری بکواس اب ایک لفظ نہیں۔'' نصرت بیگ تنک کر بولیں۔

''کیوں عظیم بھیا، آپ [illegible] کے گھر میں بولیں تو بھی کوئی کچھ نہ کہے، اپنے گھر میں اپنا گند نظر آ جائے تب بھی آپ مجھے چپ کرائیں ایسا تو ہو گا نہیں نصرت آنٹی، کیونکہ میں ذرا مختلف مزاج کی لڑکی ہوں ہر وقت مصلحت اور صلح پسندی کی چادر نہیں اوڑھ سکتی، مجھے تو یہ باتیں کرتے ہوئے بھی شرم آ رہی تھی کہ آپ بڑے ہیں آپ کے سامنے یہ قصہ میں کیسے سناؤں گی، مگر وہ کہتے ہی نا کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم تو بس اسی لئے ہمت کر کے چلی آئی اور کہہ ڈالی ساری حقیقت، کیونکہ آپ جیسے لوگ شریف اور نیک لوگوں کی خاموشی اور مصلحت پسندی کو ان کی کمزوری اور جرم بنا کر انہیں سزا دیتے رہتے ہیں اس جرم کی جو انہوں نے کیا ہی نہیں ہوتا۔'' کنزی نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ دونوں چور بن گئے۔

''تم یہ تصویریں اپنی پھپھو کو مت دکھانا ورنہ وہ ہنسیں گی ہم پر۔'' نصرت بیگ نے کھسیانی سی ہو کر کہا تو وہ بولی۔

''وہ آپ جیسی تھوڑی ہیں جو ہنسیں گی آپ پر، وہ جانتی ہیں کہ بیٹیوں کی عزت کانچ سے بھی زیادہ نازک ہوتی ہے اور سب کی سانجھی ہوتی ہے اور بات جب خاندان کی بیٹی کی کسی غلطی کی ہو، عزت کی ہو تو بہت محتاط اور سمجھدارانہ رویہ اپنانا چاہیے یہ نہیں کہ ادھر بات پتا چلی ادھر آپ نے خاندان بھر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا۔''

''خیر اب اتنی اچھی بھی نہیں ہیں غزالہ بیگم!'' نصرت بیگ نے اپنے ازلی خار کھائے، حاسد دل کے ساتھ کہا۔

''رسی جل گئی، بل نہ گیا، یہ محاورا شاید آپ کے لئے ہی ایجاد ہوا ہو گا، غزالہ بیگم آپ کی توقعات سے لاکھ درجے اچھی ہیں، اچھی نہ ہوتیں تو آپ دونوں کی زبان سے اپنی بیٹی کے خلاف الزام تراشی اور فضول گوئی برداشت نہ کرتیں، یہ تصویریں آپ کے منہ پہ دے مارتیں اور آپ کی بولتی بند کرا دیتیں۔'' کنزی نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ دونوں جیسے آسمان سے زمین، پر آ گرے تھے وہ بھی منہ کے بل۔

''کیا مطلب؟'' نعیم بیگ چغتائی کی آواز لرز رہی تھی۔

''مطلب یہ انکل جی، کہ یہ تصویریں اور ویڈیو اجالا کے پاس بھی موجود ہیں اور پھپھو، پھوپا جان بھی جانتے ہیں آپ کی لاڈلی نیک سیرت بیٹی کے کارنامے لیکن ان کا ظرف دیکھیے کہ وہ اصل حقیقت جان کر بھی آپ کے گھر کو طعنے دینے نہیں آئے اور آپ اپنا ظرف ملاحظہ کیجئے کے بڑے بھائی ہو کر کیا کچھ نہیں کہہ کر آئے اپنے بھائی بھابھی بھتیجی کو وہ بھی ایک بے بنیاد

اور رہی [illegible] الزام کی وجہ سے اور رہی بات اجالا کے رشتے کی تو اپنا بیٹا اپنے پاس رکھئے، اجالا کے لئے رشتوں کی کمی نہیں ہے اور آپ جیسے لوگوں سے اس کا رشتہ نہ ہی ہو تو بہتر ہے، آپ اپنی بیٹی کے رشتے کی فکر کیجئے کیونکہ وہ لڑکا شادی تو کرے گا نہیں فرحت کے ساتھ۔'' کنزی نے بھی رتی برابر لحاظ نہیں کیا تھا کھری کھری سنا دی تھیں ان دونوں کو، فرحت نجانے کب اپنے کمرے سے نکلی تھی، دروازے میں کھڑی ساری باتیں سن کر سن ہو گئی تھی، اسے سب کچھ گھومتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆

''آپ نے بیٹے کے سامنے مجھے یہ جتلا دیا کہ میں نے اچھی بیوی اور اچھی ماں ہونے کا فرض ادا نہیں کیا، اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے نہیں نبھائیں، میں لالچی طبیعت کی اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگنے والی عورت ہوں، اتنے ہی شکوے گلے تھے مجھ سے تو مجھ سے پہلے کیوں نہیں کہا یہ سب، اتنی ہی غیر ذمے دار تھی میں تو چھوڑ کیوں نہیں دیا مجھے، کیوں نبھایا یہ رشتہ اتنے برس تک اتنے شکوے، گلے دل میں رکھ کر بتایئے فیضان پیر زادہ، کیوں دل میں دبائے رکھیں ساری ناراضگیاں آپ نے۔'' شبنم پیر زادہ نے بے چین دل، سلگتے لہجے اور بے کل انداز میں شوہر سے جرح کرتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کے تمام سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے ''محبت'' میں نے آپ سے محبت کی تھی تو بھلا محبت کو بے عزت یا پابند کیسے کر دیتا، دنیا کو اپنی ذات کو یہ کیوں بتاتا کہ میں نے آپ سے محبت کی شادی کر کے غلطی کی ہے، ہر رشتہ توجہ اور محبت کا محتاج ہوتا ہے شبنم بیگم، محبت اور توجہ کے پانی سے پھلتا پھولتا اور پنپتا ہے، محبت تھی اس لئے آپ کی غلطیوں اور غیر ذمے داریوں کو لاپرواہیوں کو نظر انداز کرتا رہا، لیکن میاں بیوی کے رشتے میں اولاد ہو جانے کے بعد میں صرف اپنی ذات سے آپ کی لاپرواہی اور عدم دلچسپی نظر انداز کر سکتا مگر بچوں کے معاملے میں آپ کو آپ کی ذمے داریوں کا احساس دلانا میرا فرض تھا سو میں نے ادا کیا جو ''ماں جی'' کے ہوتے ہوئے آپ کو زیادہ ادا کرنا بھی نہ پڑا مگر خاموش رہا کے پیار کرتا تھا آپ سے اور سوچتا تھا کہ پیار کا دعویٰ تو آپ نے بھی کیا تھا مجھ سے پھر وہ پیار کہاں گیا کہ آپ مجھے نہ دے سکیں، وہ دراصل پیار کا دھوکہ تھا پیسے کے لئے آپ نے مجھے دیا تھا مگر میں سہہ گیا کے میں نے تو واقعی آپ سے پیار کیا تھا، خاموش رہ کر گزار لیا وقت آپ کو آپ کی خواہشات پوری کرنے کی آزادی بھی دے دی، آج اگر میں بیٹے کے سامنے بولا ہوں تو وہ بھی محبت کی وجہ سے کیونکہ سعدان سے میں بہت زیادہ محبت کرتا ہوں اور وہ جس سے محبت کرتا ہے اسے پا لے اس میں خوشی ہے میرے بیٹے کی اور میں اپنے بیٹے کی محبت میں ایسی بے بسی نہیں دیکھنا چاہتا جیسی مجھے سہنا پڑی ہے، سعدان نے شبنم سے نہیں اجالا سے پیار کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ لڑکی سچ مچ ہمارے گھر میں ہمارے بیٹے کی زندگی میں اجالا بن کر آئے گی، آپ کے انکار اور اعتراض نے مجھے تلخ ہونے اور وہ سب کہنے پر مجبور کر دیا تھا جو میں نے برسوں سے اپنے دل میں دبا رکھا تھا، میں آپ کو مزید غیر ذمے داری اور بے حسی کا مظاہرہ کرنے کی اجازت نہیں دوں گا، آپ نے تو وہ سب کچھ پا لیا جس کی آپ کو تمنا تھی تو کم از کم اپنی سوچ اور ظرف میں ہی کشادگی پیدا کر لیجئے، آپ کو اگر ہماری خوشی کا احساس ہو

گا، ہماری پرواہ، ہمارا احساس ہوگا تو آپ اجالا کا رشتہ مانگنے ضرور جائیں گی، اس عید پر ہی اپنی اولاد کو حقیقی خوشی کا تحفہ دے دیں شبنم بیگم، ہمارا کیا ہے، ہماری عمر تو گزر ہی گئی آپ کی محبت کو ترستے، آپ سے محبت کرتے کرتے۔'' فیضان پیرزادہ نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہتے ہوئے اپنی بات مکمل کی اور نماز تراویح کے لئے اٹھ کر مسجد چلے گئے۔

شبنم پیرزادہ کو آج پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ وہ کتنی غریب بدقسمت اور خودغرض عورت ہیں جس نے فیضان پیرزادہ جیسے اعلیٰ ظرف شریک حیات کی محبت کی قدر نہیں انہیں کبھی کوئی دلی خوشی نہ دے سکیں، وہ کروڑ پتی ہونے کے باوجود کتنی قلاش اور مفلس تھیں، خالی ہاتھ، خالی دل رہ گئیں تھیں اس لمحے، انہیں اس حقیقت کا ادراک و احساس شدت سے ہو رہا تھا اور وہ خود اپنی ہی نظروں میں بہت پستی میں جا گری تھیں، شرمندگی اور ندامت کے آنسو بے اختیار ہی ان کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے اور انہیں کتنے عرصے بعد اللہ کے دربار میں حاضری دینے کا خیال آیا تھا، انہوں نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی کہ توبہ اور معافی کی نیت جو باندھ لی تھی دل نے تو اب سب کچھ درست کرنے کی کوشش بھی معافی اور توبہ کے بعد ہی شروع ہونا تھی نا۔

☆☆☆

''میں نے سوچ لیا ہے اس مسئلے کا حل۔''

کنزی اور اجالا یونیورسٹی میں اسائنمنٹ جمع کرانے آئی تھیں وہ جمع کرانے کے بعد فرحت اور امجد کا معاملہ زیر گفتگو آیا تو اجالا نے سنجیدہ مگر پرسوچ انداز میں کہا۔

''وہ کیا؟'' کنزی نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''امجد کا موبائل فون اور لیپ ٹاپ ہمیں چرانا ہوگا۔''

''کیا؟ ہم چوری کریں گے وہ بھی اس فرحت بدماغ کے لئے، ہرگز نہیں۔'' کنزی کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا اس کی بات سن کر وہ فٹ سے بولی

''ہمیں یہ کرنا ہوگا فرحت کے لئے نہیں اور بہت سی لڑکیوں کے لئے جو امجد جیسے گھٹیا فلرٹ آدمی کی ہوس کا شکار ہو سکتی ہیں۔'' اجالا سنجیدگی سے بولی تو کنزی کو بھی اس کی بات پر توجہ دینا پڑی۔

''ٹھیک ہے مگر یہ سب ہوگا کیسے؟''

''اویس ساگر کے فادر پولیس میں ہیں اور اچھے عہدے پر ہیں اان کو ساری حقیقت بتاتے ہیں وہ امجد کو اریسٹ کر کے کچھ دن انڈر گراؤنڈ انسویسٹی گیشن کریں۔''

''یو مین امجد کی لترتھراپی کروائی جائے اور تمام ثبوت لے کر ضائع کر دیئے جائیں۔'' کنزی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور وہ بھی ایسے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، کیونکہ اگر امجد پر مقدمہ درج کیا جائے گا تو کئی گھروں کی عزت عدالتوں اور اخباروں کی سرخیوں میں آجائے گی اور ہمیں ایسا نہیں کرنا۔'' اجالا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ہوں، مگر ساگر انکل پر بات نہ آجائے کہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھایا یا قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکی۔'' کنزی نے متفکر لہجے میں کہا تو وہ طنز سے مسکرا کر بولی۔

''قانونی اداروں میں ہر روز سینکڑوں غیر قانونی کام ہوتے ہیں، تب تو کوئی نہیں پوچھتا،

کی کی انکوائری اسٹینڈ نہیں ہوتی، ہم اگر ایک جائز کام ناجائز اور غیر قانونی طریقے سے کرلیں گے تو کون سی کمر ڈھیلی پڑ جائے گی اس ادارے کی، ویسے بھی ہم سب اچھے کے لئے کرنا چاہتے ہیں اور ساگر انکل ایک اچھے اور سمجھدار آفیسر ہیں وہ جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے، پرنسپل سر سے بھی تو ہیلپ لی جاسکتی ہے نا، اگر قانون ہی آگے رکھنا ہے تو پرنسپل امجد کے خلاف ایف آئی آر درج کروا دیں، نہیں تو بھی ہماری پلاننگ اتنی مضبوط ہونی چاہیے کہ ہم امجد جیسے کو سبق سیکھا دیں وہ دوبارہ ایسا کرتے ہوئے بھی خوف سے کانپے۔"

"ایکسیلینٹ آئیڈیا، چلو پھر چلتے ہیں اویس کے گھر اسی سے کہیں گے کہ وہ بہانے سے امجد کا موبائل چرا لے یا کم از کم کہیں پانی میں کسی نہر نالے میں سوئمنگ پول میں ہی پھینک دے سب ختم ہو جائے گا اور ہوسٹل میں رہتا ہے وہ اس کے کمرے کی تلاشی لینے کے لئے پرنسپل اور وارڈن کی مدد لی جاسکتی ہے تا کہ اس کا لیپ ٹاپ یو ایس پی، سی ڈیز وغیرہ حاصل کی جاسکیں۔"

"ہاں بالکل۔" اجالا نے تائید کی۔

"تو پھر چلیں ساگر انکل کے پاس اور خیال رہے کہ کسی کو بھنک نہ پڑے کہ اس سارے کام کے پیچھے ہمارا ذہن اور ارادہ کام کر رہا تھا۔" کنزی نے سنجیدگی سے اسے تنبیہی انداز میں کہا۔

"جی جی مجھے پتا ہے مس 007 اب چلو ساگر انکل کے گھر جانا ہے تھانے میں نہیں جانا ہم نے، اویس نے ان سے بات کر لی ہے۔" اجالا نے مسکرا کر کہا اور دونوں یونیورسٹی کے بیرونی دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

"اجالا پر تہمت اور الزام لگاتے وقت تمہیں اپنے کردار کے عیب اور کالے کرتوت دکھائی نہیں

دیئے تھے، کھوٹ تمہاری اپنی نیت میں تھا، کردار تمہارا داغدار ہو رہا تھا عزت تم مٹی میں ملا رہی تھیں ہماری اور الزام معصوم اجالا پر لگا دیا۔" نعیم بیگ چغتائی غصے سے فرحت پر برس رہے تھے، وہ شرم کے مارے سر جھکائے ان کے سامنے کھڑی کانپ رہی تھی، نصرت بیگ بھی وہیں منہ میں گھونگھیاں ڈالے بیٹھی تھیں، اب کہنے کو کچھ ہی کہاں تھا ان کے پاس اپنی ازلی حسد اور پرخاش رکھنے کی عادت نے بیٹی کی تربیت بھی ایسی ہی کی تھی آج وہ خود ذلت کے دوراہے پر آن کھڑی ہوئی تھی، اب سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں لگا تھا ان کے وہ غزالہ عظیم اور اجالا کو ہمیشہ نیچا دکھانے کی کوشش میں لگی رہی تھیں اور آج ان کی اپنی بیٹی نے ان کا سر شرم سے جھکا کر ان کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا تھا۔

سچ کہتے ہیں جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے ایک دن وہ خود اس گڑھے میں جا گرتا ہے اور ایسا ہی ہوا تھا فرحت اور نصرت دونوں اس گڑھے میں جا گری تھیں وہ بھی منہ کے بل۔

☆☆☆

"بہت افسوس کا مقام ہے، پروفیسر صاحب آپ کے بھائی بھاوج آپ کے گھر میں بیٹھ کر آپ کی بیٹی پر الزامات لگا گئے ہماری تربیت انگلی اٹھا گئے اور شرافت کا دامن تھامے بیٹھے رہے، منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیا انہیں؟" غزالہ عظیم کا غصہ کسی طور ختم نہیں ہو رہا تھا وہ شوہر کی خاموشی دیکھ کر پھٹ پڑیں۔

"الزام لگانے والے کا منہ نہیں توڑا جاتا، اگر وہ جھوٹا تو اوپر والا خود حالات کے ہاتھوں اس کا توڑ دیا کرتا ہے اور پھر وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہتا اور غزالہ بیگم، اگر میں بھی ان کو انہیں کے انداز میں جواب دیتا تو کیا فرق رہ جاتا

ان میں اور مجھ میں؟" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نرمی سے بولے۔

"بس آپ اخلاقیات کا درس دیتے رہیے، یاد رکھیے یونیورسٹی سے باہر کی دنیا اور ہوتی ہے یہاں اخلاق تقاضے عملاً نبھانے پڑتے ہیں، بدصورت رویے عملاً برتے جاتے ہیں، کتابی باتیں صرف درس گاہ تک ہی رہ جاتی ہیں۔"

"ہاں اگر ہم ان پر عمل نہ کریں تو ایسا ہی ہوتا ہے لیکن میں ایسا دوغلا اور منافق استاد نہیں بن سکا غزالہ، کہ بچوں کو تو مثبت طرز عمل اپنانے اور اخلاقیات کے تقاضے پورے کرنے کی تعلیم دوں اور خود اخلاق کا دامن چھوڑے رہوں۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے سنجیدگی سے انہیں جواب دیا۔

"ایسے لوگوں کو آج کل بزدل اور کمزور سمجھا جاتا ہے جو مصلحت کے دائرے میں قید رہتے ہیں جبھی آپ کے بھائی صاحب جیسے لوگ اگر آپ پر چڑھائی کر دیتے ہیں کہ انہوں نے کچھ بولنا تو ہے نہیں لہٰذا جی بھر کے جوتے مارو، اپنی بیٹی کے کرتوت دکھائی نہیں دیتے اس کے کیے دھرے کو میری بیٹی کے سر منڈھ دیا، حد ہوتی ہے ڈھٹائی اور بے شرمی کی بھی۔"

"ڈھٹائی اور بے شرمی کی کوئی حد نہیں ہوتی غزالہ بیگم اور آپ تحمل سے کام لیں، آپ نے تو کبھی اس طرح ری ایکٹ نہیں کیا؟" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے انہیں نرمی سے کہا۔

"اس بار بات میری بیٹی کے کردار کی ہو رہی ہے، انگلی اٹھائی گئی ہے میری معصوم بیٹی کے کردار پر اس کی نیک نیتی پر، اس کے نیک عمل کو کیسے گالی بنا کے چلے گئے آپ کے بھائی بھاوج اور نجانے کس کس کے آگے یہ گوہر افشانی کرتے آئے ہوں گے، آپ کو یہ معمولی بات لگتی ہے۔" غزالہ عظیم نے غصیلے لہجے میں تپ کر کہا۔

"ہاں اس لیے کہ میں اپنی بیٹی پر مکمل بھروسہ کرتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ میری بیٹی کتنی معصوم اور پاکباز ہے اور اس کی نیت اور عمل کتنا صالح اور احسن ہے اوروں کے کچھ بھی کہہ دینے سے میں اپنی بیٹی پر شک نہیں کر سکتا نہ ہی اسے مجرم بنا کر کٹہرے میں کھڑا کر سکتا ہوں، میری اجالا میرا ایمان ہے فخر اور بھروسہ ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے انہیں دیکھتے ہوئے سچے دل سے کہا۔

لاؤنج کے دروازے پر کھڑی اجالا نے ان کی باتیں سن لی تھیں، وہ اپنے والد کے اس بھروسے اور یقین پر روح تک سے سرشار ہو گئی۔

"تھینک یو ابو جان، تھینک یو سو مچ۔" اجالا نے ان کے سامنے آتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جیتی رہیے اللہ آپ کو بہت خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازیں۔" پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے اسے پدرانہ محبت و شفقت سے دیکھتے ہوئے دل سے دعا دی اور اپنی بانہیں پھیلا دیں، وہ مسکراتی ہوئی ان کے سینے سے آ لگی۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ کہ ہمیں سعدان پیر زادہ کے رشتے کو منظور کر لینا چاہیے۔"

پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے روزے کی افطاری پر سب گھر والوں کی موجودگی میں اپنے فیصلے کا اعلان کیا تو سب کو خوشگوار حیرت نے آ لیا جبکہ اجالا ہونق بنی ہوئی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی، پکوڑا منہ میں جانے کی بجائے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔

"ارے پکوڑا تو منہ میں ڈال لو بہنا۔" فرخ بھائی نے اسے یوں دیکھ کر ہنس کر کہا تو وہ

شرمندہ سی ہو گئی۔

''کیا سچ میں ابو! آپ سعدان کا رشتہ منظور کر رہے ہیں؟'' عبید بھائی نے خوش ہو کر پوچھا تو وہ بولے۔

''بھئی میں تو آپ سب کے سامنے اپنی خواہش اور فیصلہ رکھ چکا ہوں آپ سب بتائیں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''ہمیں تو اس رشتے میں کوئی برائی نظر نہیں آتی سعدان ماشاء اللہ پڑھا لکھا، نیک دل اور ویل سیٹلڈ انسان ہے اور آپ کے پرانے یونیورسٹی فیلو ہیں اس کے فادر آپ پہلے سے ان کو جانتے ہیں باقی معلومات ہم کرا لیں گے۔'' عبید بھائی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل ابو جان! آپ کوئی ٹینشن بھی مت لیجئے گا تایا جان کوئی ہنگامہ کھڑا کریں گے کہ بیٹی خاندان برادری سے باہر کیوں بیاہ دی، وہ جیسی باتیں کر کے گئے تھے تو ان کے جواب میں ہمیں اجالا کی شادی سعدان سے کر ہی دینی چاہیے۔'' فرخ بھائی بھی جذباتی پن سے بولے۔

''اور غزالہ بیگم! آپ کا کیا خیال ہے؟'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے بیوی کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا، تو وہ بھی مسکراتے ہوئے بولیں۔

''بہت نیک خیال ہے آپ فیضان بھائی کو فون کر کے کہہ دیں گے وہ جب آنا چاہیں باقاعدہ رشتہ لے کر آ سکتے ہیں۔''

''ہوں اور ہماری پیاری بیٹی کا رشتے کے بارے میں کیا کہنا ہے، سب سے اہم رائے تو اجالا بیٹی کی ہے نا، جی تو بتایئے ہم فیضان صاحب کو فون کر دیں یا نہیں؟'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''ابو! آپ اور امی میرے لئے جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے لئے ہمیشہ بہتر ہی سوچتے ہیں اور درست فیصلہ کریں گے۔'' وہ نظریں جھکا کر دھیمے پن سے بولی، تو سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

''جیتی رہیے، خوش رہیے، مجھے آپ سے اسی فرمانبرداری کی امید تھی۔'' وہ اس کے سر کو تھپکتے ہوئے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے بولے، وہ مسکرا دی۔

''لیکن اجالا بیٹی، ہم آپ کی دلی مرضی اور خوشی جاننا چاہتے ہیں آپ کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ہم سب اپنی مرضی اور رائے پر نہیں کرنا چاہتے، بلاشبہ سعدان پیرزادہ بہت رحم دل اور نیک عمل کرنے والے انسان ہیں پھر بھی آپ کی رائے ہمارے لئے بہت اہم ہے ابھی رشتہ باقاعدہ آیا نہیں ہے بس طے ہوا ہے اس لئے میں آپ سے تفصیلی بات کر رہا ہوں تاکہ جب رشتہ آئے تو میں ذہنی طور پر کلیئر ہوں اس معاملے میں کہ مجھے ان لوگوں کو کیا جواب دینا چاہیے۔'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''ابو! آپ نے اور عبید بھائی نے خود ہی کہہ دیا کہ وہ نیک دل انسان ہیں، سلجھے ہوئے ہیں تو جو انسان سلجھا ہوا اور نیک دل ہو وہ نا صرف اپنے رشتوں اور خاندان کے ساتھ مخلص اور اچھا ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے معاشرے کا بھی فعال اور بہتر رکن ثابت ہوتا ہے ابو، آپ ہی تو یہ بات کہا کرتے ہیں، پھر اگر سعدان پیرزادہ میں یہ دونوں خوبیاں موجود ہیں تو آپ کا فیصلہ میرے حق میں انشاءاللہ بہتر ہی ثابت ہوگا۔'' اجالا نے نظریں جھکائے جھکائے دھیمے پن سے کہا تو وہ

سب مسکرانے لگے۔
''انشاء اللہ تعالیٰ!'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے مطمئن انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا۔

☆☆☆

''سعد بیٹے! اس بار تمہاری عید سچ مچ عید کی خوشیاں لے کر آئے گی میں تمہیں بہت خوبصورت اور تمہارا من چاہا تحفہ دوں گا تمہیں اس عید پر۔'' فیضان پیرزادہ نے پروفیسر عظیم بیگ چغتائی سے فون پر بات کرنے کے بعد سعدان پیرزادہ کو خوشگوار موڈ میں مخاطب کر کے کہا۔
''تحفہ۔'' سعدان پیرزادہ نے تحیر سے مسکرا کر انہیں دیکھا تو وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔
''جی ہاں، عید کا تحفہ۔''
''وہ کیا؟''
''اجالا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے تو [illegible] نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔
''مطلب؟''
''مطلب یہ کہ پروفیسر صاحب کا فون آیا تھا آج انہوں نے اپنے بیوی بچوں سے باہمی مشورے کے بعد ہمیں اپنے ہاں آنے کی اور آپ کا رشتہ لانے کی دعوت دی ہے۔'' فیضان پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے بتایا تو سعدان پیرزادہ کو تو جیسے تازہ ہوا، آکسیجن اور نئی زندگی کی نوید مل گئی ہو، وہ خوشی سے کھل اٹھا۔
''رئیلی۔''
''یس مائی سن، میرا اتنا قابل بیٹا ہے اسے کوئی انکار کر سکتا ہے بھلا، عظیم بیگ کو بھی اپنی قابل بیٹی کے لئے تم ہی مناسب لگے ہو گے جبھی تو انہوں نے خاندان برادری والی پابندی کو بھی نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ بہت پڑھے لکھے آدمی

ہیں ان فضول روایات اور رسموں کو ختم کرنا ان کا فرض بھی ہے اور ذمے داری بھی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔
''ہوں ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ لیکن ڈیڈ ممی کے بغیر کیسے ہوگا یہ سب وہ ناراض ہیں ہم سے۔'' سعدان پیرزادہ نے ان کی توجہ اس طرف دلائی۔
''مان جائیں گی تم ان کی فکر نہ کرو میں منا لوں گا۔''
''ویسے آپ اس روز زیادہ ہی بول گئے تھے ڈیڈی، آپ کو یوں میرے سامنے ممی کو وہ باتیں نہیں کہنی چاہیے تھیں، انہیں بہت انسلٹ فیل ہوئی ہو گی نا۔'' سعدان پیرزادہ نے سنجیدگی اور فکرمندی سے کہا۔
''ہاں جانتا ہوں لیکن کبھی کبھی بہتر نتائج کے لئے کڑوی دوا پلانا بہت ضروری ہو جاتا ہے ورنہ مرض بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اور بھگتنا مریض کے عزیز واقربا کو پڑتا ہے۔''
''واہ ڈیڈی، کیا مثال دی ہے آپ نے۔'' سعدان پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

☆☆☆

فرحت کو امجد نے کئی بار ہوٹل میں ملنے کے لئے کہا تھا مگر اس کے انکار پر وہ اسے محبت کے دعوے یاد دلا کر بلیک میل کرتا رہا وہ جذبات میں آ کر ایک بار تو اس سے ملنے چلی گئی تھی، لیکن جب سے اس نے دوست کے گھر ملنے کا کہا تھا اسے اس کے ارادے ٹھیک نہیں لگے تھے اسی لئے وہ مسلسل انکار کر رہی تھی اور وہ اسے اس کی اپنے ساتھ کھینچی گئی تصاویر سب کو دکھانے کا کہہ کر دھمکا ڈرا کر اپنا مقصد حاصل کرنے کے چکر میں تھا اور یہ بات کنزی نے اس کے ماں باپ کے سامنے

کر سوں دی تھی، انہوں نے اسے خوب لعن طعن
کیا تھا لیکن اب فرحت کے پاس کنزی اور اجالا
سے بات کرنے کے سوا ان سے مدد مانگنے کے سوا
کوئی راستہ نہیں بچا تھا، اسی خیال سے وہ کنزی
کے گھر گئی تھی اور دونوں کو ساری بات بتا کر ان کی
مدد مانگ رہی تھی۔

"تم تو اجالا کے کردار پر کیچڑ اچھال رہی
تھیں، خود کتنی گہری کھائی میں گری ہوئی ہو کس
دلدل میں دھنسی جا رہی ہو اس کا احساس تمہیں
اب ہو رہا ہے جب وہ کمینہ تمہیں بلیک میل کر رہا
ہے، واہ کیا بات ہے، اسے کہتے ہیں جیسی کرنی
ویسی بھرنی، اللہ تو سب کے عمل دیکھ رہا ہوتا ہے نا،
تم نے لاکھ گمراہ کرنا چاہا اپنے اور اجالا کے گھر
والوں کو اس کے معاملے میں مگر دیکھ لو فرحت بی
بی، تم خود گمراہی کے رستے پر چل رہی تھیں تمہارا
اپنا برا عمل تمہارے آگے آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے
اجالا کو اجلا اور بے داغ رکھا ہے اپنے فضل و کرم
سے۔" کنزی تو اس کی بات سنتے ہی بھڑک کر
بولی تھی اور وہ مارے شرمندگی کے زمین میں گڑھی
جا رہی تھی، آنسو بھی بہنے لگے تھے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں اپنے کیے پر پلیز
اجالا مجھے معاف کر دو۔" وہ اشکبار لہجے میں
بولی۔

"ایک شرط پر معاف کرے گی اجالا تمہیں،
پہلے تم اپنے اماں باوا اور اجالا کے گھر والوں کے
سامنے یہ اعتراف کرو گی کہ تم اس کے بارے
میں جو کہا تھا وہ سب جھوٹ تھا، بہتان تھا۔" اجالا
سے پہلے کنزی بول پڑی۔

"کنزی! چپ ہو جاؤ، وہ شرمندہ ہے رو
رہی ہے کافی ہے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا
ہے۔" اجالا نے کنزی کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے
پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اسے احساس اس کمینے کی بلیک میلنگ کی
وجہ سے اور ہمارے علم میں ساری باتیں آ جانے
کی وجہ سے ہو رہا ہے ورنہ کبھی نہ ہوتا یہ آنسو اور
شرمندگی بھی اس کی مجبوری ہے ورنہ یہ تو بہت
اونچی ہواؤں میں اڑ رہی تھیں اب زمین پر آن
گری ہے تو درد کا احساس جاگ گیا ہے۔"
کنزی کہاں خاموش رہنے والی تھی بے تکان غصے
میں سلگتے لہجے میں بولتی چلی گئی، فرحت کے رونے
میں تیزی آ گئی تھی اور اجالا شرمندگی اور بے بسی
سے اپنا سر پکڑ کر رہ گئی تھی، معاً اسے خیال آیا کہ
فرحت کو پانی پلانا چاہیے وہ تیزی سے اٹھی اور
سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں
انڈیلا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"پانی۔"

"پانی پی لو۔" کنزی کی زبان پھر سے چلنے
لگی۔

"پی لو یہ رواج بھی اجالا کے ہاں ہی ہے
کہ بیڈ پڑو کو بھی گلاس بھر کے پانی پلاؤ اور اس کے
آنسو پونچھو۔" یہ بھلا کر کہ اس نے اس پر ستم کے
کتنے تیر چلائے تھے، جھوٹ اور الزامات کی کتنی
برچھیاں اس کے سینے میں اتاری تھیں۔

"اف کنزی، تم خاموش نہیں رہ سکتیں کچھ
دیر کے لئے۔" اجالا نے اسے غصے سے گھورتے
ہوئے کہا۔

"ہو گئی خاموش، تم بچھی چلی جاؤ اس کے
قدموں تلے کارپٹ کی طرح، اس کے جس نے
تمہارے سر میں رسوائی کی خاک ڈالنے کی ہر ممکن
کوشش کی تھی۔" وہ سلگ کر بولی۔

فرحت کا تو حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو
ندارد ایک سانس آ رہی تھی تو ایک جا رہی تھی،
اسے لگا کہ اس نے یہاں آ کر بہت بڑی غلطی کر
دی ہے، کنزی کی توپوں کا رخ مسلسل اس کی

طرف تھا اور وہ اس کی طرف تنقید کی گولہ باری میں جھلس کر رہ گئی تھی۔

''جو بھی ہے کنزی ہمیں فرحت کی مدد کرنی ہے اور اسے اس مشکل سے باہر نکالنا ہے۔'' اجالا نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہاں تو نکالو باہر، کل کو یہ ہمیں اسی نیکی کے صلے میں اندر کروا دے گی، بتا دے گی سب کو یہ کارنامہ بلکہ کار خیر ہم دونوں نے انجام دیا تو وہ لوگ کیا ہمیں یونہی چھوڑ دیں گے ہم سے دشمنی نہیں نکالیں گے وہ امجد صاحب۔'' کنزی کے پاس ہر بات کا بڑا کرارہ جواب تھا، فرحت کے پاس اس کی کسی بات کا جواب نہیں تھا سوائے آنسوؤں کے جو وہ مسلسل بڑی فیاضی سے لٹا رہی تھی۔

''اللہ کی قسم میں کسی کو نہیں بتاؤں گی، پلیز مجھے معاف کر دو اور میری ہیلپ کر دو ورنہ میں خودکشی کر لوں گی۔'' فرحت نے روتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا تو کنزی نے اسے مزید غصے سے گھورا تھا اور پھر اجالا کے متفکر چہرے کو دیکھ کر بولی۔

''لو اور سنو، اس لڑکی سے کسی اچھی بات یا حرکت کی امید بھی نہیں ہے۔''

''اچھا بس، بہت بول لیا تم، ہم فرحت کو اس مصیبت سے باہر نکالیں گے انشاء اللہ، جو ہم پہلے سے سوچے ہوئے تھے تم بلاوجہ اس پر برس رہی ہو۔'' اجالا نے اسے دیکھتے ہوئے تنبیہی انداز میں کہا۔

''ارے تو کیا اسے یہ احساس بھی نہ دلاؤں کہ اس نے جو برا کیا تھا وہ آج اس کے آگے آیا ہے، انسان برا کر کے سب سے بچ سکتا ہے لیکن رب سے نہیں بچ سکتا۔'' کنزی ناراض لہجے میں بولی۔

''عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے، بس یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے۔'' اجالا نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے فرحت کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا، گویا اسے اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا۔

اور پھر ایس پی ساگر حسین صدیقی نے امجد کو اس کے دوست کے گھر سے گرفتار کر کے تھانے میں ڈرائنگ روم کی وہ سیر کروائی کہ اس نے نہ صرف اپنے سارے جرم قبول کر لئے بلکہ جو ثبوت بلیک میلنگ کے چھپا رکھے تھے وہ بھی انہیں فراہم کر دیئے، اس کے ہوسٹل کے کمرے سے اس کا لیپ ٹاپ اور اس سے متعلق ڈیٹا وغیرہ سب اپنے قبضے میں کر کے امجد کو یونیورسٹی سے بلیک لسٹ کروا دیا تھا، وہ کم از کم اس شہر میں تو کسی یونیورسٹی میں داخلہ نہیں لے سکتا تھا، اس کے والدین کو بلوایا گیا جو دوسرے شہر میں رہتے تھے اور امجد کو یونیورسٹی میں پڑھنے کے لئے بھیجا تھا، اس کے کرتوت جان کر وہ شرم سے پانی پانی ہو گئے تھے، روتے ہوئے اسے چھوڑ دینے کی فریاد کرتے رہے، امجد نے بھی جب لمبی سزا کا سنا تو ایس پی ساگر حسین کے پاؤں میں گر کر رونے لگا معافیاں مانگنے لگا۔

''تم نے جو جرم کیا ہے وہ اتنا گھناؤنا ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں تمہیں چوراہے پر الٹا لٹکا دوں اور لوگوں سے کہوں کہ تمہیں پتھر ماریں، بے شرم آدمی لوگوں کی بہنوں بیٹیوں کی عزتوں سے کھیلتے ہو انہیں بلیک میل کر کے برباد کرتے ہو اور مجھ سے معافی مانگ رہے ہو، تمہاری سزا میں کمی ہو سکتی ہے لیکن معافی نہیں اور یاد رکھنا سزا پوری ہونے کے بعد اگر اس شہر کا رخ بھی کیا تو گولی مار دوں گا سمجھے، جیل میں اچھے سلوک اور اخلاق کا مظاہرہ کرو گے تو سزا کم ہو سکتی ہے۔'' ساگر

پھر توڑتے رہنا یہاں بیٹھ کر دس پندرہ سال۔'' ایس پی ساگر حسین صدیقی نے کرجدار آواز میں اسے گھورتے ہوئے لتاڑا تھا، وہ خوف سے لرز رہا تھا، رو رہا تھا، اس کے ماں باپ کو انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا تھا، وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ عزت کے مجرم کو معافی نہیں ملتی اسے اپنے گناہ کی سزا بھگتنا ہو گی، ایس پی ساگر حسین صدیقی نے اپنے ذاتی اور قانونی دونوں طرح کے اختیارات استعمال کرتے ہوئے امجد کا کیس عدالت میں پیش کیا اور اسے سات سال قید بامشقت کی سزا دلوا کر جیل بھجوا دیا وہ بھی ایسے بیرک میں جہاں اسے دین اور قرآن، نماز کی تعلیم و تدریس دینے والے چند قیدیوں کے ساتھ اپنی قید کی معیاد کاٹنا تھی، ایس پی ساگر حسین صدیقی کو پورا یقین تھا کہ امجد یہاں رہ کر اپنے کالے اعمال پر گناہوں پر شرمسار ہو گا اور ایک اچھا اور سچا انسان، مسلمان بن کر باہر نکلے گا۔

امجد کی بلا سر سے ٹلی تو فرحت سمیت نعیم بیگ چغتائی اور نصرت بیگ کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں، تینوں نے شکرانے کے نوافل ادا کیے، اجالا اور اس کے سب گھر والوں سے معافی بھی مانگی کنزی اور اجالا کا شکریہ بھی ادا کیا، عید الفطر سے پہلے انہیں اتنی بڑی خوشی ملی تھی کہ عزت بچ گئی تھی، بات بھی دب گئی تھی اور ان تینوں کی نیتوں آنکھوں اور دلوں پر لگی شک، نفرت، حسد، جلن سازشوں کی سیاہی بھی چھٹ گئی تھی، دھل گئی تھی۔

☆☆☆

''ہم آج شام پروفیسر عظیم بیگ چغتائی کے گھر جا رہے آپ دونوں تیار رہیے گا۔''

صبح جب سعدان پیرزادہ اور فیضان پیرزادہ اپنے آفس کے لیے گھر سے نکل رہے تھے تو شبنم پیرزادہ نے ان کی سماعتوں پر حیرت ناک بم پھوڑا تھا، وہ دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے، وہ اس کی اس کایا پلٹ حیران تھے۔

''ڈیڈی! آپ نے بھی وہی سنا ہے جو میں نے سنا ہے؟'' سعدان پیرزادہ نے فیضان پیرزادہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹا! سنا تو میں بھی وہی ہے مگر ہم کیوں جا رہے ہیں پروفیسر صاحب کے گھر شبنم بیگم، وضاحت کریں گی آپ تاکہ ہم اس کے مطابق اپنی تیاری کر سکیں۔'' فیضان پیرزادہ نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے شبنم پیرزادہ کو مخاطب کر کے سوال کیا تھا۔

''کیوں بیٹے کی شادی نہیں کرنی کیا؟ رشتہ مانگنے نہیں جائیں گے پروفیسر صاحب کے گھر؟ اجالا کو اپنے بیٹے کی دلہن کیا خوابوں میں ہی مانگنا ہے کیا؟'' شبنم بیگم کا جواب پہلے سے زیادہ دھماکہ خیز تھا دونوں کے چہرے حیرت کے بعد خوشی و مسرت سے کھل اٹھے تھے۔

''نہیں بیگم آپ ساتھ دیں تو ہم حقیقت میں یہ معرکہ سرانجام دے لیں گے بس آپ کے ہاں کرنے کی دیر ہے۔'' فیضان پیرزادہ خوش ہو کر بولے۔

''میری طرف سے تو ہاں ہے اب اجالا کے گھر والوں کی اور اجالا کی ہاں کروانے ہم نے ان کے گھر جانا ہے تاکہ ہمارا بیٹا بھی تین بار ہاں اور قبول ہے کہہ سکے۔'' شبنم پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے دھیمے دلکش لہجے میں کہا تو وہ ان کے رویے میں در آنے والی خوشگوار تبدیلی پر بہت مسرور ہو کر بولے۔

''بیٹا تو کب سے قبول کیے بیٹھا ہے لیکن پروفیسر صاحب کو اطلاع تو کر دیں کہ ہم لوگ ان

کے گھر آ رہے ہیں۔"

"فون تو میں نے کر دیا تھا کل۔" شبنم پیر زادہ نے ایک اور دھماکہ کیا، ان دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان کو۔

"ان کا نمبر کہاں سے حاصل کیا؟" فیضان پیرزادہ کا سوال بجا تھا۔

"آپ کے سیل فون سے۔"

"اچھا۔" انہوں نے بڑا لمبا کھینچا تھا اچھا کو اور شوخی سے بولے۔

"تو آپ ہمارے موبائل کو بھی چیک کرتی ہیں۔"

"سارے ہینڈسم مردوں کی بیویاں اپنے شوہروں کے سیل فون چیک کرتی ہیں کہ کہیں وہ گھر سے باہر کی حسینہ کے چکر میں تو نہیں پڑے ہوئے۔" شبنم پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا ہم تو آج تک ایک حسینہ کے چکر سے ہی باہر نہ نکل سکے دوسری حسینہ کا چکر تو بہت دور کی بات ہے۔" فیضان پیرزادہ نے ہنس کر کہا تو سعدان پیرزادہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

"اسی لئے تو آپ میرے دل پر حکومت کر رہے ہیں آج تک آپ جیسا شوہر قسمت والیوں کو ملتا ہے آئی ریئلی لو یو فیضی۔" شبنم نے اپنی تیس سالہ ازدواجی زندگی میں شاید پہلی دل سے پوری ایمانداری سے ان کی محبت کو محسوس کیا تھا اور اپنی محبت ان کے لئے محسوس کی تھی اور پوری سچائی اقرار و اعتراف کر کے نہ صرف ان کو حیرت میں ڈال دیا تھا بلکہ سعدان پیرزادہ بھی شرما سا گیا تھا اور شریر ہو کر فیضان پیرزادہ کو چھیڑ رہا تھا۔

"آہم ڈیڈی! یہ روزہ تو نہیں لگ رہا ہمیں صبح صبح، ممی صبح صبح آپ سے اظہار الفت کر رہی ہیں انہوں نے آپ کو کسی کے ساتھ واقعی چکر چلاتے تو نہیں دیکھ لیا جس کی وجہ سے ان

کی سوئی ہوئی محبت جاگ اٹھی ہے۔"

"ٹھیک کہا بیٹے، میں واقعی سوئی ہوئی عورت تھی، شوہر کی محبتوں اور عنایتوں سے اپنی ذمے داریوں اور فرائض سے آنکھیں بند کیے رہی اتنے سالوں تک، اب احساس زیاں اور احساس ندامت کے ساتھ باقی کی زندگی تو نہیں جی سکتی نا، سوچا کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لوں، معافی مانگ لوں، اس ماہ مقدس میں تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے تو مجازی خدا کیوں نہیں معاف کرے گا جو آج تک میرے غلط رویوں اور غیر ذمہ داریوں کو جھیلتا آیا ہے اور وہ کہتے ہیں نا کہ جب جاگو جبھی سویرا، تو اس لئے میں نے خود کو گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے اور آپ سب کا دل سے خیال رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، این جی او چھوڑ رہی ہوں میں آپ سب کو دل سے اپنانے کے لئے کیونکہ میری اصل شناخت خوشی اور پہچان تو میرا شوہر اور میرے بچے ہیں، میرا گھر ہے نا۔" شبنم بیگ نے سعدان کی بات سن کر قدرے ندامت بھرے لہجے میں بھیگتی آواز میں کہا تو فیضان پیر زادہ حیرت کے سمندر میں غوطے لگاتے ہوئے صوفے پر دھم سے آ بیٹھے۔

"شبنم بیگم! کمزور دل کا آدمی ہوں میں بوڑھا ہو رہا ہوں اس عمر میں حیرت کے پہاڑ مت توڑیں ہم پر یہ دل ناداں اب دل ناتواں ہو گیا ہے رحم کریں ایک دم سے اتنے جھٹکے دے ڈالے ہیں، بڑھاپے کا عشق ہمیشہ جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔" فیضان پیر زادہ نے حیرت چاہت اور بے یقینی کی سی کیفیت میں گھر کر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر بولیں۔

"اللہ نہ کرے، آپ کو کچھ ہو، آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔"

"اوہ خیر، سعد بیٹا! ڈاکٹر کو بلوا لو، مجھے اس

کی ضرورت پڑ سکتی ہے کسی بھی وقت۔'' فیضان پیرزادہ ہنس کر بولے۔

''ڈیڈی! آپ کی ڈاکٹر آپ کو مل گئی ہیں اب آپ کو کسی اور ڈاکٹر کو بلوانے کی ضرورت نہیں ہے، دیر آید درست آید۔'' سعدان پیرزادہ نے مسکراتے ہوئے ان کے شانوں پر پیچھے سے آ کر ہاتھ رکھ کر کہا تو شبنم بیگ نظریں جھکا کر شرمیلے پن سے مسکرا دیں۔

''یعنی مجھے بھی عید کا تحفہ مل گیا۔'' فیضان پیرزادہ نے چاہت بھری نظروں سے اپنی اولین محبت شبنم کو دیکھا تھا۔

''جی ہاں آپ کو بہت بہت مبارک ہو ڈیڈ، اب مجھے میرا عید کا تحفہ دلانے کی تیاری کیجئے دونوں۔'' سعدان پیرزادہ نے ہنس کر کہا تو وہ دونوں بھی خوشدلی سے ہنس پڑے۔

☆☆☆

اس سہانی صبح کی شام بھی بہت شادمانی سے بھرپور رہی، فیضان پیرزادہ، شبنم پیرزادہ، سعدان پیرزادہ ''عظیم ہاؤس'' کے مہمان بنے، رشتے کی بات کی گئی جو بہت خوشدلی سے منظور کر لی گئی اور عید کے دن اجالا اور سعدان پیرزادہ کا نکاح طے کر دیا گیا، دونوں گھرانوں میں خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے چار دن میں نکاح کی تیاری بھی ہو گئی اور سعدان کے بھائی بھابھی، بہن بہنوئی ان کے بچے بھی اس تقریب نکاح میں شریک ہونے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔

اجالا کے دل میں سعدان پیرزادہ کی محبت دبے پاؤں آ بیٹھی تھی، ہلکی ہلکی سرگوشیاں کرتی اس کے دل کو گدگداتی چہرے پر دھنک کے ساتوں رنگ بکھراتی اس کے حسن کو چار چاند لگاتی جا رہی تھی، اجالا کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ سعدان پیرزادہ مضبوط کردار اور سلجھے ہوئے اطوار کے نیک نیت اور رحم دل انسان ہیں، انہوں نے اس کو پسند کیا مگر اس سے ملاقات کے دوران اپنی پسندیدگی اور شادی کی خواہش کا ذکر کیا نہ ہی اس پر کسی طور ظاہر ہونے دیا کہ وہ اسے چاہتے ہیں ان پہ مہذب اور شریفانہ طرز عمل ہی اسے ان سے محبت کرنے پر مائل کر گیا کہ وہ اسے چاہ کر اپنے والدین کے ہمراہ اس کا رشتہ مانگنے آئے تھے وہ اس رشتے سے خوش نہیں بہت زیادہ خوش تھی اور سعدان پیرزادہ یہ رشتہ طے ہونے پر ایسے خوش تھا جیسے اسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آ گئی ہو اس سے نکاح نامے پر دستخط سے دوری کے یہ چار دن گزارنا محال ہو رہے تھے مگر وہ خوشی خوشی تیاری کر رہا تھا اپنی من چاہی دلہن کو عید مبارک اور نکاح مبارک کہنے کی تیاری۔

عید کا دن بھی اپنی تمام تر رونقوں، برکتوں اور خوشیوں کے نذرانے لے کر آ گیا تھا، نماز عید کے بعد مساجد میں گھروں میں گلیوں بازاروں میں خوب رونق ہلچل اور گہما گہمی ہو گئی تھی، عید مبارک کی خوشی میں ڈوبی آوازیں، خیر مبارک کے جوابی مسکراتے جملے، چہکتے کھلتے ہنستے عیدی مانگتے بچے، مہندی کی مہکار، چوڑیوں کی جھنکار ہر طرف عجب سماں باندھے ہوئے تھے۔

''عظیم ہاؤس'' بھی بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا جہاں جو نیک دل انسان ایک دوجے کو نکاح کے مقدس بندھن میں قبول کر رہے تھے، اجالا کے نکاح نامے پر اقراری دستخط کیا ہوئے سعدان پیرزادہ کو اپنی نیکی کا اجر اور عید کا تحفہ مل گیا تھا، سفید کرتا شلوار میں وہ بہت وجیہہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا اور اس کی طرف سے بھیجے گئے نکاح کے لائیٹ پنک ڈیزائنر عروسی جوڑے میں میچنگ چوڑیوں، گجروں، دلکش میک اپ اور

جیولری میں دلہن بنی اجالا، سعدان پیرزادہ کے دل و روح میں اجالا بکھیرتی جا رہی تھی، اسے تو ساری کائنات کی دولت و محبت مل گئی تھی۔

''عید کا تحفہ بہت بہت مبارک ہو بیٹے۔''

فیضان پیرزادہ نے سعدان پیرزادہ کو خوشی سے گلے لگا کر کہا۔

''تھینک یو ڈیڈی، تھینک یو سو مچ۔'' وہ ان کی گردن پر بوسہ دے کر خوشدلی اور تشکر سے بولا۔

''عظیم بھائی! عید الفطر کے دن ہمارے بچوں کا نکاح ہوا ہے اور عید الاضحیٰ کے چاند ہم اپنی بہو کو رخصت کروا کر لے جائیں گے۔'' شبنم بیگ نے مسکراتے ہوئے پروفیسر عظیم بیگ چغتائی کو مخاطب کر کے کہا تو سعدان پیرزادہ نے سرگوشی کی۔

''ممی! ابھی کیوں نہیں؟''

''بیٹے! صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔'' فیضان پیرزادہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے آہستگی سے کہا تو شبنم بیگ اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر فوراً بولیں۔

''بالکل صحیح، سیکھو اپنے ڈیڈی سے کچھ۔''

''اتنا لمبا صبر نہیں کروں گا میں۔'' وہ جھٹ سے بولا تو وہ دونوں ہنس پڑے، سب دلہن اور دولہا کو تحائف اور مبارکباد دے رہے تھے، عظیم بیگ چغتائی نے صرف قریبی رشتے داروں کو مدعو کیا تھا اور ان میں ان کے بڑے بھائی نعیم بیگ چغتائی، نصرت بیگ، فرحت بیگ ان کے گھر کے دیگر افراد اور کنزی کی فیملی موجود تھی، کنزی بھی اجالا کے نکاح سے بہت خوش تھی، سعدان پیرزادہ اسے اجالا کے بہترین انتخاب لگا، اس نے دل ہی دل میں اجالا کی ڈھیروں خوشیوں کی دعائیں مانگ لیں۔

''اجالا اب آپ کی بیٹی ہیں بھابھی، آپ جب چاہیں انہیں اپنے ساتھ لے جا سکتی ہیں، بس اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ ہمارے بچوں کو سدا خوش آباد رکھے۔'' پروفیسر عظیم بیگ چغتائی نے دل سے کہا تو سب بولے۔

''آمین۔''

''اللہ کے فیصلے انسان کے فیصلے سے کہیں زیادہ بہتر ہوا کرتے ہیں، اچھے لوگوں کو اچھے لوگوں کا سنگی، ساتھی بنا دیتا ہے وہ ہم جیسوں کی سازشیں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں، حق سچ تو صرف اللہ ہے نا، پھر بھلا اس کے سامنے ہمارا مکر و فریب اور جھوٹ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے، ہم اگر کسی کو خاطر میں نہیں لائیں گے تو وہ بھی ہمیں خاطر میں نہیں لائے گا، ہم کسی کو اس کی حیثیت کی وجہ سے جلن اور حسد کی آگ میں جل کر برباد کرنا چاہیں گے تو وہ بھی ہمیں ہماری اوقات یاد دلا کر رہے گا، میں نے سیکھ لیا ہے کہ اگر میں زندگی میں کسی کے ساتھ برا کروں گی تو میرے ساتھ اس سے کہیں زیادہ برا ہو گا، اپنی غلطی سدھارنے کے لئے میرا یہی سمجھنا کافی ہو گا، اللہ اجالا کو خوش رکھے۔'' فرحت نعیم بیگ نے اجالا اور سعدان پیرزادہ کو ایک صوفے پر بیٹھے دیکھ کر دل میں سوچا۔

دولہا دلہن کا فوٹو سیشن ہو رہا تھا، فیملی فوٹوز کھینچی جا رہی تھیں۔

''اسے کہتے ہیں خوش قسمتی جو صرف اللہ دیتا ہے، بندہ چھیننا بھی چاہے تو چھین نہیں سکتا، اللہ کی مرضی کے آگے ہماری مرضی دھری کی دھری رہ گئی، اجالا نیک سیرت تھی لہٰذا اسے اس کی نیکی کا پھل مل گیا۔'' نصرت بیگ نے دل میں سوچا۔

''عظیم نے جو کہا تھا کر دکھایا، سچ اور صاف دل کے لوگوں کی راہیں تو اللہ خود ہموار

ہے، نہیں کسی فرعونیت اور جاہلیت کا مظاہرہ کر رہا تھا، میرا غرور اس نے میری ہی بیٹی کے ذریعے توڑ ڈالا، اللہ تعالیٰ میری بھتیجی کو ہمیشہ خوش رکھے اسے کوئی دکھ نہ ملے اور مجھے معاف کر دے اللہ۔" نعیم بیگ چغتائی نے دل میں کہا۔

اجالا اور سعدان پیرزادہ کے گھر والے سبھی بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہے تھے، کھانا لگا تو سب کھانے کے لئے ڈائننگ ہال میں چلے گئے، اجالا اور سعدان پیرزادہ کے لئے کھانا الگ سے، ان کے سامنے ٹیبل پر لگا دیا گیا۔

"دولہا بھائی! نکاح کے فوراً بعد آپ کو اپنی دلہن کے ساتھ لنچ کرنے کا موقع مل رہا ہے، بسم اللہ کیجئے اور نکاح بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔" کنزی جو بہت خوش نظر آ رہی تھی، سعدان پیرزادہ کو دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں بولی۔

"بہت بہت شکریہ سالی صاحبہ! آپ بھی بیٹھئے ہمارے ساتھ کھانا کھائیے۔" وہ خوشگوار اور مہذب لہجے میں بولا۔

"نہیں بھئی مجھے کباب میں ہڈی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے آپ کی پہلی عید ہے اپنی دلہن کے ساتھ انجوائے کیجئے۔" کنزی شوخ و شریر لہجے میں کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی وہ اس کی باتوں سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس پڑا۔

"بہت اچھی ہیں آپ کی دوست اور کزن۔" سعدان پیرزادہ نے الوہی حسن کی ملکہ اجالا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔" وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"لیکن آپ سے کم۔" وہ بولا۔

"آپ کھانا شروع کیجئے۔" وہ بات بدل گئی۔

"آپ اپنے ہاتھوں سے کھلا دیجئے۔" وہ شوخ لہجے میں بولا۔

"فی الحال تو آپ اپنے ہاتھوں سے کھائیے۔" وہ ہمت کر بولی۔

"اچھا جی، ارے ہاتھ سے یاد آیا ہمارے پاس آپ کے لئے کچھ ہے۔" یہ کہتے ہوئے سعدان پیرزادہ نے اپنے اسٹائلش کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ مخملی چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر کھولی، اس میں ہیرے کی بہت نفیس اور نازک سی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

"یہ ہے آپ کا نکاح کا تحفہ، میں پہنا سکتا ہوں۔" سعدان پیرزادہ نے انگوٹھی اسے دکھاتے ہوئے اجازت چاہی تھی، اجالا شرمائی، جھجکتی پھر دھیرے سے بایاں ہاتھ آگے کر دیا، سعدان پیرزادہ نے اس کے کومل سے نازک ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں پکڑا اور انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔

"یہ ہے آپ کا عید کا تحفہ اور یہ ہے نکاح کا تحفہ۔" سعدان پیرزادہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وائیٹ گولڈ کا خوبصورت اور دیدہ زیب ڈیزائن والا بریسلٹ اجالا کی نازک کلائی کی زینت بنا دیا۔

"پسند آیا آپ کو؟"

"جی بہت خوبصورت ہے، بہت شکریہ۔" اجالا نے دل سے اس کے دیئے ہوئے تحفوں کی تعریف کی۔

"تو اب مجھے بھی دیجئے۔" وہ اس کے حسن صبیح چہرے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا؟" اجالا نے تحیر سے نگاہیں اٹھا کر اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھا تھا اور سعدان پیرزادہ کو ان آنکھوں کی خوبصورتی اور گہرائی میں اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"عید کا تحفہ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں ہوں ناں، آپ کا عید کا تحفہ اس سے اچھا تحفہ بھی کوئی اور ہو سکتا ہے آپ کے لئے؟"
اجالا نے مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں بڑے فخر و مان سے کہا تو وہ اس کی شوخی اور حاضر جوابی پر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"جی نہیں آپ میرے لئے صرف عید کا تحفہ ہی نہیں ہیں بلکہ زندگی بھر کا تحفہ ہیں اور اس سے زیادہ حسین قیمتی اور انمول تحفہ میرے لئے کوئی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ آپ میرا پیار ہیں اور پیار قسمت والوں کو ملا کرتا ہے میں عید کے دن کو اپنے اللہ کی اس مہربانی پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔" سعدان پیر زادہ نے اس کو دیکھتے ہوئے دل سے خوشی سے کہا۔

"میں بھی۔" وہ مدھم شہد آگیں لہجے میں بولی۔

"سچ۔" وہ خوش ہو گیا۔

"جی۔" اجالا نے مختصر جواب دیا۔

سعدان پیر زادہ کے دل و روح میں خوشی کی لہر دوڑا دی، یہ احساس ہی اس کے لئے بہت فرحت بخش تھا کہ اجالا بھی اس سے پیار کرتی ہے وہ اپنی خوشی بیان کرنے سے قاصر تھا، اس نے اس کے اظہار شکر کے طور پر ٹیبل پر سجے لوازمات میں سے شیر خورمہ ایک پیالی میں نکالا اور چمچ بھر کر اجالا کے منہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ٹھنڈی میٹھی محبت بھری عید مبارک اجالا سعدان۔"

"آپ کو بھی عید مبارک ہو۔" یہ کہہ کر اس نے شیر خورمہ اس کے ہاتھ سے کھایا تو کنزی نے ان کا یہ خوبصورت لمحہ اپنے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا اور شوخی سے بولی۔

"عید مبارک۔" وہ دونوں کنزی کی اس حرکت پر تو دونوں ہی ہنس پڑے، عید بھی ان کی خوشیوں میں شریک ہوئی مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

"وہ گھرانہ بہترین گھرانہ ہے جس میں کسی
یتیم کی پرورش کی جارہی ہو اور بدترین گھرانہ ہے
وہ جس میں کسی یتیم کے ساتھ زیادتی کی جارہی
ہو ہمارے پیارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت
کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے
دو انگلیوں کو ملا کر کہا سبحان اللہ میری بہنو اتنا
قریبی ساتھ مقدر والوں کو ملے گا یہ دور مفلسی کا
دور ہے خود غرضی کا دور ہے مگر خود غرض مت بنو
آخرت پر نظر رکھو دنیا کی زندگی چند دن کی ہے
آخرت کی زندگی دائمی ہے آقائے دو عالم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی سنت کو تھام کر آخرت کی
زندگی کو اپنے نام کر لو میری بہنو وقت مختصر ہے
زندگی پانی کا بلبلہ ہے ہر سانس اللہ کی امانت ہے
اس امانت میں خیانت نہ کرو پیارے آقا کی سنت
سے منہ نہ موڑو، میری بہنو اپنے آس پاس نظر
دوڑائیں کہیں کسی یتیم کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہو
رہی کہیں کوئی یتیم تڑپ تو نہیں رہا کہیں کسی کونے
میں چھپ کر اپنے آنسو اپنے اندر تو نہیں اتار رہا
آپ اپنے آس پاس دیکھیں کوئی بن ماں باپ کا
بچہ حسرت بھری نظروں سے تو نہیں دیکھ رہا اگر
آپ میں سے کسی نے یتیمی کی حالت میں پرورش
پائی ہے تو صعوبتوں کو جانتی ہوں گی کہ بن ماں
باپ بچوں کا کیا حال ہوتا ہوگا وہ کن حسرتوں میں
پلتے ہیں بیمار ہوتے ہوں گے تو ان کے سرہانے
ماں نہیں بیٹھی ہوتی جو اس کی پیشانی پر ٹھنڈے
پانی کی پٹیاں پیشانی پر رکھے آیات شفاء پڑھ رہی
ہو، باپ نہیں جو اس کے لئے بھاگ دوڑ کرے
دوا کے لئے، ارے یتیم کو کوئی ماں جیسا پیارا
پرشفقت بوسہ لینے والا نہیں ملتا اس کی رات
حسرتوں میں گزرتی ہے کانٹوں پر گزرتی ہے،
دن کی لعنت ملامت [illegible] سوچتے آنسو بہاتے گزرتی

یہ کہہ کر وہ چند پل خاموش ہوئی اور پھر
بولیں۔
"میری بہنو میرے خیال میں قرآن خوانی
کے بعد میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا
ہے مگر یہ بھی ضروری تھا جاتے جاتے بس اتنا
کہوں گی یتیموں کی بددعا سے ڈرو کیونکہ ان کے
قریب اللہ کی ذات ہوتی ہے اللہ ہم سب کو نیکی
کرنے کی توفیق دے حقوق اللہ حقوق العباد اور
سب سے بڑھ کر سنت نبوی پر عمل کرنے کی توفیق
دے آمین۔" اور پھر آنسوؤں کی روانی میں وہ دعا
کرنے لگی دعا کے ختم ہونے پر اس نے منہ پر
ہاتھ پھیرے اور آنسوؤں کو اپنے دوپٹے میں
جذب کر لیا، اس کے خوبصورت لب ولہجے نے
بہت سے لوگوں کی سوچ کو بدل دیا اور ایسے میں
عاصمہ جو اپنی دوست کے گھر اس محفل میں شریک
تھی معلمہ کے ہر لفظ پر کانپ اٹھی دل خوف سے
کانپ رہا تھا کہ یتیموں کی آہ اور اللہ کے درمیان
کوئی پردہ نہیں، یتیموں کی بددعا جلدی سنی جاتی
ہے اس کے آنسو اس کے اندر ہی گر رہے تھے
بمشکل کھانا کھایا اور لرزتے قدموں سے گھر
واپس آگئی۔

☆☆☆

"اونہہ میں کام کرنے والی مشین ہوں نا
میں، سارا دن دو بچوں کے پیچھے ہلکان ہوتی ہوں
اب اس نئی مصیبت کو بھی اٹھا لائے اوپر سے اتنی
مہنگائی اپنی ضروریات کیا کم ہیں اس نمونے کے
اخراجات ایک وقت کی روٹی کھانا مشکل ہے اور
کجا کہ زندگی بھر کی ضروریات پوری کرنا دم چھلے کو
ہر وقت ساتھ رکھنا۔" عاصمہ کا غصے سے برا حال
تھا وہ ڈرائنگ روم کی سیٹنگ بھی کر رہی تھی، مگر
ساتھ مسلسل بڑبڑا بھی رہی تھی اس کا بس نہ چل
رہا تھا کہ رضا کے ساتھ آئے بچے کو اٹھا کر

[illegible] مگر خاموشی میں ہی عافیت
جانی وہ یہ سب باتیں رضا کے سامنے نہیں کہہ سکتی
تھی، اس لئے اکیلے میں ہی دل کی بھڑاس نکال
رہی تھی۔

☆☆☆

رضا اور نور العین دو بہن بھائی تھے اپنے
والدین کے ساتھ اپنی زندگی میں خوش رضا نے
اپنے والدین کے رضا مندی سے اپنی یونیورسٹی
فیلو سے لو میرج کی نور العین کی شادی اس کے تایا
زاد منیب سے ہو گئی والدین اپنے بچوں کو اپنی
زندگیوں میں خوش و مطمئن دیکھ کر وقفے وقفے
سے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے قدرت نے
رضا کے آنگن میں علی اور ندا کی صورت میں دو
پھول کھلائے جبکہ نور العین کے ہاں ایک بیٹا زین
تھا، چھ سالہ زین سکول میں تھا تو نور العین اور
منیب کسی عزیز کی عیادت سے واپس آ رہے تھے
کہ روڈ ایکسیڈنٹ میں زندگی سے محروم ہو گئے،
سکول میں سبق پڑھتا ننھا زین جانتا ہی نہ تھا کہ
اس پر کون سی قیامت گزر گئی ہے وہ اپنے پیاروں
سے بچھڑ گیا ہے روتی آنکھوں اور بین کرتے
دلوں کے ساتھ دونوں کو منوں مٹی تلے آخری گھر
میں دفنا دیا گیا۔

☆☆☆

رضا اپنے معصوم سے بھانجے کو دیکھ کر خون
کے آنسو روتا جس کی متلاشی نگاہیں اپنے پیارے
مما پاپا کو تلاش کرتیں وہ اپنی اکلوتی بہن کے
بچھڑنے پر ٹوٹ سا گیا اسے عالم میں اس کی
شدت سے دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے بھانجے کو
اپنے ساتھ لے جائے مگر کشمکش میں تھا وہ جانتا تھا
کہ زین کے ساتھ اس کی ددھیال کا سلوک
مارے بندھے ذمہ داری نبھانے والا ہے اور پھر
ایک دن زین کے تایا نے خود ہی کہہ دیا کہ اگر
آپ زین کو لے جانا چاہتے ہیں [illegible]
کیونکہ اس کا سکول آپ کے گھر کے قریب ہے
ہمیں مشکل پیش آتی ہے اسے لانے لے جانے
میں رضا کی تو دلی مراد بھر آئی تھی اور وہ اپنے
پیارے بھانجے کو گھر لے آیا عاصمہ نے ڈھکے
چھپے لفظوں میں برا بھی منایا مگر رضا کے سامنے
مکمل طور پر اپنی ناگواری کا اظہار نہ کیا زین جو
اپنے مما پاپا کے ساتھ ان کے گھر آتا تو کتنا چہکتا
تھا لیکن اب خاموش سا ڈرا سہما خوفزدہ اور پھر ہر
گزرتے وقت کے ساتھ عاصمہ کی ناگواری میں
اضافہ ہوتا گیا جلتی کڑھتی خاموشی تھی، اپنے بچوں
سے محبت کرتی ان کے پسند کے کھانے بناتی اس
نے کبھی زین پر توجہ نہ دی پاس آتا بھی تو جھڑک
دیتی رضا اس کی ناگواری پر اسے ڈانٹا دیر تک
اپنے اس پیارے کو خود سے لپٹائے رکھتا شاپنگ
کرواتا کھلونے لے کر دیتا مگر وہ ننھا پھول بس
کملائے جا رہا تھا خاموش سا زین جس کی
آنکھیں ہر وقت پانی سے بھریں اپنے مما پاپا کی
یاد میں روتا دل، علی ندا زین سے بہت پیار کرتے
اسے کھلونے دیتے مما سے چھپ کر اپنے لئے
بنائے گئے نوڈلز دیتے ہر وقت اس کی اپنی ننھی
ننھی باتوں سے دلجوئی کرتے لیکن عاصمہ کی
ناگواری میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

”رضا اب مجھ سے نہیں ہوتا یا پھر علیحدہ
سے کوئی میڈ رکھ لو اپنے اس چہیتے کے لئے، پہلے
کیا کم ذمہ داریاں ہیں سارا دن کولہو کے بیل کی
طرح کام کرتی ہوں۔“ وہ غصے سے سنگھار میز پر
ہیئر برش پٹختے ہوئے بولی۔
”اب کیا کہہ دیا اس معصوم نے عاصمہ
کیوں تمہاری سوچ اتنی چھوٹی ہے یہی سمجھ لو وہ بھی
تمہارا ہی بچہ ہے اور زین تو ہے ہی معصوم سا

تمہیں کب تنگ کرتا ہے اور جانتا ہوں میں جتنی ذمہ داریاں تم اس کی نبھاتی ہو صفائی دھلائی کے لئے میڈ آتی ہے اوتلی کوکنگ تم خود کرتی ہو پھر بھی۔'' رضا نے اس غصے کو نظر انداز کرتے دھیمے لہجے میں کہا۔

''بس اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا بھیج دیں اسے بورڈنگ یا کسی یتیم خانے میں۔'' وہ رضا کے لہجے کی نرمی پر شیر ہوئی۔

''چٹاخ، تم ایک ناشکری عورت ہو تنگ آ گیا ہوں میں تمہاری روز کی ان فضول باتوں سے کیوں بھیجوں میں اسے کسی بورڈنگ یا یتیم خانے میں وہ یتیم نہیں میری ماں جائی کا خون ہے میری اکلوتی بہن نور العین کا خون ہے تمہارا دل اتنا تنگ ہو گا تم اتنی کم ظرف ہو گی میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' وہ غصے سے کہتا کمرے سے نکل گیا، جبکہ وہ اپنے دایاں رخسار پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی تھپڑ سے رخسار جل رہا تھا وہ حیران سی تھی اور اس لمحے شدت سے دل میں ناگواری کے جذبات امڈے۔

رضا زین کے کمرے میں آیا تو وہ سو رہا تھا وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور دو آنسو آنکھوں سے نکل کر زین کے گھنے بالوں میں جذب ہو گئے اور اپنے ہاتھوں سے اس کے چہرے کے سامنے کیا تو دل کٹ سا گیا کہ اس سوئے ہوئے اینجل کے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں یقیناً آج پھر عاصمہ کی کسی بات و ڈانٹ پر وہ روتے روتے سویا ہو گا رضا نے سسکتے ہوئے اپنے نچلے لب کو دانت تلے دباتے اپنی سسکیوں کو اندر ہی دبایا اور زین کا بوسہ لے لیا اور پاس ہی لیٹ کر دل ہی دل میں اللہ سے بہتری کی دعا کرنے لگا۔

☆☆☆

عاصمہ اس واقعے کے بعد رضا سے بہت کم بولتی اور اب زین پر دھیان بھی کم دیتی صبح خود رضا زین کو ناشتہ کرواتا سکول کے لئے تیار کرتا اور پھر ان تینوں بچوں کو سکول چھوڑ کر آفس چلا جاتا سکول واپسی پر وہ خود ہی یونیفارم چینج کر کے کتابیں نکال کر پڑھنے بیٹھ جاتا عاصمہ کا دل ہوتا تو اسے کھانا نکال کر دے دیتی نہیں تو وہ بھوکا ہی رہتا یہ عمر تو اس کی کھیلنے خوب شرارتیں کرنے اور ناز اٹھوانے کی تھی مگر ناز کون اٹھاتا ماں تو تھی ہی نہیں ناز تو مائیں اٹھاتی ہیں نخرے برداشت تو مائیں کرتی ہیں شرارتیں تو اپنے پاپا بہن بھائیوں کے سنگ کی جاتی ہیں وہ ننھا سا پھول تو بس ماں باپ کو یاد کرتے روتا رہتا چھپ چھپ کر اگر عاصمہ آنی دیکھ لے تو اسے منحوس بد بخت جیسے القاب سے نوازتی اس کا بہت دل چاہتا کہ عاصمہ مما اسے بھی علی و ندا کی طرح پیار کریں مگر نہیں وہ تو اس سے نفرت کرتی تھیں اور اس نفرت کی وجہ تلاش کرنے پر بھی ننھے زین کو نہ ملتی۔

☆☆☆

وہ جب سے محفل سے واپس آئی تھی اس کی دلی کیفیت میں بے چینی تھی انتظار تھا اور پھر روز مرہ کی طرح آفس ڈرائیور بچوں کو سکول سے لے کر گھر چھوڑ گیا ڈیلی روٹین کی طرح ندا اور علی بھاگ کر اس کے گلے لگ گئے اور چہکتے ہوئے اپنی سکول روٹین بتانے لگے اور زین ننھے ننھے قدم اٹھاتا اندر جانے لگا۔

''زین!'' وہ اس پکار پر سہم کر رک گیا اور پھر عاصمہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور کب کے رکے آنسو ندامت کے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔

''آنی کیا ہوا؟'' زین نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''زین میری جان مجھے آنٹی مت کہو، مجھے مما کہو میں تمہاری مما ہوں مجھے مما کہو مجھے مما بولو زین بولو نا۔'' وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں پکڑتے ہوئے بولی۔

''مما!'' زین نے بہتے آنسوؤں میں کہا تو عاصمہ نے اسے گلے لگا لیا اور تینوں کے آنسو صاف کیے، یونیفارم چینج کروائے۔

''آج میں نے اپنے تینوں بچوں کے لئے نوڈلز بنائے ہیں بلکہ آج بریانی اور سویاں بھی بنا کر میں اپنے جگنوؤں کو آج اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گی۔'' وہ ان کے یونیفارم ہینگ کرتے ہوئے بولی، زین بھی مسکرا رہا تھا جبکہ علی اور ندا تو بے تحاشا خوش تھے اپنی مما کی رات کو زین کے لئے محبت کو دیکھ کر اور عاصمہ کو بھی اپنا آپ آج بہت مسرور لگ رہا تھا جب رضا سے معافی مانگی تو وہ دل ہی دل میں اس کایا پلٹ پر حیران ہوا۔

''تمہیں احساس ہوا بہت خوشی ہوئی آئی پراؤڈ یو آئی ایم ویری لکی کہ مجھے اللہ نے اتنی اچھی بیوی دی۔'' رضا نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ بھی کھلکھلا دی اور اپنی قسمت پر ناز اں کہ رب تعالیٰ نے اسے رضا جیسا نیک و اعلیٰ صفات والا ہم سفر دیا وہ جتنا بھی رب کا شکر ادا کرتی کم تھا۔

☆☆☆

''اگر میرے بچے......'' اور صرف اس آدھے ادھورے سوال نے ہی اس کی سوچوں کی دنیا کو بدل دیا اور اس نے رو رو کر رب سے معافی کی التجاء کی اور زین پر اپنی ممتا نچھاور کر دی وقت گزرتا اور آج پورے اٹھارہ سال بعد اس کے بچے اس کا فخر بن گئے علی نے انجینئرنگ کی اور آج وہ ایک کامیاب انجینئر تھا ندا نے بہت کوششوں سے بمشکل بی اے کیا اور تعلیم کو خیر باد

[illegible] سنبھال لیا کیونکہ اسے صرف [illegible] کھانے بنانے اور گھرداری کا شوق تھا اور عاصمہ کو جس بیٹے پر فخر تھا وہ زین تھا جو کہ سی ایس ایس کا امتحان پاس کر کے آج ایس پی کے عہدے پر فائز تھا۔

اس کی ایک لمحہ کی سوچ نے اس کے احساسات کو بدل دیا وہ بہت شکر ادا کرتی کہ رب نے اسے بروقت لمحہ آگہی عطا فرما کر کسی بہت بڑی خطا سے بچا لیا ورنہ اگر وقت گزرتا جاتا تو آج اس کے دل پر ایک بوجھ ہوتا لیکن وہ رب کے شکر گزار تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر کو اپنی رحمت سے روشن کر دیا آج سب اپنی اپنی جگہ خوش و مطمئن تھے زین کی ذمہ داری مشکل نہ تھی بس ظرف کو وسیع کرنا تھا اور اس نے اپنے دل کو وسیع کر لیا اور رب کی شکر گزار بن گئی آج وہ سب بہت خوش تھے کیونکہ زین و ندا کی شادی ہے اور وہ سب ہنستے کھلکھلاتے ہوئے فوٹو سیشن کروا رہے تھے اور یہ منظر اک مکمل اور چاہت و خوشیوں بھرا منظر تھا زین عاصمہ سے بے پناہ محبت کرتا اس کی ہر بات پر لبیک کہتا ہر حکم بجا لاتا اور زین نے ان کے گھر کے ساتھ ہی نیا لگژری بنگلہ خرید لیا کیونکہ آخر اب اس نے مسز ندا زین کے ہمراہ اپنے بنگلہ میں ہی رہنا تھا اور عاصمہ کے لئے یہی لمحہ خوش ترین لمحوں میں سے تھا جب خود زین نے ندا کے لئے اس کے سامنے دست دراز کیا اور آج گھر میں شہنائیاں گونج رہی تھیں اور وہ اس خوبصورت منظر کو دیکھتی دل ہی دل میں اپنے بچوں کی نظر اتارتی سجدہ شکر کے لئے اندر بڑھ گئیں کہ جتنا بھی رب کا شکر ادا کرتیں کم تھا۔

☆☆☆

تری اسا دگی بھی کمال ہے

شبانہ شوکت

''آؤچ'' سج سج کر مال کی سیڑھیاں چڑھتی مشائم کو اوپر سے دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتے شخص سے ٹکر ہوئی تھی، وہ پلٹ کر پیچھے گرتی کہ امیمہ نے لپک کر اسے تھام لیا تھا۔

''سنبھل کر مشی۔''

''میں سنبھل کر چلوں اور یہ جو اندھے بھینسے کی طرح آ کر ٹکرائے ہیں، ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟'' وہ اسی پر الٹ پڑی تھی۔

''I am so sorry ma,m''۔

اس نے معذرت خواہانہ ہاتھ اٹھائے، مشائم نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر ساکت رہ گئی تھی، یہی کیفیت امیمہ کی بھی تھی، مقابل تھا ہی ایسا پیارا کہ دونوں سحر زدہ انداز میں اسے دیکھتی رہ گئیں تھیں، وہ بڑی دلکشی سے مسکرایا تھا، غالباً ان کا خود کو دیکھ کر ساکت ہونا بھانپ گیا تھا۔

ناولٹ

''میں دوبارہ معذرت چاہتا ہوں۔''

''نہیں ٹھیک ہے، ہو جاتا ہے ایسا۔'' مشائم کی آواز میں خود بخود نرمی اتر آئی تھی، وہ ایک بار پھر مسکرایا تھا اور ہاتھ الوداعی انداز میں ہلا کر باقی سیڑھیاں تیزی سے اتر گیا تھا، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے مڑ کر دیکھتی رہیں۔

''چلیں۔'' امیمہ نے مشائم کو متوجہ کیا، وہ سر ہلاتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

☆☆☆

''ہائے نام ہی پوچھ لیتی اس شاندار بندے کا۔'' مشائم کو رہ رہ کر تاسف ہو رہا تھا، امیمہ کو ہنسی آ گئی۔

''چلو اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا، پھر سہی۔'' مشائم اچھل پڑی۔

''پھر سہی، کیا پھر سہی، پھر کہاں ملے گا وہ۔''

''یار کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی تو ملے گا ہی

نا۔'' امیمہ نے تسلی دی، مشائم کو تشفی تو نہیں ہوئی مگر امید بندھی "May be" وہ بڑبڑائی، ویسے اسے کیا کمی تھی، اتنے فرینڈز تھے، اتنے فینز تھے، چاہنے والے، اس کی نظر التفات کے منتظر، پر بس دل ہی تو تھا، کہیں بھی، کسی پر بھی آ جائے، وہ ٹاپ کلاس ماڈل تھی سپر ماڈل، ملک اور بیرون ملک فیشن شوز ہوتے جن میں اس کا سب سے اہم حصہ ہوتا، فیشن شوٹ، میگزین شوٹ کروانی، ابھی بھی وہ دوبئی میں ایک فیشن شو کے لئے ہی آئی تھی، اب جاتے جاتے شاپنگ کرنے آئی تو یہ خوبصورت حادثہ پیش آ گیا، ٹھنڈی آہ بھر کر وہ کافی پینے لگی اور امیمہ اس کا سامان پیک کرتی رہی وہ اس بار امیمہ کو ساتھ لائی تھی تو یہ فالتو کام کروانے کی سہولت ہو گئی تھی، پاکستان میں، گھر میں اتنے ملازمین تھے کہ اسے کبھی امیمہ کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی، اس کے والد کی اپنی بزنس ایمپائر تھی اور وہ اسے مزید بڑھانے کے چکر میں ہلکان رہتے تھے، مشائم کا ایک بھائی تھا بلال جو آسٹریلیا میں تعلیم حاصل کر کے جاب کر رہا تھا والد کے احتجاج کے باوجود، وہ تنہا اس بزنس کو سنبھالنے میں ہلکان ہو رہے تھے اور بیٹا بجائے ان کا بازو بننے کے پرائی نوکری کر رہا تھا۔

''پلیز ڈیڈ، کچھ عرصہ Experience حاصل کر لوں، پھر تو پاکستان آنا ہی ہے، بزنس کو دیکھنا ہے، آپ کے اور مام کے ساتھ رہنا ہے، آپ کے ساتھ کو انجوائے کرنا ہے، اب اس وقت مجھے تھوڑا سا ٹائم دے دیں۔'' امیمہ اس کے ڈیڈ جلال خان کی کزن کی بیٹی تھی، اس کی والدہ کی بریسٹ کینسر میں ڈیتھ کے بعد اس کے والد نے دوسری شادی کر لی اور دوسری بیوی سمیت سعودیہ شفٹ ہو گئے، ان کی جاب وہیں تھی، امیمہ کو نانی اور بیوہ خالہ نے سنبھالا، نانی کے انتقال پر جلال وہاں تعزیت کے لئے آئے تو حلیمہ خالہ، جنہیں وہ حلیمہ آپا کہتے تھے اور امیمہ کو اپنے ساتھ ہی لے آئے، انعم جلال (مشائم کی والدہ) نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔

یوں زندگی بسر ہونے لگی، وہ دونوں انیکسی میں رہتی تھیں، جلال ایک معقول رقم حلیمہ کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو، جس میں امیمہ کی پڑھائی کا خرچہ بھی شامل ہوتا، جو ملازمین کی فوج ان کے گھر کام کرتی تھی، اسی میں سے دو خواتین جنت اور زینت آ کر کپڑے، برتن اور صفائی کر جاتی تھیں، حلیمہ ان سب کے لئے انعم اور جلال کی بہت مشکور تھیں، امیمہ نے ایم اے اکنامکس کر لیا تھا اور اب مختلف جگہوں پر جاب کے لئے اپلائی کر کے کال لیٹر کے انتظار میں مشائم کے ساتھ ٹائم پاس کر رہی تھی، ویسے تو مشائم بہت بزی رہتی تھی مگر جب فرصت میں ہوتی تو امیمہ کو بلا کر اس کے ساتھ خوب گپ شپ لگاتی، اپنی شاپنگ دکھاتی، مل کر دونوں مووی دیکھتیں، پر صرف تب جب مشائم کو فرصت ہوتی۔

☆☆☆

''کتنی دیر ہو گئی، کب بلائیں گے، میں تو بیٹھی بیٹھی بھی اکڑ گئی ہوں۔'' امیمہ نے کوفت سے سوچا، وہ انٹرویو دینے آئی تھی اور اب طویل انتظار کے صبر آزما مرحلے سے گزر رہی تھی، اس نے بے چینی سے ارد گرد دیکھا، جہاں اور بھی لڑکیاں انتظار میں بیٹھی تھیں، کوئی اپنے سیل فون پر مصروف تھی تو کوئی میگزین دیکھ رہی تھی، کافی دیر نہیں جا کر اس کا نمبر آیا، وہ اپنے آپ کو خود ہی بک اپ کرتی اندر داخل ہوئی، وہاں ایک بڑی ٹیبل کے پیچھے تین مرد موجود تھے، دونوں ادھیڑ عمر تھے، تیسرا نوجوان لڑکا تھا، ...

وہی تھا جو مشائم سے شاپنگ مال کی سیڑھیوں پر ٹکرایا تھا اور وہ کتنے دن اسے سوچ سوچ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی رہی تھی، ہائے کتنا اچھا موقع ہے کہ اس سے تھوڑی سی جان پہچان بنا کر اس کا کانٹیکٹ نمبر ہی لے لوں تو مشی کتنی خوش ہو گی، اس کے لئے پہلے تو خوش خلقی کا مظاہرہ کرنا چاہئے، تاکہ جواباً وہ بھی اچھا امپریشن دے، وہ اسے بطور خاص دیکھتے ہوئے بڑے دل سے مسکرائی تھی، وہ اچنبھے میں گھرا اسے گھورنے لگا۔

''یہ کس لئے اتنی فری ہو رہی ہے۔'' چور نظروں سے ساتھی حضرات کو دیکھا جو پہلے تو مارے حیرت کے ساکت ہی رہ گئے تھے اور اب پہلے نووارد لڑکی کو (جو بلاشبہ بہت خوبصورت تھی، گولڈن براؤن بڑی بڑی سوئی، جاگی آنکھیں (غلافی) گوری رنگت، تیکھے نقوش اور گولڈن براؤن بال اور کھلتے رنگوں کے لباس میں یوں مسکرائی بہت ہی پیاری لگ رہی تھی) کو پھر اسے دیکھا، جس کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہو رہی تھی

''تشریف رکھئے۔'' کھردرے لہجے میں اسے مخاطب کیا، وہ جلدی سے بیٹھ گئی، مسکراہٹ البتہ بجھ سی گئی تھی۔

(بڑا روکھا بندہ ہے، بس شکل ہی پیاری ہے) وہ تینوں باری باری بڑے پروفیشنل انداز میں اس سے سوال پوچھنے لگے اور وہ اعتماد سے جواب دیتی رہی، جب انٹرویو ختم ہوا تو وہ باہر آ کر ایک سائیڈ پر بیٹھ گئی تھی، اسے اس نوجوان کا انتظار تھا، جس کے لئے مشائم بے قرار تھی، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد جب ساری لڑکیاں چلی گئیں تو وہ کمرے سے باہر آیا تھا اور وہ جو بھوک اور تھکن سے نڈھال ہو رہی تھی، اسے دیکھتے ہی چاق و چوبند ہو کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''ایکسکیوزمی سر! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے؟'' وہ تو حیرت سے مجسم ہی ہو گیا تھا۔

(یہ ابھی تک یہیں ہے)

''آپ کو یاد ہو گا، میں اور میری کزن دوبئی میں آپ سے شاپنگ مال کی سیڑھیوں پر ملے تھے، ایکچوئلی آپ کی ٹکر ہو گئی تھی، میری کزن کے ساتھ تو......'' وہ جلدی جلدی بتانا چاہ رہی تھی۔

''اوہ۔'' اسے یاد آ گیا۔

''اچھا تو وہ ہی آپ؟''

''جی جی۔'' وہ ایسی خوش ہوئی جیسے ہفت اقلیم کی دولت اسے مل گئی ہو۔

''یہ یاد دہانی آپ اپنی سفارش کے لئے......''

''نو، نو سر، ایسی کوئی بات نہیں ہے، مجھ میں ٹیلنٹ ہو گا تو جاب مجھے ضرور ملے گی، میں تو بس آپ سے آپ کا فون نمبر لینا چاہ رہی تھی۔'' اس نے کچھ زیادہ ہی بے صبری کا مظاہرہ کر دیا تھا، مقابل کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل گئی تھیں۔

''وہ سر! وہ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ...... وہ میں بس یونہی۔'' اس کی عقل جواب دے گئی کہ وہ اس سے فون نمبر مانگنے کی کیا توجیہہ بتائے۔

''میں ہر کسی کو اپنا نمبر نہیں دیتا اور آپ اپنے انٹرویو کے رزلٹ کا انتظار کریں۔'' وہ رکھائی سے کہتا وہاں سے چلا گیا، وہ مارے شرمندگی و خجالت کے وہیں جمی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

مشائم کو ڈیزائنر لان کی ماڈلنگ کرنی تھی، سو وہ شوٹ کی تیاری میں تھی، امیمہ کو تو اس کا کھانا پینا دیکھ کر ہنسی آتی تھی، انرجی ڈرنکس، اسکمڈ ملک اور سلاد یا فروٹ، بہت ہوتا ابلے ہوئے چائنیز

کھانے کھالئے، جم جانا تو ایسا ضروری تھا جیسے
سانس لینا، روزانہ اپنا وزن کرتی کہ غلطی سے
بڑھ تو نہیں گیا، آئینے کے سامنے گھوم پھر کر ہر
زاویے سے اپنے آپ کو چیک کرتی، کہیں انچ بھر
گوشت بڑھ تو نہیں گیا، پھر مطمئن ہو کر ایک
سائیڈ پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں، پیروں کو چیک
کرنے لگتی، وہ اپنا سارا وقت اپنی ذات پر خرچ
کرتی تھی۔

امیمہ نے اسے بھنک بھی نہیں پڑنے دی
کہ وہ ہینڈسم مین اسے ملا تھا ورنہ وہ تو پنجے جھاڑ کر
پیچھے ہی پڑ جاتی، جبکہ امیمہ پہلے ہی بہت شرمندہ
ہو چکی تھی اور مزید ہونے کے موڈ میں نہیں تھی،
مشائم کی شوٹنگ ہوٹل کے سوئمنگ پول کے
کنارے ہونی تھی، وہ امیمہ کو بھی ساتھ لے آئی
تھی، شوٹ شروع ہوا، امیمہ کچھ دیر اسے پوز
دیتے دیکھتی رہی پھر ٹہلتی ہوئی دوسری طرف چلی
آئی، کچھ آگے بڑھی تو چونک گئی، وہاں وہی
نوجوان کھڑا فون پر بات کر رہا تھا، وہ بھی اسے
دیکھ کر چونکا تھا۔

''جی فرمایئے؟'' تیکھے چتون سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، میں تو یونہی اس طرف آ گئی،
مجھے کیا معلوم آپ یہاں ہیں۔'' اس نے بھی بے
رخی سے جواب دیا۔

''لڑکوں کو تو لڑکیوں سے زبردستی فرینک
ہوتے دیکھا ہے مگر کسی لڑکی کا یوں فری ہونا کچھ
عجیب سا لگتا ہے۔''

''میں تو کوئی فری نہیں ہو رہی، بڑی خوش
فہمی ہے آپ کو۔'' وہ جل کر بولی، وہ ہنس پڑا۔

''چلیں یہی سہی، میرا فون نمبر کیوں چاہئے
تھا آپ کو، یہ تو بتا دیں۔'' اب وہ کیا بتاتی، چپ
سی ہو گئی، وہ مسکرایا۔

''چلیں آئیں کوئی چائے وائے پی لیں۔''

''نہیں شکریہ، میں یہاں اپنی کزن کے
ساتھ آئی ہوں۔''

''وہی کزن، سیڑھیوں والی؟'' اس نے
ابرو اچکا کر پوچھا، امیمہ کھل اٹھی۔

''یعنی اسے یاد ہے مشائم، وہ بھولنے والی
چیز بھی تو نہیں۔''

''جی جی وہی، آپ ملیں گے اس سے؟''
اس نے کچھ سوچا، پھر کندھے اچکائے۔

''چلیں مل لیتے ہیں۔'' وہ بڑے فخر سے
اسے ساتھ لئے مشائم کے پاس آئی تھی، وہ شوٹ
ختم کر کے ایک کرسی پر بیٹھی نزاکت سے جوس
سپ کر رہی تھی۔

''مشی دیکھو تو وہی، وہ جو......'' وہ آئی تو
بڑے جوش سے تھی مگر اٹک گئی، اسے اس کا نام
تک معلوم نہیں تھا، مشائم سے کیا کہہ کر تعارف
کرواتی، بس پیچھے اشارہ کر کے رہ گئی، مشائم اس
نوجوان کو دیکھ کر بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہائے آئی ایم مشائم جلال۔'' بڑے
اسٹائل سے ہاتھ بڑھایا۔

''ہیلو آئی ایم مشیم زعیم۔'' اس نے
مسکراتے ہوئے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

''آہ۔'' امیمہ نے آنکھیں بند کر کے سکون
کی سانس لی تھی، کس قدر خوشگوار منظر تھا، وہ
دونوں یعنی مشائم اور مشیم ایک دوسرے کے
آمنے سامنے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے، بالآخر
وہ اپنے ''نیک مقصد'' میں کامیاب ہوئی، یعنی
مشائم کے آگے سرخرو ہو گئی۔

''اوہوں۔'' ہلکی سی کھنکار پر اس نے چونک
کر آنکھیں کھولیں۔

''میرا نمبر اگر آپ نوٹ کرنا چاہیں تو۔'' وہ
اس کے بالکل پاس کھڑا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''جی جی بالکل۔'' اس نے جلدی سے ہینڈ

بیگ سے سیل فون نکالا اور اس کا نمبر سیو کر لیا۔
"تھینکس۔"
"اوکے، اب میں چلتا ہوں بائے۔" وہ مسکرا کر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ بے یقینی سے اپائنٹ منٹ لیٹر کو دیکھ رہی تھی، یعنی اس جاب مل گئی تھی، میثم زعیم کی پرسنل سیکرٹری کی جاب، اس کے آفس میں، جہاں وہ روزانہ اس سے نہ صرف مل سکے گی، بلکہ اسے اور مشائم کو قریب لانے کے لئے جو بن پڑا وہ کرے گی، اس کا فون نمبر اس نے مشائم کو دے دیا تھا، اس نے میثم کو فون کیا یا نہیں، امیمہ کو خبر نہیں تھی، اپنی جاب کا بھی اس نے مشائم کو بتایا تھا اور اس نے کسی خاص ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، بس عام سے لہجے میں اسے اطلاع دی تھی۔
"میثم کے فادر زعیم خان ڈیڈ کے بہت اچھے دوستوں میں سے ہیں۔" وہ چونک کر رہ گئی۔
"تمہیں کیسے پتا چلا؟"
"یونہی ڈیڈ سے ذکر کیا تو انہوں نے بتایا۔"
وہ لاپرواہی سے کہہ کر بالوں میں برش چلانے لگی، امیمہ نے عقیدت سے سر ہلایا۔
"واقعی ایسا ہو سکتا ہے، انکل کے دوست احباب کا سلسلہ تو نجانے کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔"
"تو تم نے اپنے دل کی بات بتا دی انکل کو؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا، مشائم نے سر جھکا۔
"ایسی بھی کوئی ایمرجنسی نہیں ہے، آہستہ آہستہ مزید ملاقاتیں ہوں، کچھ اس کا مزاج پتا چلے تو ڈیڈ سے بھی بات ہو جائے گی۔" امیمہ کو اس پر رشک آیا تھا، کتنے تحمل سے وہ ہر کام سوچ سمجھ کر رہی تھی اور ایک وہ (خود) جو اسے دیکھتے ہی بونگوں کی طرح منہ اٹھا کر اس سے جلد از جلد تعارف حاصل کرنے کی کوشش میں اپنا امپریشن ہی خراب کر بیٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ بڑی تندہی اور فرض شناسی سے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دے رہی تھی، اس وقت میثم اسے بلوا کر اپنی ضروری اپائنٹ منٹس لکھوا رہا تھا، جب سارا کام مکمل ہو گیا تو اٹھتے اٹھتے اسے خیال آیا۔
"Excuse me sir آپ کے پاس کسی لڑکی کا فون تو نہیں آیا؟" میثم نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔
"کس لڑکی کا؟ کیا کسی لڑکی کا فون آنا چاہیے تھا اور اگر آنا بھی ہے تو اس سے آپ کو کیا دلچسپی ہے؟"
"نہیں سر وہ میں کہنا یہ چاہ رہی تھی۔" اور بے گھبراہٹ کے سبب بھول گیا کہ کیا کہنا تھا اور کیا کہنے والی تھی۔
وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا جیسے کچھ سوچ رہا ہو پھر یوں بھنویں اچکائیں جیسے سب سمجھ گیا ہو۔
"تو آپ نے جو مجھ سے میرا فون نمبر لیا تھا، وہ کسی اور کو دیا تھا اور غالباً اسی کے فون کا پوچھ رہی ہیں آپ؟"
"اتنا صحیح اندازہ؟" وہ منہ کھولے ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی، تردید کرتی بھی تو کیسے؟
"ٹھیک ہے آپ میری پرسنل سیکرٹری ہیں لیکن اتنی بھی پرسنل نہیں کہ میرے فون کا بھی حساب رکھنے لگیں۔" وہ پانی پانی ہو گئی۔
"اینی وے یہ لیں میرا فون اور چیک کر لیں کہ آپ کا مطلوبہ نمبر اس میں موجود ہے یا نہیں۔" اس نے اپنا مہنگا ترین فون جیب سے

نکال کر اس کے سامنے ٹیبل پر پھینکا۔

''مجھے تو اتنے فون آتے ہیں کہ کچھ یاد نہیں آپ کس کے متعلق پوچھ رہی ہیں۔'' اس کی تو مارے شرمندگی کے ایسی حالت تھی کہ زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتی، وہ کچھ دیر اس کے فون اٹھانے کا انتظار کرتا رہا پھر آگے ہو کر اپنا فون اٹھا لیا۔

''Ok you may go now۔''

اسے غالباً اس پر ترس آ گیا تھا، وہ تو یوں اس کے آفس سے نکلی جیسے پستول سے گولی، مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ اس کے ہونٹوں پر کیسی خوبصورت مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''مشی تم کبھی آؤ نا آفس، سر میثم سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور انڈر اسٹینڈنگ بھی ڈیولیٹ ہوگی۔''

''اف ایمی۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔

''ایسی فضول بات تم ہی کر سکتی ہو، میں کیا اتنی گئی گزری ہوں کہ اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے ایسی چیپ حرکتیں کروں، میں تو جس طرف اشارہ کر دوں، وہ اسے ہی اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے، تم اپنی ایڈوائس رہنے ہی دیا کرو۔''

وہ سچ کہہ رہی تھی مگر امیمہ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی یکطرفہ کوششوں کا رزلٹ تو سوائے شرمندگی کے کچھ نہیں آ رہا تو وہ کچھ تو خود بھی ہاتھ پیر ہلائے، ابھی بھی اسے مشائم نے ہی بلایا تھا، جس ڈیزائنر لان کی اس نے ماڈلنگ کی تھی، انہوں نے وہ سارے پہنے ہوئے کپڑے اسے دے دیئے تھے اور وہ کب ایسے دوپٹہ والے کپڑے پہنتی تھی سو اس نے سب اٹھا کر امیمہ کو دے دیئے تھے، اتنے مہنگے سوٹ اور بہترین ٹیلرز کے سلے ہوئے، اس کی تو خوشی سے باچھیں ہی چر چر گئی تھیں، آفس جانے کے لئے تو ایک سے ایک لباس درکار تھا، وہ کھول کھول کر سارے سوٹ دیکھنے لگی۔

''ہائے ان میں زیادہ تر کی تو آستین ہی نہیں ہیں۔''

''تو لگوا لو، خالہ کو بولو، وہ کپڑا لا کر لگا دیں گی۔'' وہ سارے سوٹ خالہ کے پاس لے آئی، انہوں نے تسلی دی کہ وہ اسے آستین بنا دیں گی، اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

میثم کے آفس میں اس کے دو دوست آئے ہوئے تھے، کافی دیر سے تینوں کی محفل جمی ہوئی تھی، وہ اپنی معمول کی ڈکٹیشن لینے اندر گئی تو ان کا بھی تعارف حاصل ہوا، ریان اور عزین، دونوں ہی بڑھے ہینڈسم تھے اور خاص طور پر ان دونوں کی آنکھیں بھی میثم کو ہی طرح بہت خوبصورت تھیں۔

''اللہ، تینوں کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔'' اس کے با آواز بلند تبصرے نے تینوں کو چونکا دیا تھا۔

''جی کیا فرمایا آپ نے؟ کس کے متعلق؟'' عزین تھوڑا سا اس کی طرف جھکا، وہ ناگواری سے پیچھے ہوئی۔

''میں نے تو کچھ نہیں کہا؟'' یعنی میڈم اپنے تبصرے سے خود ہی بے نیاز تھیں، عزین اور ریان نے میثم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، اس نے کندھے اچکا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

''آپ نے ہم تینوں کی آنکھوں کی تعریف کی ہے۔'' ریان نے مسکراہٹ دبا کر کہا، امیمہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے اتنی پھیل گئیں کہ دگنے سائز کی ہو گئیں۔

''میں نے تو سوچا تھا۔''
''اور با آواز بلند سوچا تھا۔'' میثم نے طنز کیا۔
''اوہ سوری، غلطی ہوگئی۔'' اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔
''ہماری تعریف کرنے کو آپ غلطی کہہ رہی ہیں، یہ تو زیادتی ہے آپ کی۔'' ریان کے لہجے میں شرارت ٹپک رہی تھی۔
''اور یہ غلطی آپ کرتی رہا کریں، یقین مانیں ایک خوبصورت لڑکی کے منہ سے اپنی بے ساختہ تعریف سن کر ہمارا کلو دو کلو تو خون ضرور ہی بڑھا ہے۔'' عزین کے کہنے پر اسے شرم آگئی وہ اٹھ گئی۔
''میں جا سکتی ہوں سر؟'' اس نے سر ہلا کر اجازت دی، وہ تیزی سے باہر آئی تھی، مگر پھر بھی ان کے ہنسنے کی آواز اس نے سن لی تھی اور اپنی سیٹ پر بیٹھنے تک وہ پسینہ پسینہ ہوگئی تھی۔

☆☆☆

جلال انکل کو بہت بڑی کوئی کامیابی ملی تھی اور انہوں نے اس سلسلے میں ایک پارٹی ارینج کی تھی گھر پر ہی، اب انعم اور جلال کا اپنا حلقہ احباب ہی اتنا بڑا تھا پھر مشائم کے شوبز کے اسٹارز اف پارٹی جگمگا اٹھی تھی، مشائم کی ہم عصر ماڈلز، جن کی برائیاں کرتے، مشائم کا منہ تھکتا نہیں تھا، ان کے ساتھ اب وہ کیسے کھلکھلا رہی تھی، امیمہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی، پروفیشنل جیلسی تھی نا جو اس سے ان کی برائیاں کرواتی تھی۔
''میثم سے ملی ہو تم؟'' وہ اپنی نگرانی میں سب مہمانوں کو جوس سرو کروا رہی تھی، جب مشائم نے پاس آکر یہ دھماکہ کیا تھا، اس غریب کے لئے تو دھماکہ ہی تھا تبھی تو وہ اچھل پڑی۔
''کک...... کہاں ہیں، سر میثم کہاں ہیں؟ کیا وہ بھی آئے ہیں؟''
''وہ لان کے دائیں کونے میں ڈیڈ کے ساتھ۔'' مشائم کی نشاندہی پر وہ گرتی پڑتی وہاں پہنچی تھی اور دل تھام کر رہ گئی تھی۔
''ہائے کتنا پیارا لگ رہا تھا بلیک سوٹ میں، مشائم کی قسمت میں دنیا کی ہر اچھی چیز کیوں ہوتی ہے۔'' امیمہ نے پہلے ایک طویل ٹھنڈی سانس لی پھر اسے سلام کیا تھا۔
''ایمی بیٹا تم ذرا یہاں رکو، میثم کو کمپنی دو، میں ابھی آیا۔'' جلال کسی کو دیکھ کر یہ کہتے تیزی سے وہاں سے چلے گئے، وہ خواہ مخواہ اسے دیکھ کر مسکرائی، میثم نے ہونٹوں کو یوں سکوڑا جیسے مسکراہٹ چھپائی ہو۔
''آپ کو کچھ چاہیے سر؟''
''مثلاً کیا دے سکتی ہیں آپ؟'' لہجہ تو سادہ ہی تھا پر وہ پتا نہیں کیوں کنفیوز ہوگئی تھی۔
''وہ سر! میں کہنا چاہ رہی تھی کولڈ ڈرنک یا جوس وغیرہ۔'' اس نے بولنے کے بجائے ایپل جوس کا گلاس اس کی آنکھوں کے عین سامنے لہرایا، کنفیوز تو وہ پہلے ہی تھی اب تو حالت ہی غیر ہوگئی تھی، کچھ دیر خاموشی چھائی رہی، پھر ہمت کر کے اسی نے مخاطب کیا تھا۔
''آپ میری کزن سے ملے سر؟''
''آپ کی کزن، مشائم جلال؟'' ابرو اٹھایا، امیمہ کے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے بھی ہاں میں جواب دیا۔
''ہاں ابھی یہیں تھیں وہ۔''
''کتنی پیاری ہے نا وہ، جہاں موجود ہو، وہاں روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے ایکدم دل خوش ہو جاتا ہے اسے دیکھ کر۔''
''کس کا؟'' بڑے رسان سے پوچھا تھا اس نے اور وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''کس رکا کیا مطلب؟ سب کا سر۔''
''یہ تو کوئی اچھی بات نہیں، عورت تو پردہ میں ہی اچھی لگتی ہے نہ کہ سب کا دل خوش کرنے والی۔'' اس نے تڑ تڑ جواب دیا۔
''تو ثابت ہوا کہ سر میثم کی کیمسٹری امیمہ سے تو کم از کم بالکل نہیں ملتی تھی، ورنہ کسی بات میں تو اس کی تائید کرتے، یہاں تو سیدھی بات کا بھی الٹا جواب۔'' پر وہ ہمت ہارنے والی تو ہر گز نہیں تھی۔
''نہیں سر وہ ایسی تو نہیں، وہ تو......''
''وہ جیسی بھی ہیں، مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں۔'' وہ قطعی لہجے میں بات ختم کرنے کے لئے ہاتھ اٹھا کر بولا تو وہ روہانسی ہی ہو گئی۔
''ایسے تو نہ کہیں سر، وہ اتنی اچھی ہے کہ......''
''مس امیمہ!'' بڑے ٹھنڈے لہجے میں اسے ٹوکا تھا۔
''آپ کو دوسروں کی تعریفیں کرتے بلکہ کرتے رہنے کا اتنا شوق کیوں ہے آخر۔''
''دوسروں کی تو نہیں، یہ تو میری اپنی کزن ہے۔''
''خیر میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا لیکن شاید یہ آپ کا اسٹائل ہے کہ دوسروں کی تعریف کر کے اصل میں آپ خود کو اچھا ثابت کرنا چاہتی ہیں، جو بھی ہے، میں اب چلتا ہوں، مجھے ایک اور جگہ بھی جانا ہے، میں جلال صاحب کو بتا دوں اور آپ کو بھی ایک بات بتا دوں کہ۔'' وہ اس کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بہت آہستگی سے گویا ہوا۔
''آپ یوں تیار ہو کر بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا اور وہ خواب کی سی کیفیت میں گھڑی کی گھڑی رہ گئی تھی، چاروں طرف ایک ہی آواز کی گونج تھی۔
''آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔''

☆☆☆

صد شکر کہ دوسرے دن اتوار تھا ورنہ اس کے لئے تو سر میثم کا سامنا کرنا بہت مشکل ہوتا، تیسرے دن وہ خود پر کافی حد تک قابو پا چکی تھی، وہ آیا، اسے معمول کے مطابق طلب کیا، وہ ہمت کر کے اندر آئی، سلام کر کے سامنے بیٹھ گئی، وہ تو ویسے ہی تھا ہمیشہ کی طرح سنجیدہ، کچھ دیر اس سے ڈسکس کرنے کے بعد اطلاع دی۔
''میں ایک ہفتے کے لئے سنگاپور جا رہا ہوں، میرے پیچھے مکرم صاحب لک آفٹر کریں گے تو آپ بھی مکرم صاحب کو اسسٹ کریں گی، ڈیڈ بھی آتے رہیں گے لیکن چارج سارا مکرم صاحب کے پاس ہوگا۔''
''جی سر!'' وہ اجازت لے کر اپنے کیبن میں آ گئی، اس نے یونہی اس رات اس کی ذرا سی تعریف کر دی اور وہ معاملہ کہیں کا کہیں لے گئی، اب اندر کہیں تھوڑی سی مایوسی ہوئی تھی اس کے روکھے رویے پر۔
زعیم صاحب، میثم کے سنگاپور جانے کے دو دن بعد آئے تھے، بہت زبردست پرسنالٹی کے مالک، میثم کے والد کو ایسا تو ہونا ہی چاہئے تھا، وہ مکرم صاحب سے ڈکٹیشن لے رہی تھی، زعیم صاحب سربراہی کرسی پر بیٹھے مختلف فائلیں دیکھ رہے تھے، جب ہنگامی طور پر عزین کی آمد ہوئی تھی۔
''اف......اف......اف میں تو اکیلا شدید بور ہو گیا ہوں، مومی کا بچہ رونی کو بھی ساتھ لے گیا، اب میں تنہا کیا کروں۔''
''تو تم بھی چلے جاتے ساتھ، کیوں اکیلے

رہے پیچھے۔'' زعیم مسکرائے، نظر ابھی بھی سامنے موجود فائل پر تھی۔

''میری ماما مجھے باہر جانے سے منع کرتی ہیں۔'' اس نے منہ بسورا، زعیم صاحب کھلکھلائے۔

''تو انہیں بتاؤ کہ میں اب بڑا ہو گیا ہوں، باہر جا سکتا ہوں۔''

''انہیں یقین ہی نہیں آتا۔'' اس نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔

''تو کیا کیا جائے انہیں یہ یقین دلانے کے لئے کہ عزین میاں بڑے ہو گئے ہیں، ہوں۔'' انہوں نے سوچنے کی اداکاری کی، پھر چند لمحوں بعد چٹکی بجائی۔

''گڈ آئیڈیا تمہاری شادی کی بات نہ چلائی جائے۔''

''فی الحال تو ان کا کوئی ایسا ارادہ نہیں ہے لیکن یہ ضرور فرماتی ہیں کہ میری شادی یہیں اسی شہر میں کروائیں گی کہ مجھے بیوی کے ساتھ دور دور نہ جانا پڑے۔''

''اچھی اپروچ ہے بھابھی کی، میرا خیال ہے ہمیں بھی مومی کے لئے ایسا ہی سوچنا چاہئے۔''

''اگر وہ آپ کی سوچ کے مطابق چلا تو۔'' وہ خاصا منہ پھٹ تھا، زعیم ایک بار پھر ہنس پڑے تھے، مکرم صاحب کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی، وہ خاموشی سے بیٹھی تینوں کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو ہنسنے مسکرانے کا ٹیکس دینا پڑتا ہے؟'' وہ اچانک اس سے مخاطب ہوا تھا، وہ ہڑبڑا گئی۔

''نہیں تو۔''

''تو پھر آپ بعد میں ہنستی ہوں گی۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے سر ہلایا تھا اور اس بار تو مکرم صاحب بھی زور سے ہنسے تھے، امیمہ کو تو خاک سمجھ نہیں آئی کہ اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے۔

''ویسے یہ مومی کی بہت بڑی زیادتی ہے کہ ان کے آفس میں ہنسنے مسکرانے پر پابندی لگائی ہوئی اور ان کی Loyality دیکھیں، یہ اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کی نافرمانی نہیں کر رہیں۔''

''بہت اچھی سیکرٹری ہیں یہ ماشاء اللہ۔''

''Enough yaar۔'' زعیم نے ہنستے ہوئے تنبیہ کی تھی۔

''مائنڈ بھی کر سکتی ہیں۔'' آنکھوں سے امیمہ کی طرف اشارہ کیا۔

''مائنڈ ہوگا تو مائنڈ کریں گی نا۔'' وہ بدبدایا۔

''میں جاؤں سر۔'' وہ ساری باتوں سے بے نیاز مکرم صاحب سے اجازت لے رہی تھی اور ان کے اجازت دینے پر تیزی سے باہر آ گئی تھی۔

☆☆☆

راحت فتح علی خان کی شام غزل منائی جا رہی تھی، میثم ریان اور عزین جا رہے تھے، امیمہ کو شگفتہ نے بتایا تھا، عین چھٹی کے ٹائم اسے میثم نے طلب کیا تھا اور بغیر کوئی تمہید باندھے پوچھا تھا۔

''آپ چلیں گی شام غزل میں؟''

''میں سر؟'' وہ حیرت کی زیادتی سے کرسی پر بیٹھنا ہی بھول گئی تھی۔

''جی آپ اور تو کوئی نہیں ہے یہاں۔'' ٹھنڈے لہجے میں طنز کیا گیا تھا۔

''میں کیسے جاؤں گی؟'' اس کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔

''میرے ساتھ جائیں گی بلکہ ہم تینوں کے

ساتھ۔''

''میں ایک اکیلی لڑکی'' خود کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا مگر میثم کیا منہ کیوں اتنا سرخ ہوگیا تھا یہ سمجھ نہیں آئی، وہ اپنی جگہ سے اس کے پاس آ گیا۔

''آپ کے خیال میں ہم تینوں کس قسم کے لڑکے ہیں۔'' لڑکے پر زور دیا تھا۔

''وہ، میرے کہنے کا مطلب ہے میری تو کوئی کمپنی ہی نہیں ہوگی۔'' اب بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

''تو کمپنی کا کام بھی کیا ہے وہاں، جسٹ غزلیں سننی ہیں۔''

''تو آپ اپنے دوستوں کو کیوں لے جا رہے ہیں؟'' مارے خفگی سے منہ سے پھسلا تھا۔

''کیونکہ وہ ہم تینوں کا فیورٹ سنگر ہے۔'' اس نے چبا چبا کر کہا۔

''فیورٹ تو میرا بھی ہے پر خالہ پتا نہیں اجازت دیں یا نہیں۔'' اس بار وہ منمنائی تھی۔

''تو آپ ان سے پوچھ لیں۔''

خلاف توقع خالہ فوراً مان گئیں۔

''مشائم بھی ہے وہاں، اسی کے ساتھ آ جانا۔'' سو وہ تینوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی، ریان ڈرائیونگ سیٹ پر، عزین فرنٹ سیٹ پر اور میثم پچھلی سیٹ پر امیمہ سے قدرے فاصلے پر بیٹھا تھا، گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی عزین اسٹارٹ ہو گیا تھا۔

''لوگوں کی قسمت دیکھو، من چاہی ہستیاں پہلو میں لئے بیٹھے ہیں اور ایک ہم ہیں صنف کرخت ہی پہلو میں ملتی ہے۔''

''جیسا منہ، ویسی چپیڑ۔'' جواب ریان نے دیا تھا۔

''تو پتا سیم کیس ہے تیرے ساتھ بھی، تو کون سا کسی حسینہ کے پہلو میں موجود ہے۔''

''ہاہاہا۔'' ریان کا قہقہہ کار میں گونج اٹھا۔

''اپنے بارے میں ایسے ریمارکس مسٹر عزین ہی دے سکتے ہیں۔'' عزین اور میثم دونوں ہنس پڑے تھے، ایکدم عزین نے مڑ کر امیمہ کو دیکھا، وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''خیر سے یہ ٹریک ریکارڈ Contineouse چلا آ رہا ہے، جب سب ہنستے ہیں تو یہ مسکراتی تک نہیں میں تو سمجھا تھا کہ یہ پابندی آفس تک ہے پر یہ تو یہاں بھی۔'' اس نے افسوس سے سر ہلایا، وہ دونوں پھر سے ہنس دیئے، امیمہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''انہیں اتنی ہنسی کیوں آتی ہے؟'' وہ گاڑی سے اترے تو میثم نے اس کے قریب آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا، امیمہ کو کرنٹ لگا تھا، اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی، وہ اتنی بے نیازی سے سامنے دیکھتا ہوا چل رہا تھا جیسے یہ اس کا معمول ہو، اسی طرح وہ اسے لئے ہال میں چلا آیا، شوبز کے بڑے بڑے اسٹارز آئے ہوئے تھے، مشائم بھی انہی کے ساتھ موجود تھی، امیمہ نے اسے متوجہ کرنے کی اپنی سی کوشش کی تو مگر اس نے دیکھا ہی نہیں، میثم اسے ایک سائیڈ پر بٹھا کر خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا، ریان اور عزین، میثم کے برابر میں بیٹھ گئے تھے، وہ سمٹ سی گئی تھی، تین غزلوں کے بعد ہائی کا بریک لیا گیا تو مشائم اٹھ کر اپنی ایک ساتھی اسٹار کے ساتھ چلی بھی گئی، امیمہ نے بھی اٹھنا چاہا تو میثم نے ٹوکا تھا۔

''آپ کیوں اٹھ رہی ہیں؟''

''وہ میری کزن جا رہی ہے تو میں......''

''آپ میرے ساتھ آئی تھیں اور میرے

ساتھ ہی جائیں گی۔"
"خالہ نے کہا تھا مشائم کے ساتھ واپس آنا۔" وہ منمنائی تھی۔
"تو انہوں نے آپ سے پوچھا؟ کیسے آپ ان کے ساتھ جاسکتی تھیں۔" وہ لاجواب ہوگئی، پر بے چینی ایسی تھی کہ دوسرا بریک آتے ہی وہ بول اٹھی۔
"سر مجھے گھر جانا ہے، بہت دیر ہوگئی ہے۔"
"چلیں۔" وہ اٹھ گیا۔
"میں انہیں ڈراپ کر کے آتا ہوں۔"
ریان اور عزین کو بتا کر وہ اس کے ساتھ باہر آ گیا، اسے شرمندگی سی محسوس ہوئی کہ وہ اس کی خاطر اٹھا ہے۔
"آپ مجھے ٹیکسی کروادیں میں چلی جاؤں گی۔" وہ بغیر کوئی جواب دیئے گاڑی تک آیا، دروازے کھولے اور اندر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ بھی کردی، وہ تو پھرتی سے اندر بیٹھی تھی کہ مبادا وہ اکیلا ہی نہ چلا جائے، ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا، سنجیدہ چہرہ، خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا ہوا۔
"کیا کروں؟ معذرت کروں یوں بیچ میں اٹھ جانے پر یا رہنے دوں؟" اسی کشمکش میں پھنسی تھی کہ خالہ کی کال آگئی۔
"جی خالہ، آرہی ہوں خالہ۔"
"اس نے تو مجھے دیکھا تک نہیں، پوچھا بھی نہیں تو میں سب کے بیچ میں اٹھ کر کیسے اس کے پاس جاتی؟"
"آرہی ہوں نا گھر، پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے جھلا کر کہا اور فون بند کردیا۔
"کچھ کھانا پینا ہے؟" میثم نے اپنی خاموشی توڑی۔

"نہیں سر کچھ بھی نہیں۔" پھر وہ خاموش ہی رہا، گھر کے دروازے پر گاڑی رکی اور اس سے قبل کہ وہ گاڑی سے اترتی، گھر کے گیٹ سے بلال باہر آتا نظر آیا۔
"اوہ امی کیسی ہو یار، واؤ سو کیوٹ اینڈ پریٹی گرل۔" وہ گاڑی کے پاس آیا، وہ بھی نکل آئی تھی اور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"آپ اتنے اچانک؟"
"نہیں اچانک تو نہیں، گھر میں تو سب کو پتا تھا، تمہیں تو میں نے چار سال پہلے دیکھا تھا، اب تو تم بہت خوبصورت ہوگئی ہو۔" امیمہ کو چہرہ سرخ ہوگیا، اس نے مڑ کر تعارف کروانا چاہا مگر وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا لے گیا۔
"Who is he?"
"میرے باس ہیں سر میثم زعیم۔"
"اتنا ینگ باس؟" اسے حیرت ہوئی۔
"تو کمپنی ہی ان کے والد کی ہے اور آپ سنائیں کیسے ہیں؟"
"فٹ فاٹ اور تم کیسی ہو، جاب کیسی چل رہی ہے؟" وہ اس کے ساتھ ہی اندر آگیا، جس کام سے بھی باہر نکلا تھا، اسے بھول کر، پھر تو لاؤنج میں زبردست محفل جمی رہی تھی رات گئے تک، جس میں مشائم اور خالہ بھی شریک تھیں۔

☆☆☆

"یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ باس کے ساتھ شام غزل میں جایا جائے، یہ تو مشائم کا پتا چلا کہ وہ بھی وہیں ہے تو میں نے تمہیں اجازت دے دی ورنہ یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے، تمہیں زیادہ ہی شوق ہورہا تھا تو گھر آتیں اور مجھے ساتھ لے جاتیں، مشائم آکر کہنے لگی، مجھے کیا معلوم کہ امیمہ بھی وہاں گئی ہے۔" حلیمہ خالہ نے صبح صبح شروع کردیں۔

"حالانکہ اچھی طرح دیکھ چکی تھی وہ مجھے۔
وہ جل بھن گئی۔
"اچھا۔" خالہ کے لہجے میں استعجاب تھا۔
"چلو تم ہی پاس جا کر کہہ دیتیں کہ واپسی پر مجھے بھی لے چلنا، اب بھابھی پتا نہیں کیا سوچیں گی۔"
"اپنی بیٹی تو پتا نہیں کیا کیا کرتی پھرتی ہے، اس کی پروا نہیں اور میری ہر بات، ہر حرکت پر نظر ہوتی ہے۔"
"تو بیٹی کے سر پر وہ دونوں موجود ہیں نا اور اس کا بھائی بھی ہے، تمہارے لئے تو بس میں ہی ہوں ایک لولا لنگڑا سہارا۔" وہ آبدیدہ ہو گئیں تو اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔
"ایسے کیوں کہہ رہی ہیں خالہ، میرے لئے تو آپ سب کچھ ہیں۔"
"صحیح کہہ رہی ہوں بیٹا، بچیوں کی عزت تو آبگینے کی طرح ہوتی ہے ذرا سی خراش بھی خدانخواستہ اسے بدنما بنا دیتی ہے، آئندہ یوں فون پر اجازت مت لینا، نہ ہی باس کے ساتھ اس قسم کے پروگرام میں جانے کی ضرورت ہے، بلال بتا رہا تھا کہ بہت ینگ باس ہے تمہارا، تمہیں تو خود دھیان رکھنا چاہیے۔" اس کا دل چاہا وہ مشائم کے میثم میں انٹرسٹ کا خالہ کو بتا دے، مگر پھر خاموش رہی تھی۔

☆☆☆

مشائم نے اسے بلایا تھا اور نہ صرف اپنی تازہ ترین شاپنگ دکھائی تھی بلکہ اپنے عاشقوں کی فہرست میں ہونے والے نئے اضافے سردار اسید حیات کے متعلق بھی بتاتی رہی کہ وہ کیسے اس پر فدا ہے اور یہ بھی کہ یہ ساری شاپنگ اسی نے کروائی ہے۔
"اللہ کی شان ہے، ہمیں تو کوئی سو روپے کی چیز بھی نہیں دلواتا۔" امیمہ نے ٹھنڈی سانس بھری تھی، چونکہ حسب عادت با آواز بلند اپنی سوچ بیان کی تھی، تو مشائم نے ایک کٹیلی نظر اس پر ڈالی تھی۔
"یہ منہ اور مسور کی دال۔" یہ اس کی نظر کہہ رہی تھی۔
"بلال تمہاری بڑی تعریف کر رہا تھا۔"
"ہیں، کب؟" اسے تو بڑا صدمہ ہوا، ایک تو اس کی تعریف ہوتی ہی کبھی کبھار تھی اور وہ بھی وہ سن نہیں پائی تھی تو صدمہ کیسے نہ ہوتا۔
"دو تین بار کر چکا ہے، ویسے تمہیں بلال کیسا لگتا ہے؟"
"بلال بھائی تو ہیں ہی بہت اچھے، بہت شاندار۔" اس نے خلوص سے تعریف کی تھی۔
"اور اگر وہ تمہیں پرپوز کرے تو؟" امیمہ اچھل پڑی۔
"ہرگز نہیں، وہ تو اتنے اچھے ہیں کہ انہیں تو اچھی سے اچھی لڑکی مل سکتی ہے، مجھ میں تو کوئی خاص بات نہیں۔"
مشائم نے سکون کی سانس لی، اسے اس کی اور بلال کی بے تکلفی نے شک میں ڈال دیا تھا، بھائی سے بات کرنے سے پہلے اس نے امیمہ کو چیک کرنا مناسب سمجھا اور ٹھیک ہی رہا، امیمہ سے ہزار دل کی باتیں کر لیتی تھی لیکن اس کا اسٹینڈرڈ اب اتنا بھی گیا گزرا نہیں تھا کہ وہ اسے بھابھی کے روپ میں قبول کر لیتی۔

☆☆☆

"مس امیمہ آپ ریڈی ہو جائیں ہمیں صرف پانچ منٹ میں یہاں سے نکلنا ہے۔" میثم نے انٹرکام پر بتایا اور رابطہ ختم کر دیا، وہ جلدی جلدی سب سمیٹنے لگی اور ٹھیک پانچ منٹس کے بعد وہ گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی

تھی، کہاں جانا تھا اور کیوں جانا تھا اسے کچھ علم نہیں تھا، وہ آفس کے کچھ ہی دور موجود پارک کے اندر گاڑی لے گیا تھا۔

''آئیں۔'' وہ کچھ حیران سی اس کے ساتھ چلی آئی تھی، ایک سنگی بینچ پر بیٹھ کر اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ فاصلے پر ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''مجھے آپ سے ضروری باتیں کرنی تھیں، اس لئے آپ کو یہاں لایا ہوں۔'' اس نے تمہید باندھی۔

''اگر کسی کو کوئی پسند آ جائے دوسرے لفظوں میں محبت ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟'' میثم کے سوال پر امیمہ کا دل دھڑکا۔

''اوہ یعنی مشائم کا جادو چل گیا؟''

''فوراً اسے بتا دینا چاہیے بلکہ سیدھے راستے پر چلتے ہوئے پرپوز کر دینا چاہیے۔'' وہ جوش سے بولی تھی۔

''تو میں آپ کو پرپوز کرتا ہوں کیونکہ آپ مجھے بہت اچھی لگنے لگ گئیں ہیں Would you mery me۔'' اتنی غیر متوقع بات پر وہ ہکا بکا اس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

''مم...... مجھ سے...... آپ...... کک...... کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ ہکلا کر رہ گئی، اس بار میثم نے مسکراہٹ چھپانے کا کوئی تردد نہیں کیا تھا۔

''وہی جو آپ نے سنا ہے۔''

''لیکن آپ تو مشی نہیں بلکہ مشی، وہ آپ سے۔'' وہ اتنی بوکھلا گئی کہ کوئی جملہ بھی ٹھیک سے ادا نہیں کر پا رہی تھی۔

''ریلیکس، جسٹ ریلیکس، آرام سے بات کریں۔''

وہ کیا بات کرتی، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ میثم نے اسے پرپوز کیا ہے، مشائم جیسی ڈال... عالم کو چھوڑ کر اسے امیمہ مسعود جیسی عام سی

لڑکی کیسے پسند آ گئی ہے، اس نے حیرت سے اسے دیکھا، وہ بھی بغور اس کے رنگ بدلتے چہرے ہی کو دیکھ رہا تھا، اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔

''ایکچوئیلی میں وضاحت کرنا چاہتی ہوں کہ میری کزن کو آپ بہت پسند آئے تھے اور وہ آپ سے کانٹیکٹ کرنا چاہتی تھی، میں نے آپ سے فون نمبر بھی اسی لئے لیا تھا اور میں آپ سے زبردستی فرینک ہونے کی کوشش بھی اسی کے لئے کرتی تھی۔'' اس نے صاف گوئی سے سب بتا دیا تھا مگر جواب میں میثم کے چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ نے اسے حیرت زدہ کر دیا تھا۔

''میں ایکدم تو نہیں لیکن رفتہ رفتہ جان گیا تھا کہ آپ کیا چاہ رہی ہیں لیکن دل پر تو کسی کا اختیار نہیں ہے نا کہ اسے زبردستی کسی کو پسند ناپسند کرنے کے لئے مجبور کیا جائے، اب میرے دل کو آپ اچھی لگی ہیں تو میں مشائم کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

''وہ مجھ سے بہت ناراض ہو جائے گی۔''

''ہونا تو نہیں چاہیے، بہرحال پھر بھی وہ ایسی کوشش کریں تو انہیں کہیں کہ وہ مجھ سے کانٹیکٹ کر لیں، میں خود ہی ان سے بات کر لوں گا۔''

''ہاں جیسے وہ مان ہی تو جائے گی نا۔'' اس نے سوچا اور اٹھ گئی۔

''چلیں سر، دیر ہو رہی ہے؟''

''آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، میرے پرپوزل کا؟'' وہ بھی اٹھ گیا تھا۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتی؟''

''کیوں آپ کو میں پسند نہیں یا کوئی اور؟'' اس نے تڑپ کر میثم کو دیکھا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟''

”کچھ غلط تو پوچھ لیا کیا؟“ وہ چپ رہی تھی۔

”میں آپ کو ٹائم دیتا ہوں، آپ اچھی طرح سوچ کر جواب دیں، اگر ہاں میں جواب دیں گی تو میں اپنے پیرنٹس کو آپ کے گھر بھجواؤں گا۔“

امیمہ نے اسے دیکھا، ایسا نوجوان کہ جسے کوئی لڑکی بھی نظر بھر کر دیکھے تو دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو جائیں، جس کے پرپوزل کو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر ایکسپٹ کرلیا جائے، اس کے بارے میں وہ کیوں تذبذب میں تھی، اس کا جواب تھا نمک حلالی، وہ احسان فراموش نہیں کہلانا چاہتی تھی، اس کے محسن کی بیٹی جس شخص کے عشق میں گرفتار تھی، وہ اس شخص سے شادی کا سوچ بھی کیسے سکتی تھی، وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

☆☆☆

اس نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ بات مشائم سے ذکر تو کیا تھا، اس کا تو حیرت سے منہ ہی کھلا رہ گیا تھا۔

”میثم نے تمہیں پرپوز کیا، تمہیں، اوہ مائے گڈنیس، اتنی چیپ چوائس ہے اس کی I couldn,t imagine it۔“ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

”Wonderfull yaar“۔“ امیمہ شرمندہ سی بیٹھی اسے ہنستے دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں میثم کے بارے میں کیا معلوم ہے؟“

”مطلب کیا پتا ہونا چاہیے؟“

”اس کے پیرنٹس کون ہیں، وہ کس فیملی سے بی لانگ کرتا ہے؟“

”مجھے کیسے علم ہوگا؟“

”کس زمانے میں رہ رہی ہو تم، کیسی جانے...

دو۔“ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

”کتنے شاندار ہیں ناصر، پتا نہیں انہیں شوبز کے لوگوں بلکہ لڑکیوں سے نفرت کیوں ہے؟“

”بیچارے کو ڈھکی چھپی، سمٹی سمٹائی عورتیں پسند ہیں، جن پر کسی غیر کی نظر نہ پڑی ہو۔“

”عورت کو ڈھکا چھپا ہونا چاہیے نہ کہ سب کا دل خوش کرنے والی۔“ امیمہ کے دماغ میں میثم کا جملہ گونجا، وہ چونکی تھی۔

”تمہیں تو ان کے بارے میں سب پتا ہے۔“

”کسی کو صرف پسند کر لینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے متعلق ہر اچھی بری بات کا پتا ہونا چاہیے۔“ امیمہ نے توصیف آمیز نظروں سے مشائم کو دیکھا۔

”واقعی یہ سب یہی کر سکتی ہے، ایک میں ہوں جسے انہوں نے پرپوز تک کردیا پر مجھے ان کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں اور انہوں نے ہو سکتا ہے مشائم کی طرح میرے بارے میں سب معلومات کروالی ہوں، یعنی میری طرف سے ہر طرح مطمئن ہو کر ہی پرپوز کیا ہے مجھے۔“ دل میں کہیں خوشی کی لہر ابھری اور وہ طمانیت سے مسکرائی تھی، مشائم نے چبھتی نگاہ اس کی مسکراہٹ پر ڈالی تھی۔

”تو تم بہت خوش ہو اس کے پرپوز کرنے پر۔“

”پتا نہیں، ابھی میں اپنی فیلنگز سمجھ نہیں پائی۔“

”حالانکہ تم اچھی طرح یہ بات جانتی ہو کہ میں اپنی خواہش سے دستبردار نہیں ہوئی۔“ تنبیہ تھی یا دھمکی، وہ خائف ہوگئی۔

”میں نے تو انہیں تمہاری طرف متوجہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر جب تم خود ہی کوئی

اسے کبھی نہیں دکھاؤں گی تو صرف میری کوششوں سے وہ کیسے تمہاری طرف متوجہ ہوتے۔''
''تو تمہاری طرف کیسے متوجہ ہو گئے؟''
طنزیہ لہجے، تیکھے چتون۔
''ظاہر ہے میں سامنے ہوتی ہوں۔'' دل کڑا کرکے اس نے بھی سچ بول دیا تھا، مشائم کے تیور مزید کڑے ہوئے۔
''تمہارا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کے آفس میں اس کی ملازم بن جاؤں۔''
''میں نے تو اپنی سی ہر کوشش کر لی کہ وہ تمہیں دیکھیں، تم سے ملیں اور تم سے متاثر ہو جائیں مگر انہوں نے نجانے کیا سمجھا کہ مجھے ہی پرپوز کر ڈالا۔'' اس نے بے بسی سے ہاتھ مسلے تھے۔
''تم نے ابھی جواب تو نہیں دیا نا؟''
''نہیں ۔۔۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''دینا بھی نہیں ۔۔۔ شاید اچھا ہو تمہارے لئے۔'' امیمہ کو شک تھا کہ مشائم کو یہ سن کر غصہ آئے گا پر وہ اتنی مشتعل ہو جائے گی، یہ تو اس کے تصور میں بھی نہ تھا۔

☆☆☆

''آپ نے میرے پروپوزل کا جواب نہیں دیا؟'' وہ اس کے آفس میں تھی، جب اس نے سب کاموں سے فارغ ہو کر بڑی تسلی سے اسے مخاطب کیا تھا، وہ اگر یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے جواب نہ دینے پر وہ بھی یہ بات بھلا چکا ہے تو یہ محض اس کی غلط فہمی ہی تھی۔
''وہ سر! میں ایکچوئیلی اپنے کزن بلال بھائی سے انگیجڈ ہوں۔'' اس نے گھبرایا ہوا جواب دیا۔
''کب سے انگیجڈ ہیں؟'' بڑا غیر متوقع سوال تھا پر جواب تو دینا تھا۔

''بہت عرصہ ہو گیا۔''
''تو آپ کے ہاں Fiance کو بھائی کہتے ہیں۔'' اس کے استہزائیہ لہجے نے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے۔
''نہیں سر! وہ تو کہیں بھی نہیں کہا جاتا، مجھے تو بس عادت ہے تو۔''
''تو یہ عادت کسی نے چھڑوائی نہیں؟ یا شادی کے بعد چھوڑیں گی؟'' امیمہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
''یہ میرا پرسنل میٹر ہے کہ میں کسی کو کیا کہتی ہوں۔'' بے رخی سے کہہ کر اٹھ گئی، وہ مسکراتا ہوا لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا تھا، یعنی کہ کوئی اثر ہی نہیں، وہ جل گئی تھی۔

☆☆☆

انہی دنوں میں رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو گیا تھا سو ہر طرح کی روٹین تبدیل ہو گئی تھی۔ امیمہ اور خالہ روزے رکھ رہی تھیں اور بڑے اہتمام سے رکھ رہی تھیں، خالہ ہی سحری و افطاری تیار کرتی تھیں، امیمہ مقدور بھر مدد کروا دیتی تھی، اس کی تھکاوٹ کے پیش نظر وہ خود ہی منع کر دیتی تھیں، گرمیوں کے طویل اور شدید گرم روزے میں سوائے پیاس کے اور کچھ محسوس بھی نہیں ہوتا تھا، سو خالہ بھی زیادہ تر اسکوائش اور جوس وغیرہ ہی بناتی تھیں، دونوں مل کر نمازیں ادا کرتیں، قرآن پاک کی تلاوت کرتیں، رات میں ہی امیمہ صحیح عبادت کر پا رہی تھی، کیونکہ سحری میں وہ مارے باندھے اٹھتی، عین سحری ختم ہونے کے قریب ہوتی تب اور نماز پڑھ کر پھر سو جاتی پھر تقریباً آٹھ بجے اٹھ کر تیار ہوتی اور آفس چلی جاتی، ٹائمنگز چونکہ چینج ہو گئیں تھیں تو آفس سے جلدی چھٹی ہو جاتی اور وہ گھر آ کر ظہر کی نماز پڑھ کر پھر سے سو جاتی تھی، ایکسی کے دوسری طرف

یعنی جلال انکل کے گھر تو نماز روزے کا کبھی کچھ بھی پتا نہیں ہوتا تھا، سو اس بار بھی نہیں تھا، نہ کوئی روزہ رکھتا نہ سحری و افطاری کا اہتمام کرتا، ہاں البتہ عید بہت اہتمام سے منائی جاتی تھی، عید ملن پارٹیاں بھی ہوتیں، ہاں دو سے تین مرتبہ افطار پارٹی بھی ہوتی تھی، اس دن اٹھارواں روزہ تھا اور جلال صاحب کے ہاں افطار پارٹی تھی، اس سبب خالہ اور امیمہ بھی ادھر ہی پائی جا رہی تھیں، نماز مغرب کے بعد جب چائے کا دور چلا تو امیمہ جو انعم آنٹی کے پاس بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ بلال اسے بلانے آیا۔

''یہاں آؤ امی، تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔''

وہ اس کے ساتھ آئی تو سامنے میثم ریان اور عزین کو دیکھ کر ٹھٹک گئی، ان تینوں کے ساتھ ایک بہت ماڈرن لڑکی بلیک جینز اور گرین کرتی میں ملبوس بڑے اسٹائل سے کھڑی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے میثم کو سلام کیا تھا اور جواب بڑی ہی شگفتگی سے عزین نے دیا تھا۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں آپ؟''

''رمضان مبارک ہو آپ کو۔'' یہ ریان تھا۔

''آپ کو بھی بہت مبارک ہو۔'' اس کی آواز دھیمی تھی، جانے کیوں کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

''یہ میری کزن ہے ساشا ابراہیم۔'' ریان نے اس لڑکی کا تعارف کروایا۔

''اور یہ میری کزن ہے امیمہ مسعود۔'' بلال نے تعارف مکمل کیا، دونوں نے رسمی مسکراہٹ سے ہاتھ ملائے۔

''ساشا اپنی تعلیم کے سلسلے میں میرے ساتھ آسٹریلیا ہی میں ہوتی ہے، ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں اور عنقریب یہ دوستی ایک نئے رشتے میں تبدیل ہونے جا رہی ہے، لیکن عید کے فوراً بعد میری اور ساشا کی انگیج منٹ ہے۔''

''ہیں؟'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر بلال کو دیکھا، یہ کیسی بات کہہ دی اس نے؟ مگر بلال اور مشائم اسے اپنے معاملات میں اتنا انوالو کرتے ہی کب تھے کہ اسے ایسی باتوں کا علم ہو پاتا بے اختیار اس نے میثم کو دیکھا وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا، رمضان سے دونوں پہلے اس نے کتنے دھڑلے سے بلال کو اپنا منگیتر کہا تھا اور آج پول کہاں آ کر کھلا تھا۔

''ابھی ان دونوں کی باقاعدہ منگنی بھی نہیں ہوئی پھر بھی یہ بلال کو بلال بھائی نہیں کہتیں۔''

کیا جتایا تھا میثم نے اور کیا خوب جتایا تھا، امیمہ کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

''For God sake یار، میری فیانسی اور مجھے بھائی کہے، میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' بلال تو تڑپ اٹھا تھا، میثم ایک بار پھر امیمہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا اور اسے تو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر اس نے اس مقدس مہینے میں کون سا ایسا غلط کام کیا ہے کہ جس کی یہ سزا مل رہی ہے، اب بس اسی کی کسر تھی کہ وہ کھل کر کہہ دیتا کہ امیمہ نے تو بلال کو اپنا منگیتر بتایا تھا تو آج اس بھری محفل میں اس کی کیا عزت رہ جاتی۔

''یا اللہ مجھ پر رحم فرما میں نے کوئی چھوٹی سی نیکی بھی کی ہے تو اس کے صدقے مجھے اس وقت بے عزت ہونے سے بچا لے۔''

اس نے بہت دل سے دعا مانگی تھی اور قبولیت کی کوئی گھڑی تھی کہ اسی پل وہاں مشائم آ گئی اور اس نے سارا ماحول ہی تبدیل کر دیا تھا۔

''ہیلو گائز۔'' اس نے سب سے ہاتھ ملایا اور ساشا سے یوں باتیں کرنے لگی جیسے پتا نہیں کب کی جان پہچان ہو بلکہ صرف ساشا ہی کیا، میثم، ریان اور عزین سب سے

''کھڑے کیوں ہو، آؤ وہاں بیٹھتے ہیں۔''

وہ سب گروپ کی شکل میں ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ گئے۔

''میری مام بھی جمعے کو افطار ڈنر دے رہی ہیں، میں اسپیشلی انوائیٹ کر رہا ہوں کہ آپ سب لوگ ضرور آیئے گا اور امیمہ آپ بھی۔'' ریان کے کہنے پر اس نے یونہی سر ہلایا تھا۔

''اور سنڈے کو میری ماما کا ارادہ بنا ہوا ہے، میثم لوگ تو کر کرا کے فارغ بھی ہو گئے، اچھا تھا ویسے افطار میثم۔'' عزین نے کہا۔

''ہوں، مجھے ساشلک اور پرانز بہت پسند آئے تھے۔'' بلال نے تعریف کی تو امیمہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''مجھے گرلڈ فش اچھی لگتی تھی، ممی کو کہا تو ہے میں نے کہ ویسی بنوائیں۔'' یہ مشائم تھی، امیمہ تو حیرت سے گنگ کھڑی اسے دیکھنے لگی میثم کے گھر پارٹی ہوئی اور وہ دونوں وہاں ہو بھی آئے اور اسے کچھ علم نہیں، اس کے تاثرات بھانپ کر عزین نے میثم سے پوچھا۔

''کیا تم نے مس امیمہ کو انوائیٹ نہیں کیا تھا؟'' اس نے گردن نفی میں ہلائی۔

''میں نے تو کسی کو بھی انوائیٹ نہیں کیا تھا، مام اور ڈیڈ نے ہی سب کو بلایا تھا۔''

''میں اور بلال مام کے ساتھ گئے تھے اور ایک بار میں ان کے گھر ہوئی شوٹنگ میں گئی تھی۔'' اب امیمہ کی سمجھ میں آیا کہ وہ کیسے میثم کے متعلق اتنا کچھ جانتی ہے، مشائم اور ریان، بلال اور ساشا آپس میں محو گفتگو تھے، عزین، میثم اور امیمہ ہی خاموش تھے۔

''آپ ہمارے ہاں سنڈے کو ضرور آیئے گا بلکہ میں خود آپ کو لینے آ جاؤں گا۔'' عزین کی پرخلوص آفر پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

''خالہ سے پوچھ کر بتاؤں گی۔''

''شیور، آپ کے اور بہن بھائی نہیں ہیں؟''

''نہیں میں ہی ہوں بس۔''

''اوہ تو کمی محسوس ہوتی ہے؟''

''ہوتی تو ہے، پر کیا کیا جا سکتا ہے اور اب تو عادت ہی ہو گئی ہے۔''

''مشائم تو نہیں لگتا کہ آپ کی بہن کے تصور پر پوری اترتی ہوں، وہ بہت مختلف ہیں آپ سے، اس لئے یہ خانہ تو خالی رہنے دیں البتہ بھائی کی کمی پوری ہو سکتی ہے۔'' امیمہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا، عزین نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

''میں یعنی عزین عظیم بذات خود آپ کا بھائی بننے کے لئے تیار ہوں، آج سے بلکہ ابھی سے آپ مجھے اپنا بھائی سمجھیں۔'' امیمہ حیران سی اسے دیکھتی رہ گئی جیسے یقین نہ آ رہا ہو، وہ مسکرایا۔

''کیا آپ کو اپنا بھائی پسند نہیں آیا یا مجھے بھائی بنانا......''

''نہیں نہیں۔'' وہ جلدی سے بول اٹھی۔

''ایسی بات نہیں، میں بہت خوش ہوں بھائی پا کر، بس اچانک آپ کے اعلان نے حیران کر دیا۔'' وہ شرارت سے ہنسی تو وہ بھی ہنس پڑا، میثم دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔

''پھر ڈن ہے آپ اتوار کو تیار رہئے گا، میں آپ کو لینے آ جاؤں گا۔'' امیمہ نے سر ہلایا تھا۔

وہ واقعی اتوار کے دن اس لینے آ پہنچا تھا وہ خالہ کے ساتھ ان کے گھر آئی تھی، انتہائی خوبصورت گھر، جیسا کہ اتنے باحیثیت لوگوں کو ہونا چاہیے۔

''ماما یہ میری بہن ہے امیمہ مسعود اور یہ اس کی خالہ ہیں جو کہ اب میری بھی خالہ ہیں۔''
عزین اپنی والدہ کو تعارف کے لئے لے آیا تھا، بہت پیاری اور شاندار شخصیت تھی ان کی، بہت خوش دلی سے ملیں۔
''بھابھی سے بھی ملواتے نا انہیں۔''
''انہی سے تو ملوانا ہے۔'' وہ بڑبڑایا، امیمہ نے چونک کر دیکھا، مگر سمجھی نہیں کہ وہ کس کے متعلق بات کر رہا ہے، وہاں سب تھے ساشا ابراہیم بھی اور بلال بھی، ریان، میثم اور مشائم سب، اتنے میں عزین دو اور خواتین کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔
''امیمہ یہ میری پھپھو ہیں شانزہ پھپھو، ریان کی مدر۔'' اس نے انگوری لباس میں ملبوس بہت خوبصورت خاتون سے تعارف کروایا وہ اور خالہ اٹھ کر ان سے ملیں اور پھر دوسری خاتون کی طرف مڑا۔
''یہ میری تائی ہیں، اریشہ آنٹی، میثم کی مدر، اریشہ زعیم۔'' امیمہ نے چونک کر انہیں دیکھا، بلاشبہ وہ بہت حسین تھیں ایکدم مبہوت کر دینے والی حسن کی مالک، ہلکے سبز اور آسمانی امتزاج کے لباس میں مسحور کن مسکراہٹ لئے وہ ساری محفل پر چھا گئی تھیں، انہیں دیکھ کر پتا چلتا تھا کہ میثم اتنا خوبصورت کیوں تھا، امیمہ نے سلام کیا تو انہوں نے بہت محبت سے اسے کندھوں سے تھام کر دونوں گالوں پر پیار دیا۔
''بہت پیاری ہے امیمہ، میرے اندازے سے بھی بڑھ کر۔''
''آپ خود بہت پیاری ہیں آنٹی۔'' اس نے جواباً تعریف کی، وہ ہنس پڑیں۔
''گڈ۔'' ادھار نہیں رہنے دیا اور کیا مصروفیات ہیں جاب کے علاوہ؟''

''کچھ خاص نہیں، خالہ کچھ کرنے ہی نہیں دیتیں۔''
''خالہ؟'' ان کی سوالیہ نگاہوں کا مطلب سمجھ کر اس نے خالہ سے ان کا تعارف کروایا اور مختصراً اپنے والدین کا بتایا اور جلال انکل کے متعلق بھی بتایا کہ کیسے وہ انہیں سپورٹ کر رہے ہیں اور کتنے اچھے ہیں۔
''Obvisouly اچھے ہیں ورنہ کون کسی کو اپنے گھر رکھتا ہے، بہت نفسانفسی ہے آج کل تو، ان کے اپنے بچے وغیرہ؟''
''جی، دو بچے ہیں بلال بھائی اور مشائم، مشائم تو ماڈلنگ کرتی ہے نا ٹی وی اور میگزینز میں، آپ نے بھی دیکھی ہوگی۔''
''اوہ۔'' ان کا منہ حیرت سے کھلا اور بند ہو گیا۔
''وہ مشائم، وہ انعم جلال کی بیٹی، اوہ ہاں، وہ آپ کی کزن ہے، یقین نہیں آ رہا۔''
''ہاں وہ کچھ ماڈرن سی ہے، پروفیشن ہی ایسا ہے۔''
''اس سے ہوئی تو ہے میری ملاقات، اچھی ہے ویسے۔''
''بہت زیادہ اچھی ہے، شکل وصورت کی تو ہے ہی خوبصورت مگر عادت مزاج کی بھی بہترین ہے، آپ کبھی آئیں نا ہمارے گھر تو پھر اسے دیکھیں۔'' وہ جوش میں آ گئی، میثم کب وہاں آیا، اسے پتا نہیں چلا، وہ تو ماں کے بالکل ساتھ کھڑا ہوا تو اس کی چلتی زبان کو بریک لگی۔
''آپ کے گھر تو میں ضرور آؤں گی، جلد ہی۔'' وہ ذومعنی لہجے میں بولیں، امیمہ میثم کی نگاہیں خود پر جمے پا کر کنفیوز ہو گئی تھی۔
''چپ کیوں ہو گئی، کچھ اپنے بارے میں بھی بتاؤ نا؟''

''یہ دوسروں کی تعریف بہت دل لگا کر کرتی ہیں، اپنے متعلق خاموش رہنا پسند کرتی ہیں۔''
میثم نے تو طنز کیا تھا مگر اریشہ نے بے اختیار سراہا تھا۔

''کتنی اچھی عادت ہے ورنہ تو لڑکیوں سے اپنی تعریفیں خود سے کروالو۔''

''یہ دراصل چاہتی ہیں کہ ان کی تعریف بھی کوئی اور کرے۔''

''ہاں تو کیوں نہیں، میں تو ضرور کروں گی، یہ ہے ہی اتنی پیاری کہ جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔'' امیمہ کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ میثم کی طرف دیکھ کر ہنسی تھیں، وہ مسکرا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے تعارف کچھ لمبا ہی ہو گیا ہے، اب ذرا دوسری طرف بھی توجہ دیجئے۔''
عزین اچانک ٹپکا تھا اور انہیں ساتھ لے گیا تھا، وہ خالہ کے ساتھ وہیں بیٹھ گئی، کھانا کھاتے ہی عزین پھر آ پہنچا۔

''امیمہ آپ کو سب وہاں بلا رہے ہیں اور خالہ آپ میرے ساتھ آئیں، ماما اور آنٹی کے پاس بیٹھیں۔'' وہ دونوں اس کے ساتھ آ گئیں، ریان اور عزین کی والدہ، میثم کی مام کے ساتھ ایک دو اور خواتین کے ساتھ ایک ٹیبل کے گرد بیٹھیں تھیں، انہوں نے خوش دلی سے حلیمہ خالہ کو ویلکم کیا تھا، بالخصوص اریشہ زعیم نے، وہ خالہ سے باتوں میں لگ گئیں اور عزین امیمہ کو لے کر بالکل ہی دوسری سائیڈ آ گیا، جہاں سوئمنگ پول بنا ہوا تھا، سوئمنگ پول کے اطراف میں جو پول تھے ان میں قدم آدم آئینے لگے ہوئے تھے، ان میں جھلملاتی روشنیوں کے عکس پانی میں گر رہے تھے اور ایسا خوبصورت منظر بنا رہے تھے کہ بندہ پہلی نظر میں تو مبہوت ہی رہ جائے۔

''دیکھیں نا۔'' یہ آواز، وہ جھٹکے سے پلٹی، وہاں عزین کی جگہ میثم کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ مسکرایا۔
''آئیں چلیں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر آئینے کے پاس لے گیا۔
''دیکھیں کون زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔''
امیمہ نے دیکھا اسکائی بلو شرٹ کے ساتھ ڈارک بلو سوٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔
''آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں سر۔''
''میں یہی Espect کر رہا تھا۔'' اس نے لمبی سانس لی۔
''بے شک تعریف دوسروں کے منہ سے ہی اچھی لگتی ہے، اب مجھے شاعرانہ انداز میں تو تعریف کرنی نہیں آتی پر اتنا بتا دوں کہ آپ اتنی خوبصورت ہیں کہ آپ کے سامنے سب کے چراغ بجھ جاتے ہیں، میں نے کبھی کسی لڑکی کے متعلق اتنا نہیں سوچا، آپ جب اس طرح میرے حواسوں پر سوار ہوئیں تو میں نے مام سے ڈائریکٹ بات کر لی اور آج وہ آپ سے مل بھی لیں۔''
''آپ خود سے ہی سب کچھ کئے جا رہے ہیں، میری مرضی معلوم کرنے کی کوشش کی آپ نے؟'' اس نے ناراضی دکھائی حالانکہ اندر دل کی بری حالت تھی، دھڑک دھڑک کر سینے کی دیواریں توڑنے کے درپے تھا، پر وہ کمزوری نہیں دکھا سکتی تھی۔
''آپ کی مرضی مجھے اچھی طرح پتا ہے۔''
اس کے اطمینان سے کہنے پر وہ جل بھن گئی۔
''میں مشائم کے لئے۔''
''میں نہ بے وقوف ہوں نہ اندھا، اس لئے مجھے کچھ بھی بتانے یا دکھانے کی ضرورت نہیں،

''دیکھیں کیوں رک گئیں، پاس چل کر... مجھے آپ سے مطلب ہے اور آپ راضی ہے

اچھی طرح جانتا ہوں، مام کچھ دنوں میں آپ کی خالہ سے بات کرنے آئیں گی، عید کے فوراً بعد آپ کو میرے گھر میں میرے بیڈ روم میں موجود ہونا ہے، کیسے ظاہر ہے شادی کے تھرو، تو اس سارے پراسیس کے لئے مام کو آپ کے گھر جانا ہی پڑے گا۔"

"جی نہیں مشائم ایسا نہیں ہونے دے گی۔"

"میرے فیصلوں میں کسی کو مداخلت کی ہمت ہوئی تو نہیں، نہ میں کسی کو مداخلت کی اجازت دیتا ہوں بہرحال مجھے اس سلسلے میں آپ کی رضا مندی چاہیے تھی، کسی دوسرے، تیسرے سے مجھے کوئی سروکار نہیں، آپ بھی کوئی ٹینشن مت کریں۔"

"مگر......" اس نے کہنا چاہا مگر میثم نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر منع کر دیا۔

"اچھا اچھا سوچیں، باقی سب مجھ پر چھوڑ دیں۔"

مشائم نے یوں ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اڑائی ہو۔

"نہیں کیا ضرورت تھی کورس کرنے کی، میں تو اس کے متعلق سوچتی تک نہیں، مجھے ریان نے پرپوز کیا ہے اور میں اسے ہاں کہنے والی ہوں، میرے اور ریان کے خیالات بہت ملتے جلتے ہیں، اسے نہ تو میرے پروفیشن پر اعتراض ہے نہ میرے پہننے اوڑھنے پر، تو ہم دونوں ایک دوسرے کا پرفیکٹ میچ ہیں۔" امیمہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا، ایسی قلابازی، کہاں تو میثم کے لئے اسے دباؤ ڈالنا کہ اسے راضی کرے اور کہاں ریان کا یوں دم بھرنا، محبت نہ ہوئی، کوئی سودا ہو گیا کہ یہاں سے اچھا نہ ملا تو وہاں سے لے لیا۔

"ریان بھائی نے تمہیں پرپوز کیا ہے؟"

"آف کورس، مام ڈیڈ بھی خوش ہیں اور عید کے بعد بلال کا اور میرا انگیج منٹ فنکشن اکٹھا ہو گا۔" وہ واقعی مطمئن نظر آ رہی تھی، امیمہ کے سر پر سے سارا بوجھ اتر گیا، وہ ہلکی پھلکی ہو کر وہاں سے چلی آئی، اسے ہمیشہ کی طرح دیر سے پتا چلا تھا مگر کوئی بات نہیں اہم یہ تھا کہ اسے اپنے دل کی خوشی کی مکمل صورت مل گئی تھی، میثم اس کے دل کی خواہش تو تھا مگر یہ احساس کہ وہ مشائم کی بھی پسند تھا، اس کی خواہش کو بہت پیچھے دھکیل دیتا تھا مگر اب جب وہ خود ہی اپنی الگ راہ منتخب کر بیٹھی تھی تو اسے بھی اپنی خوشی منانے کا پورا حق تھا، اس نے اللہ تعالیٰ کے آگے سر بسجود ہو کر شکرانے کے کتنے نوافل پڑھ ڈالے تھے، اللہ تعالیٰ اس پر ہمیشہ سے بہت مہربان تھا، ماں باپ کے نہ ہونے کی کوئی کمی اسے محسوس نہیں ہوئی تھی پہلے خالہ نے اپنی شفقت کے سائے میں لے لیا پھر جلال انکل کے گھر آ جانے کے بعد تو معاشی مسائل کا بھی پتا نہیں چلا ورنہ دنیا میں بے سہارا بچوں کے ساتھ کیسے کیسے سلوک ہوتے ہیں اور

☆☆☆

اریشہ زعیم جب اپنی نند (ریان کی والدہ اور بھابھی (عزین کی والدہ) کے ساتھ ان کے ہاں آئیں تو امیمہ کی بوکھلاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، انہوں نے خالہ اور انعم آنٹی کے آگے اپنے مدعا بیان کیا تھا، خالہ اور آنٹی نے سوچنے کے لئے وقت مانگا تھا، وہ گھبرائی ہوئی مشائم کے پاس آئی۔

"یقین کرو، میرا کوئی قصور نہیں، میں نے کچھ نہیں کیا۔"

"کیا نہیں کیا؟" مشائم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"یہی اس پروپوزل کے لئے، میں نے سر میثم کو بہت فورس کیا، تمہارے لئے مگر وہ۔"

میثم کو دیکھ کر جو دل میں خلش ہوئی کہ کاش یہ میرا ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ نے ہر رکاوٹ دور کر کے اسے امیمہ کا بنا ڈالا، یہ خوشی یہ پالینا، ساری خوشیوں پر حاوی تھا، وہ اپنے رب کے حضور جھک گئی۔

"اے اللہ میری تیری عاجز و گناہگار بندی کیسے تیرا شکر ادا کر پاؤں گی، مجھے اپنا شکر ادا کرنے کی توفیق دے، میرے مالک مجھے آزمائشوں سے بچا، مجھ پر رحم فرما اور ہمیشہ سیدھے راستے پر چلا آمین۔"

☆☆☆

عید کی صبح کتنی حسین تھی، صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھ کر وہ اور خالہ دوبارہ سو گئیں، رمضان میں عادت جو پڑ گئی تھی، پھر تقریباً آٹھ بجے اٹھ کر نہا دھو کر تیار ہوئیں، امیمہ تیار ہو کر خالہ سے ملنے آئی، انہوں نے گلے لگا کر پیار کیا اور عیدی دی، اتنے میں گاڑی کی آواز پر دونوں چونکیں اتنی صبح کون آ گیا، سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا، جلال انکل کی طرف تو سب سوئے ہوئے تھے۔

"میثم۔" خالہ حیرت و خوشی سے چلائیں، مسکراتا ہوا میثم آگے بڑھا چلا آ رہا تھا، ایکدم بدلے ہوئے روپ میں، سفید شلوار قمیض پہنے ہاتھوں میں کیک، مٹھائی اور بوکے لئے۔

"السلام علیکم اور عید مبارک۔"

"وعلیکم السلام اور آپ کو بھی بہت عید مبارک ہو، آپ اتنی جلدی اٹھ جاتے ہیں، میں تو اس خوشگوار سرپرائز پر بہت خوش ہوئی ہوں۔" خالہ نے میثم کے ہاتھوں سے شاپرز لئے اور کچن کی طرف چلی گئیں، وہ مسکراتا ہوا امیمہ کے پاس آیا۔

"عید مبارک۔" بوکے اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ کو بھی عید مبارک، بیٹھیں۔" وہ مسکرائی اور بوکے اس کے ہاتھ سے لے لیا، وہ مسکراتے ہوئے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہیں تیار ہو کر۔" وہ جھینپ سی گئی۔

"عیدی نہیں لیں گی؟"

"وہ تو بڑوں سے لیتے ہیں۔" امیمہ نے وضاحت کی۔

"تو میں آپ سے چھوٹا ہوں۔" وہ حیران ہوا، جی بھر کر، اس بار امیمہ حیرت سے سرخ پڑ گئی۔

"نہیں میرا مطلب ہے بزرگوں سے، جیسے خالہ ہیں تو ان سے۔"

"اب میں آپ کی خالہ تو نہیں بن سکتا، لیکن آپ سے بڑا تو ہوں، اس لئے عیدی دینا تو بنتا ہے نا لیں۔" اس نے سائیڈ پاکٹ سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا، اس نے ذرا جھجکتے ہوئے تھام لیا، میثم نے پھر جیب میں ہاتھ ڈالا اور ڈبیہ نکال کر اسے کھولا اور اندر سے بہت خوبصورت ڈیزائن کی انگوٹھی تھی، اسے نکال کر ڈبیہ میز پر رکھی اور انگوٹھی تھام کر دوسرا ہاتھ امیمہ کی طرف بڑھایا۔

"لائیں اپنا ہاتھ، میں آپ کو اپنا عیدی کا گفٹ دوں۔"

"خالہ کی اجازت کے بغیر۔" وہ جھجک کر رکی، میثم نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما اور انگوٹھی اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنا دی۔

"خالہ نے نہ صرف اجازت دی تھی بلکہ انگوٹھی کا سائز بھی دیا تھا تو ہی میں آپ کی فٹنگ کی رنگ لا پایا ہوں اور ابھی بھی وہ اسی لئے اتنی دیر سے کچن میں مصروف ہیں کہ میں آپ کو گفٹ

دیے رکھا۔" امیمہ کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا تھا، اندر کہیں شرمندگی بھی تھی کہ وہ تو میثم کے لئے ایک پرفیوم بھی نہیں لائی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں آئندہ ہم عید کی شاپنگ ایک ساتھ کریں گے تو آپ مجھے جو دینا چاہیں میری پسند پوچھ کر دلا دیجئے گا، میرے ہی پیسوں سے۔" آخری جملہ آہستہ سے کہا تھا، وہ بے اختیار ہنسی تھی، اتنے میں خالہ کے پیروں کی آواز پر وہ ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹا تھا، خالہ پوری ٹرالی اشیائے خوردنوش سے بھر لائی تھیں۔

"ہمیشہ میں اور امی ہی صبح صبح عید منانے کے لئے جاگے ہوئے ہوئے تھے، آج تو چار چاند لگ گئے ہیں ہماری صبح عید کو۔"

"چار نہیں خالہ چھ چاند، ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں۔" ریان اور عزین کی آواز پر خالہ اور امیمہ اچھل ہی پڑیں۔

"السلام علیکم اور عید مبارک۔" وہ اندر آ گئے۔

"ماشاء اللہ آپ بھی اتنے صبح اٹھ گئے۔" خالہ خوش بھی تھیں اور حیران بھی۔

"بہت اچھا کیا آپ لوگوں نے بہت مزہ آ رہا ہے، آج کی عید تو بہت خوشگوار ہو گئی ہے، آؤ بچو چائے اور شیر خورمہ وغیرہ انجوائے کرو۔"

سب ہنستے مسکراتے کھانے پینے کی چیزوں سے انصاف کرنے لگے، جب عزین نے ریان کو چھیڑا۔

"تجھے تو اس طرف نہیں ہونا تھا؟" اس نے جلال انکل کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

"وہاں صبح تو ہو، جانا تو وہیں ہے۔" اس کے شرارت سے کہنے پر سب ہنس پڑے تھے۔

"ناراض نہ ہو کر پہلے وہاں کیوں پہنچ گئے۔" خالہ کسی کام سے اٹھ کر اندر گئیں تو عزین نے پوچھا تھا۔

"ایسا دام میں الجھایا ہے کہ ناراض ہونے کا تو سوچ بھی نہیں سکیں محترمہ۔" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

"ویسے یہ میرا ان دونوں پر احسان ہے، اگر میں مشائم کو اپنے دام محبت میں نہ الجھاتا تو ابھی تک الجھے ہی ہوئے ہوتے۔"

"اچھا ہم پر احسان، یعنی تمہیں خود تو کچھ فیل ہی نہیں ہوتا اس کے لئے۔" میثم نے گھورا۔

"فیلنگز کا نہ پوچھو، خالہ اوپر سے آ سکتی ہیں۔" اس کے معنی خیز بیان پر عزین کی جانب سے زوردار دھپ آئی تھی۔

"مس امیمہ کو بھی ہماری آنکھیں پسند آئی تھیں نا تو بس، کسی اور کو بھی پسند آ گئیں۔"

"تو مجھے بھی امید رکھنی چاہیے کہ میں بھی کسی کو آنکھوں سمیت پسند آ سکتا ہوں۔" عزین کے لہجے میں بڑی حسرت تھی۔

"اگر میری ممی نے اجازت دی تو۔" ریان کے اشتعال انگیز بیان پر وہ جلبلا گیا۔

"تو نے ممی سے پوچھ کر مشائم کو پسند کیا تھا؟"

"میری ممی نے کبھی منع بھی نہیں کیا۔" وہ اطمینان سے کباب کھا رہا تھا۔

"خیر میں ڈائریکٹ شادی پسند کروں گا۔"

"ڈیٹس لائیک آ گڈ بوائے، آیا نا لائن پر، تیرے حق میں یہی بہتر ہے بچہ کہ مام جس لائن پر چلائیں، اس پر سیدھا سیدھا چلتا جا۔"

یہ عید اپنے جلو میں کتنی خوشیاں سمیٹ لائی تھی کہ پچھلی ہر محرومی کا خاتمہ ہو گیا تھا، خالہ نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی کہ امیمہ کو اللہ تعالیٰ ایسی ہزاروں خوشیاں دکھائے کہ وہ اپنی معصومیت کی وجہ سے ان سب کی ہی مستحق تھی۔

☆☆☆

سیما بنت عاصم

''تنویر نے مجھے طلاق دے دی۔'' ایس ایم ایس نہ تھا، اک بم تھا جو پھٹا تو چاروں طرف تباہی ہی پھیل گئی، کئی لمحات کے لئے تو مجھے اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا۔

شبنم میری تایا زاد تھی اور دوست بھی، جن کڑے مراحل جھیلنے کے بعد یہ شادی انجام پائی تھی، شبنم سے ایسی بات مذاق میں بھی سننے کی امید نہ تھی اور میرے دل و دماغ میں سائیں سائیں تھی۔

''کب...... اور کیوں...... تم کہاں ہو؟''

''امی کے گھر، پلیز مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔''

پھر موبائل ہی آف ہو گیا اور میں سوچنے بیٹھی، شبنم کی تنویر سے شادی دھواں دھار عشق کا شاخسانہ تھی، اگر چہ عام سی سیدھی سادی لو اسٹوری تھی، موبائل لو، تنویر ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتا تھا، شبنم عام سی مڈل کلاس لڑکی، تنویر نے اک عرصہ ماں کو منانے میں لگا رہا، مگر ان کی نا، ہاں میں نہ بدلی، اک عام مڈل کلاس اور وہ بھی بیٹے کی پسند، وہ انہیں منظور نہ تھی ادھر شبنم نے اسے پانے کو دن رات عبادت کی، نمازیں، نوافل، وظائف، دعائیں۔

اور یہ شاید انہی دعاؤں کا صلہ تھا، تھک ہار کر وہ تائی کے قدموں میں جا بیٹھا، تائی بیٹوں کے کہے پر چلتیں اور بیٹے بہوؤں کی مٹھی میں تھے، سو ڈھیروں ڈھیر شرائط، نکاح کے لئے پیش تھیں، فلیٹ، گاڑی، حسب خواہش مہر، تنویر نے نکاح تک اک اک شرط پوری کر دی مگر اس کی خاطر سب کو چھوڑ دیا اور وہ خود کہتا۔

''شاید میں اتنی محنت کبھی نہ کرتا جو شبنم کو نہ پانا ہوتا۔'' اور ابھی تو سال بھی نہ گزرا تھا، شبنم کی قسمت پر سب ہی رشک کرتے، وہ اعلا ملبوسات پہنتی، کار میں گھومتی، لگژری فلیٹ اس کی نام تھا، جو خود میرے دل میں اس کے نکاح کے بعد سے اک ہوک سی اٹھی تھی۔

''یا پروردگار! دنیا کی ہر لڑکی کو ایسا ہی جان وار دینے والا جیون ساتھی، عطا فرما۔''

شبنم نے تو اپنی محبت کو پا لیا تھا، مگر ہر لڑکی کی اس کی طرح بخت آور بن نہیں ہوتی، خود میں اعجاز درانی کی اسیر تھی، جس کی چاہت روح میں اتری تھی اک نہ دو، نو سال ہو گئے تھے اور اک نام تھا کہ دل و ذہن سے مٹتا ہی نہ تھا، سب گھر والے شادی پر زور ڈالتے رہتے، مگر دل کی اک ضد، گرہ نہیں تو کوئی نہیں۔

عاجز آ کر حجاب کر لی تھی، کہ کسی پر بوجھ نہ رہوں، وہی معاملہ تھا کہ دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں، پینتیس سال کی عمر میں اعجاز درانی جیسا آدمی بھی غنیمت تھا، جو کم عمری میں شادی کی باعث اب جوان بچوں کے باپ تھے، مگر خوش شکل اعلیٰ عہدے پر فائز نہ بھی ہوتے تو بھی وہ [illegible] مکمل تھے کہ میری ہر دعا میں شامل رہتے، اگر چہ چاہت کے سفر میں میرے ہم قدم تھے، مگر شادی کے نام پر مجبوریوں کی کتاب کھول کر بیٹھ جاتے، میں خود سمجھتی تھی، اولاد جوان ہو جائے تو بیوی حاوی ہو جاتی ہے، وہ خوش شکل تھے، اس لئے اب تک کی عمر میں انہیں بیوی نے کس کر رکھا تھا۔

دوسری شادی کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا اور میں تھی کہ کسی معجزہ کی منتظر رہتی۔

اللہ دل سے قریب ہے، جس نے کی لگن شدت سے سو بالآخر عطا کر ہی دیتا ہے میرا یقین تھا اور میرا دل ہر دن، ان کے ساتھ کے لئے دعا گو رہتا، رب کی چیز، رب سے مانگتی۔

رات تائی کا فون آ گیا۔

''تم اس کی دوست ہو، اسے سمجھاؤ حوصلہ

دو۔"

"کئی بار اس کی حالت بگڑی ہے، مانو اک طوفان تھا، اب آہستہ آہستہ ہی تھمے گا نا۔"

"تائی! یہ سب کیسے ہوا، کیوں ہوا؟"

"بس حاسدین کی نظر کہہ لو، یا شر سمجھ لو، شبنم کا گھر جاڑنے میں میری اپنی بیٹی زاہدہ کا ہاتھ ہے، تنویر نے اسی کی بیٹی سے شادی کرنے کے لئے شبنم کو طلاق دی ہے۔"

"مجھے معلوم تھا زاہدہ، تائی اور گھر والوں کی آستین کا سانپ ہے، تائی کے گھر کی اوپری منزل پر رہتی اور ان سب کے خلاف چال چلتی۔"

"وہ دو بار تائی کے غلط فیصلوں کی بھینٹ چڑھی، بالآخر چار بچوں سمیت میکے کی دہلیز پر آ بیٹھی، مگر اپنی تباہی پھوٹے نصیبوں کا ذمہ دار میکے والوں کو ٹھہرائی، مگر اس بار وہ دام میں آ گئی شبنم کی سادگی اسے لے ڈوبی وہ جان ہی نہ سکی اس کی ناک کے نیچے کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے، زاہدہ کی منجھلی بیٹی، شبنم سے زیادہ خوبصورت نہ تھی، مگر اپنی شاطرانہ چالوں سے تنویر کو پھانس لیا تھا، وہ مال دار آدمی تھا، ان سب کو اک خوش حال زندگی دے سکتا تھا، لگے ہاتھوں میکے والوں سے انتقام بھی لے لیا تھا، اللہ معاف کرے یہ دنیا ہے اور دنیا میں ایسا ہوتا ہی ہے، شبنم سادہ لوح تھی، بچ کے چلنا سیکھ ہی نہ سکی، جن کی فطرت میں ہو ڈسنا وہ ڈسا کرتے ہیں، کوئی انہونی نہ تھی، مگر جب خود پر گزرتی ہے تو نرالی بن ہی جاتی ہے، مجھے رات بھر نیند نہ آ سکی، اگلی شام آفس سے ہی ادھر جا پہنچی۔"

"وہ مجھ سے لپٹ کر دھواں دھار روئی، مگر اب پچھتائے کیا ہووت تنویر نے اک عام سا گھر، مہر کی رقم بخش دی تھی، مگر عمر کے سارے سکھ اس کا کرا تو تھا۔

"کتنی دعائیں کی تھیں، سب رائیگاں گئیں۔" میں نے افسوس سے سر ہلایا۔

"دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں، سچ تو یہ ہے کہ دعاؤں میں معاملے میں ہم خودغرض بن جاتے ہیں، کیونکہ ہم دعا کی روح سے ناواقف ہیں۔" میں حیرت سے اسے سر اٹھا کو دیکھنے لگی، وہ کہتی رہی۔

"ہم دعاؤں میں من کی مراد مانگتے ہیں، اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کم ہی کرتے ہیں، کہ وہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے بس۔"

یہ ہمارے حق میں بہتر ہو تو عطا کر اللہ پر بھروسہ تو عبادت کی روح ہے نا

"مگر ہم جس چیز کی لگن رکھتے ہیں بس اسے پانے کی دعا کرتے ہیں، لیکن کیا تم نے کبھی کسی چیز کو بخشنے کی بھی دعا کی ہے فریح۔"

"اس نے مجھے اک نئی سوچ بخشی تھی، سچ تو ہے ہم اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں تو وہ بھی وہی کرتا ہے جو ہم چاہتے ہیں مگر، ہم دعا مانگتے ہیں بس خودغرض بن جاتے ہیں، ہمیں چاہیے، ہمیں عطا کر اور خود میں نے بھی کبھی کہا، کہ مجھے اعجاز درانی کا ساتھ، اس کا پیار، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عطا کر، گر میرے حق میں بہتر ہو کہ تو بہتری کے فیصلے کرنے والا ہے۔"

میرے اندر جیسے سکھ ہی سکھ اتر گیا تھا۔

انسان خساروں کا خوف کھو کر شانت ہو جاتا ہے نا۔

اور سکھ تو بس رب کی رضا میں ہے۔

مجھے اب اپنا ہر سکھ، اس کی رضا کے ساتھ چاہیے۔

میں اک نیا فیصلہ کر کے اٹھی تھی۔

ہر لمحے کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

اقساط کا خلاصہ

کالج میں نومی کا ٹکراؤ شانزے سے ہوتا ہے اور کہانی میں ایک نیا موڑ آتا ہے۔

نیل بر کی بنگلے پہ جانے کی خبر بو محل کی دیواروں کو ہلا دیتی ہے، نیل بر کا اعتراف محبت صندیر خان کو سنگین فیصلے کی انتہا پہ لے جاتا ہے۔

صندیر خان، سردار بو کو وارننگ دیتا ہے، بیٹی کو سمجھا لو، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔

نشرہ ولید کی ''فرمائش'' اور ''بدلاؤ'' پہ تشویش کا شکار ہے۔

اسامہ، ہیام کی امانت لے کر اس کے گھر پہنچتا ہے تو وہاں اس کا بے حد اچھا استقبال ہوتا ہے، اُدھر عشیہ کو دیکھ کر اسامہ کے من کی مراد بر آتی ہے۔

نیل بر، حمت کو ساتھ لے کر سرکاری بنگلے پہ امام فریدے سے ملنے کو جاتی ہے، امام فریدے، نیل بر کو دیکھ کر برہمی کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس کی نگاہ حمت پہ پڑتی ہے تو اس کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔

ہیام کو اپنے گھر پہ [illegible] عربیہ کے مشورے پہ وہ اسامہ کی خدمات حاصل کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

سترہویں قسط
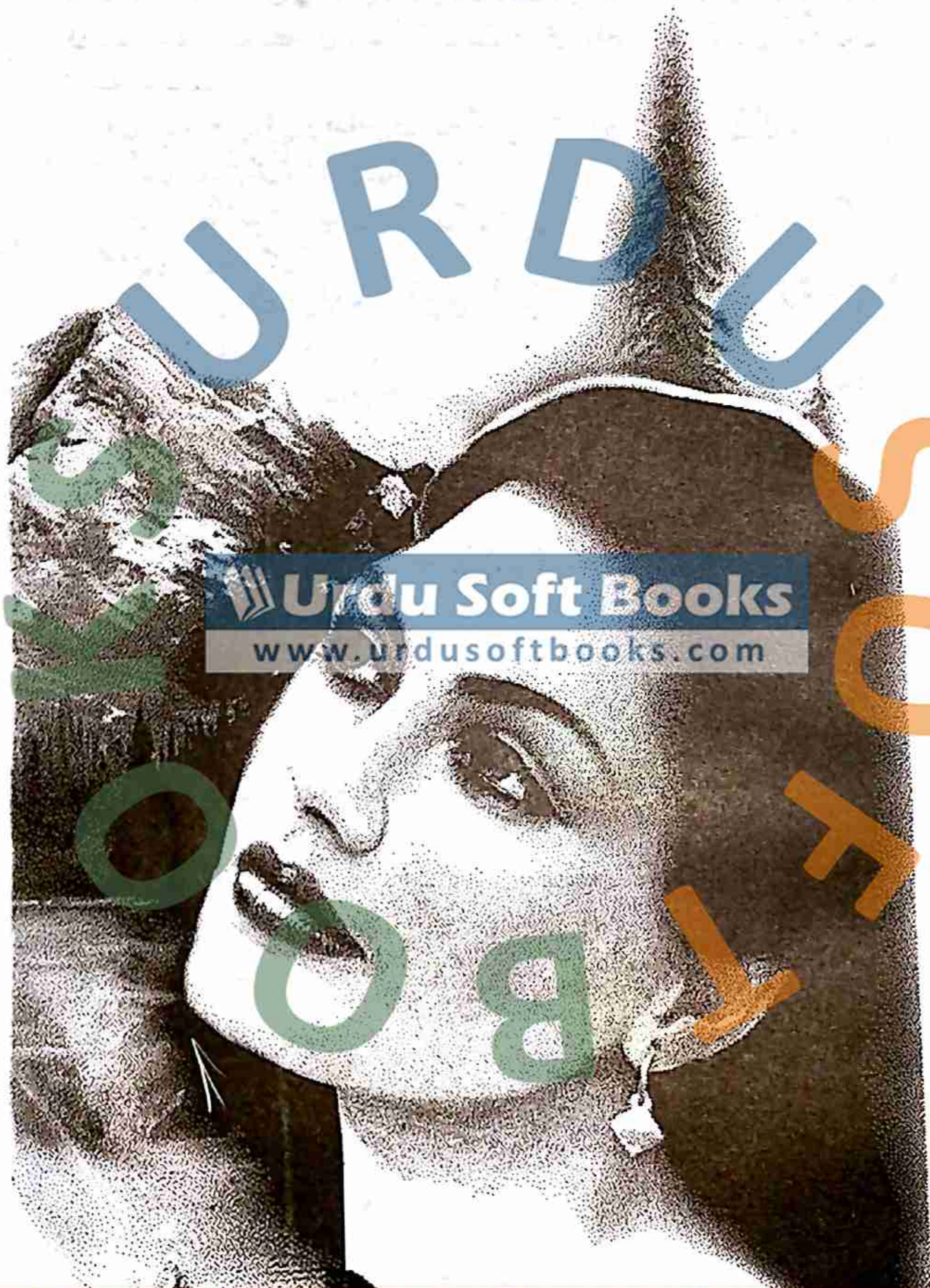
اور یہ گنہ گار پہاڑی تھی، جس کے پیچھے حمت کا ننھیالی قبرستان تھا، وہ قبرستان جس کے احاطے میں اس کی ماں دفن تھی اور اس قبرستان کے احاطے میں فرخ دادا اور دودھا بھی دفن تھے، منوں مٹی تلے سوئے ہوئے تھے، کبھی نہ جاگنے کے لئے اور کبھی نہ اٹھ کر اپنے قاتلوں کے گریبان پکڑنے کے لئے۔

اس کے باوجود پربتوں کی فضاؤں تک سے بھی یہ بازگشت آج تک سنائی دیتی تھی۔

''ہمیں کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟''

لیکن اس بازگشت کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا، یہ بازگشت آج بھی نگر نگر بھٹک رہی تھی، جس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔

اور نیل بر اس وقت اسی گنہ گار پہاڑی کی ذیلی سڑک پر کھڑی تھی، خوف سے تھر تھر کانپتی ہوئی، شدید گھبراہٹ اور اذیت میں تھی۔

وہ اپنے ہی گھر میں اور اپنے ہی علاقے میں ''بے امان'' ہو چکی تھی، یہ اس کی سب سے بڑی بدقسمتی تھی اور سارا خانہ اس کی قسمت پہ رشک کیا کرتی تھی، بھلا اس میں رشک کے قابل ہی کیا تھا؟ وہ بھی عام سی لڑکی نیل بر تھی، جسے پرانی روایتوں، جھوٹی انا اور نام نہاد غیرت کے پیچھے مصلوب کیا جا رہا تھا۔

ایک نوکیلے پتھر پہ بیٹھی نیل بر اپنی گزشتہ زندگی کو سوچتی سود و زیاں کی ایسی گتھیاں سلجھا رہی تھی جو شاید وہ عمر بھر نہ سلجھا پائی۔

معاً ایک سرکاری جیپ کے تار پر چڑھتے ہی نیل بر کی جان میں جان آگئی تھی، اسے امید ہی نہیں تھی کہ وہ آجائے گا، وہ بھلا کیونکر آتا؟ کس لئے خطرے میں اپنی جان کو جکڑتا، اپنے لئے برزخ کیوں خریدتا؟

لیکن وہ اس کے سارے وسوسے، سارے خدشے بھربھری ریت کی مانند گرا کر اسے لینے کے لئے آگیا تھا۔

تو کیا حمت کا دعویٰ سچا تھا؟ تو کیا حمت کا یقین سچا تھا؟ وہ حمت کی خاطر آگیا تھا، وہ صرف حمت کے لئے آیا تھا، اس کی فون کال پہ آیا تھا، یہ حقیقت بہت اذیت ناک تھی، بڑی تکلیف دہ تھی، بڑی جانگسل تھی، لیکن تھی تو حقیقت، سو نیل بر نے تسلیم کر لیا تھا، کیونکہ وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی، وہ تکلیف دہ حد تک حقیقت پسند تھی۔

اور جب وہ اپنی جان کو ہتھیلی پہ رکھ کر اسے ''صدر'' تک پہنچانے، صدر کے لاری اڈے تک چھوڑنے جا رہا تھا تب بھی نیل بر نے اس حقیقت کو پا لیا تھا۔

وہ کیوں نیل بر کو چھوڑنے جا رہا تھا؟ اس نیل بر کو جس سے اسے کوئی لگاؤ نہیں تھا، پھر وہ نیل بر کی مدد کیوں کر رہا تھا؟ وہ سمجھ گئی تھی، وہ سب سمجھ گئی تھی، کیونکہ وہ اذیت ناک حد تک حقیقت پسند واقع ہوئی تھی۔

وہ حمت کے لئے آیا تھا، شاید وہ اپنے شدت کی حد تک آگے بڑھنے والے جذبوں سے خود

بھی واقف نہیں تھا۔

لیکن یہ کیسا تکلیف دہ مقام تھا کہ نیل بر اس کے جذبوں کی گہرائی کو پا گئی تھی، وہ اس کے جذبوں کی سچائی کو کھوج گئی تھی۔

تبھی جب امام نے صدر کے لاری اڈے سے کچھ فاصلے پر اسے اتار کر، پنڈی جانے والی ویگن کی نشاندہی کی تو نیل بر کہے بغیر نہ رہ سکی۔

''میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گی، اس لئے کہ تم نے میری جان میری خاطر نہیں بچائی، بلکہ تم نے میری جان حمت کی خاطر بچائی ہے، تو شکریہ حمت ہی ادا کرے گی، لیکن ایک بات تمہیں بتا دوں، میں صرف اس بات پہ جلاوطن ہو رہی ہوں کہ میں نے ''محبت'' کا نام لینے کا گناہ کیا ہے، مجھے نہیں خبر، میں واپس یورپ جا کر کیا کروں گی؟ میرے پاس کچھ بھی نہیں، بس ایک باپ کے نام کے سوا، میں یورپ میں تھی تو اپنے باپ کے پیسے پہ عالیشان زندگی گزار رہی تھی، اب وہاں میرے لئے دھکے ہوں گے، آزمائش ہو گی، مشقت ہو گی، لیکن یہ میری اپنی چوائس ہے، میں صندیر خان کے کسی فیصلے کی بھینٹ چڑھنے سے بہتر امریکہ میں بھیک مانگنا زیادہ بہتر سمجھتی ہوں، وہ مجھے بے جرم سزا دے رہا ہے، میں اس کی غیرت کو للکار کے واپس جا رہی ہوں، لیکن تم۔'' وہ لمحہ بھر کے لئے رکی تو امام کی سانس تک تھم گئی تھی، آخر نیل بر جیسی لڑکی بھی دل کو چھو لینے والے الفاظ بول سکتی تھی اور لوگوں کے دلوں کے اندر بھی جھانک سکتی تھی؟ اور دوسروں کے جذبوں کی گہرائیوں کو بھی ماپ سکتی تھی؟

''لیکن امام میری دعا ہے اور نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں، کہ تم نے جس کی چاہ کی ہے، یا جو تمہاری طلب ہے خدا اسے ضرور پورا کرے، کیونکہ تم نے حمت کی خاطر ہی سہی، مجھ پہ احسان کیا اور میں احسان فراموش نہیں ہوں، زندگی کے کسی بھی مقام پہ تمہیں میری ضرورت ہوئی تو میں ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی، اچھے امام! خدا تمہارے لئے، تمہاری محبت کو مبارک کرے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی تو اس کی آنکھ سے ایک ستارہ ٹوٹ کر گر پڑا اور وہ تیزی سے واپس مڑی، تاکہ امام کے سامنے اس کے آنسوؤں کی بے پردگی نہ ہوتی۔

وہ اڈے کی طرف جا رہی تھی اور امام اسے لمحہ بہ لمحہ اندھیرے میں گم ہوتا دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ ایک بھری ہوئی ویگن میں سوار ہو گئی، لیکن امام واپس جانے کے بجائے وہیں کھڑا رہا، اسی جگہ پہ، اسی مقام پہ، وہ لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی تھی، امام وہیں کھڑا رہا، حیران کچھ ششدر سا۔

اس کی حیرت تھی کہ کم ہی نہیں ہوتی تھی، تو نیل بر کس طرح اس کے ان جذبوں کا راز پا گئی تھی، جنہیں وہ خود سے بھی کہتے ہوئے ڈرتا تھا، آخر کس طرح؟

کیا محبت کرنے والوں کے اندر کوئی ایسا سسٹم نصب ہوتا ہے جو خود بخود انہیں الرٹ کرتا رہتا ہے؟ کیا ایسا ہی ہوتا ہے؟

شاید وہ ساری رات اسی جگہ پہ کھڑا اسی گتھی کو سلجھاتا رہتا، لیکن اچانک ہی فضا میں ناگوار سی بارودی خوشبو پھیلنے لگی تھی، پھر آناً فاناً گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دی تھی، کہیں دور کسی مسافر ویگن کے ٹائر بلاسٹ کیے گئے تھے، ایک کہرام سا تھا جو سنائی دے رہا تھا۔

امام کی ساری حسیات چوکنا ہوگئی تھیں، پھر اسے اچانک ایک رانگ نمبر سے کال موصول ہوئی تھی۔

"امام فریدے! جتنی جلدی ہوسکتا ہے، اس علاقے سے دور چلے جاؤ، اور تب تک واپس نہ آنا جب تک میری دوسری کال موصول نہ ہو، بھاگ جاؤ، تمہاری زندگی بہت قیمتی ہے اور تمہیں انسانیت کے ناطے خود کو خطرات میں کودنا پسند ہے۔"

یہ کال نہیں تھی، ایک اطلاع تھی، خطرے کا ایک الارم تھا، جو اسے اپنے بہت قریب سنائی دے رہا تھا، امام سمجھ گیا تھا اور بہت اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا، نیل بر پکڑی گئی تھی اور اب امام کی باری تھی، وہ تیزی سے جیپ میں سوار ہوا اور دوسرے ہی پل وہ دھول اڑاتا اس علاقے سے بہت دور بہت دور ایک انجان سڑک پہ اندھیرے میں گم ہو رہا تھا، اس بات سے انجان کہ پیچھے نیل بر کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ اور نیل بر کے ساتھ واقعی کیا ہوا تھا؟

☆☆☆

اس اندھیرے زندان میں وہ تین دن سے پڑی تھی، بھوکی، پیاسی، نڈھال اور بے جان سزا کا دورانیہ نجانے کیا تھا، رات سے اسے خطرات کی بو سنائی دے رہی تھی، حمت اور سبا خانہ سے ملنا تو دوران کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی، اس طرف کسی کا آنا بھی ناممکن تھا۔

جانے رات تک اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟ وہ رو رو کر بھی تھک چکی تھی، چلا چلا کر بھی تھک چکی تھی، اب تو بس دار پر چڑھنے کے لئے تیار تھی، اس نے سارے ہتھیار پھینک دیئے تھے، اسے کوئی جنگ نہیں لڑنا تھی، نہ محبت کی جنگ، نہ بقاء کی جنگ، اگر مرنا ہی تھا، تو وہ مرنے کے لئے تیار تھی، اسے کسی سے بھی اپنی زندگی کی بھیک نہیں مانگی تھی، نہ صندیر خان سے نہ اپنے سردار باپ سے۔

اسے جینا ہی نہیں تھا، ایسی زندگی سے بہتر موت تھی، جس میں اپنی کوئی خواہش کا عمل دخل ہی نہیں تھا، ایسی زندگی کا کیا فائدہ تھا؟ جسے دوسروں کے ٹریک پہ چلتے ہوئے سسک سسک کر گزار دیا جاتا، ایسی زندگی کی کسے خواہش تھی؟ ایسی زندگی کی کسے تمنا تھی؟ اور نیل بر کو تو بالکل تمنا نہیں تھی۔

اس کے اندر تو اب واپس یورپ جانے کی بھی خواہش نہیں تھی، جب وہ صندیر خان کے آدمیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھی تبھی اس کے اندر سے ہر خواہش جڑ سے اکھڑ کر ضائع ہو چکی تھی، تباہ ہو چکی تھی۔

وہ مرنے کے لئے تیار تھی اور میتیں ہر احساس سے عاری ہوتی ہیں، سو نیل بر بھی ہر احساس سے عاری ہو چکی تھی، ابھی کسی بھی وقت اس کی زندگی کا فیصلہ ہونے والا تھا۔

وہ زمین پر چت لیٹ کر سوچنے لگی، اسے اللہ سے کیا مانگنا چاہیے؟ مرنے سے پہلے ہر انسان کی کیا خواہش ہوتی ہے؟ وہ فرش پر سر رکھے بے آواز رو رہی تھی، آہ یہ آنسو، یہ بے سبب بہتے تھے، وہ سوچنے لگی۔

"کیا وہ مرنے والی تھی؟ اور اس کے بعد کیا ہونا تھا؟"

اسے بھی عفت کی بہن و دھائی طرح دفن کر دیا جاتا، صرف ایک کونے میں، پھر اس کی قبر پہ کوئی دیا نہ جلاتا اور کوئی دعائے خیر نہ مانگتا، کیا اس کا انجام اتنا بدتر تھا؟ یورپ میں رہ کر اپنے باپ کی پندار اور عزت کو سینت سینت کر رکھنے کا انجام بس یہی تھی، ایک اذیت ناک موت؟ ایک شرمناک اختتام؟ کیا نیل بر اسی سزا کی مستحق تھی؟

کیا اس سے بہتر نہیں تھا، وہ بھی اپنی ماں جیسی بے دین سی زندگی گزار دیتی؟ آخر یہاں آ کر بھی کیا ملا تھا؟ رسوائی وہاں پہ بھی تھی؟ رسوائی یہاں پہ بھی تھی، تو پھر وہاں اور یہاں میں کیا فرق تھا، وہاں پر بھی درندے تھے، یہاں پر بھی درندے تھے۔

اسے صندیر خان کے تصور سے نفرت محسوس ہوئی، اسے اپنے باپ سے نفرت محسوس ہوئی اور اسے اس گھر کے سب سے بڑے مخبر سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

''آہ، جہاندار؟''

''تو تمہیں کیا ملا؟ جہاندار مجھے پربتوں میں قید کروا کر تمہیں کیا ملا جہاندار؟'' وہ فرش پہ سر پٹخ پٹخ کر رو رہی تھی، بے انتہا رو رہی تھی اور جانے کتنی دیر ہو گئی، وہ اسی طرح روتی رہی، مچل مچل کر، تڑپ تڑپ کر۔

معاً کوئی تہہ خانے کے دروازے تک پہنچ گیا، نیل بر پوری جان سے کانپ گئی تھی، اس کے اندر وحشت سی پھیلنے لگی، خوف کے مارے وہ تھر تھر کانپنے لگی، تو اس کی موت قریب آ رہی تھی؟ اور یہ احساس ہی اتنا ہیبت ناک تھا، نیل بر کے پسینے بہنے لگے، پورے وجود پہ زلزلہ طاری تھا، ساری بہادری ہوا ہو چکی تھی، بس ایک خوف تھا جو اس پہ چھا رہا تھا، آخر تہہ خانے میں کون آ رہا تھا؟

پھر دروازہ کھلا اور بند ہوا، کوئی سیڑھیاں اتر تا نیچے آنے لگا، نیل بر فرش سے اٹھ کر دیوار سے لگ گئی، آخر کون اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے آ رہا تھا، کیا بابا جان؟ کیا صندیر خان؟ کیا شاہوار خان؟

وہ سوچتی رہی، خیال کرتی رہی، لیکن اس کے سامنے ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا، نیل بر کی آنکھیں غم و غصے سے پھٹ پڑیں، اس کے سامنے جہاندار کھڑا تھا، اس کا جی چاہا وہ پاگلوں کی طرح چلائے اور وحشیوں کی طرح جہاندار پہ ٹوٹ پڑے، لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکی تھی، وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی تھی، وہ بس ٹکر ٹکر جہاندار کو دیکھتی رہی۔

تو بابا نے اسے بھیج دیا تھا، نہیں بلکہ صندیر خان نے، وہ خود نیل بر کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے قتل بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لئے جہاندار کو بھیج دیا تھا اور جہاندار اس کے سامنے کھڑا تھا، ویسا ہی بے نیاز، سیدھا، تن کر کھڑا، جیسے نیل بر پر گزرنے والی قباحتوں کی اسے کوئی پرواہ نہیں تھی اور اسے کیوں پرواہ ہوتی؟ نیل بر سے اس کا بھلا کیا رشتہ تھا؟

وحشت زدہ سی نیل بر جہاندار کو اپنے قریب آتا دیکھ کر وحشت سے چیخ پڑی۔

''کیوں آئے ہو؟'' اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی اور وہ خود سر سے لے کر پاؤں تک تھر تھرا رہی تھی۔

''تمہیں پھانسی دینے نہیں آیا، یو ڈونٹ وری نیل بر۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا تھا، اس کا انداز

چپلے سارو کو نہیں تھا، یہ طنز یہ تھا، اس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔
''تو پھر تماشا دیکھنے آئے ہو؟'' نیل بر جیسے پھٹ پڑی تھی۔
''اوں ہوں۔'' جہاندار نے بے ساختگی میں سر ہلایا، وہ اسے چلانے سے منع کر رہا تھا۔
''ایسے نہیں نیل بر، چلاؤ مت، کیونکہ رونے اور چلانے سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ تمہاری زندگی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔'' جہاندار نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا تو کیا کہا؟ نیل بر کی سانس تک تھم گئی تھی، ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں میں وحشت بھرنے لگی تھی۔
''کیسا فیصلہ؟'' اس کی آواز بھی گھٹ گئی اور اس کے چہرے پہ موت کی سی زردی چھا گئی تھی، جہاندار اسے کئی پل دیکھتا رہا، پھر دو قدم چل کر اس کے قریب آیا تھا، نیل بر غیر محسوس طریقے سے دیوار سے جا لگی، خوف ایک مرتبہ پھر اس پہ چھا رہا تھا، تو کیا جہاندار اسے مقتل گاہ کی طرف لے جانے آیا تھا؟ پھانسی گھاٹ کی طرف؟ وہ بری طرح سے رونے لگی، کیا یہ وہی نیل بر تھی؟ زمین پر تن کے چلتی ہوئی؟ نوکروں پہ حکم چلاتی؟ اور بنو محل پہ راج کرتی؟ کیا یہ وہی نیل بر تھی؟ جہاندار نے سر جھٹک کر جیسے ایک خیال سے پیچھا چھڑوایا تھا۔
''میں زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا، قصہ مختصر ہے، تم جانتی ہو نا نیل بر تم اپنے باپ کو بہت پیاری ہو اور میں جہاندار ہوں تمہارے باپ کا مشیر خاص، وہ مجھ سے مشورے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا اور اگر میں تمہارے باپ کی جگہ ہوتا تو میرا فیصلہ پتا ہے کیا ہوتا؟'' وہ نرمی سے بولتا ہوا اس کی زخمی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لئے نگاہ جماتا ٹھہر گیا۔
''تو میرا فیصلہ انصاف پہ مبنی ہوتا، وہی جو ودھا کے ساتھ کیا گیا، لیکن چونکہ تمہارا باپ با انصاف نہیں ہے، حاکم ہے پر عدل نہیں کرتا اور وہ تمہارے لئے سب کچھ تجویز کر سکتا ہے، سوائے موت کے تو اس نے بڑی ناانصافی کرتے ہوئے تمہارے لئے ایک ہی سزا تجویز کی ہے، جانتی ہو وہ سزا کیا ہے؟'' جہاندار بڑی ہی ملائمت سے گفتگو کرتا نیل بر کے حواس اڑا رہا تھا اور نیل بر ایسی تھی کہ شاید ہی اس میں سانس تک کا گمان کیا جا سکتا؟ وہ بے سانس کھڑی تھی، رکے ہوئے سانس کے ساتھ کھڑی تھی، لیکن اس کا رواں رواں جہاندار کو سن رہا تھا۔
''وہ تمہیں قتل نہیں ہونے دے گا، وہ تمہیں مرنے نہیں دے گا، یہ تمہارے باپ کی تم سے انتہا کی محبت ہے، لیکن اس کے بدلے اپنے باپ کا دوسرا فیصلہ سماعت فرماؤ۔'' جہاندار لمحہ بھر کے لئے پھر سے رکا تھا، پھر اس نے روانی کے ساتھ کہنا شروع کیا، وہ بات کو جلدی سے سمیٹ رہا تھا، یا پھر نیل بر کا مزید امتحان لینا اس کا مقصود نہیں تھا۔
''اس گھر سے بھاگ جانے سے پہلے تمہاری شادی ہونے والی تھی، جو بعد میں ملتوی ہوئی، کیونکہ تم نے بھاگ جانے والا انتہائی قدم اٹھا لیا، تم جس کی خاطر بھاگی، وہ تمہیں بیچ راہ میں چھوڑ گیا، یہ الگ کہانی ہے، تاہم اپنے باپ کا آخری فیصلہ سن لو، تم اس گھر سے آج رات تک رخصت ہو جاؤ گی، اس میں صرف تمہاری زندگی کی بقاء ہے، صندیر خان کسی بھی صورت اس فیصلے کو نہیں مان رہا، لیکن سردار نے صندیر خان کے فیصلے سے بغاوت کر لی ہے، بدلے میں تمہیں سردار بنو کی ساری جائیداد سے عاق ہونا ہے، تمہیں زمینوں، زیورات، محلات میں سے کچھ نہیں ملے گا، بنو محل کے

دروازے تم پہ بند ہو جائیں گے، تم ان کے لئے آج کے بعد مر جاؤ گی، تم جلاوطن کر دی جاؤ گی، تمہاری جائیداد بھی سردار بننے کے بعد صندیر خان کی وراثت میں شامل ہوگی، ان سب باتوں کے بدلے تمہاری جان بخشی کا فیصلہ کیا گیا ہے، تمہارے باپ نے صرف تمہاری زندگی بچانے کی خاطر اپنی پرکھوں کی جائیداد سے ہاتھ اٹھالیا ہے، اس دولت سے قانونی طور پر الگ ہو جائے گا جسے اس نے نجانے کس کس کا خون بہا کر حاصل کیا تھا، یہ زمینیں، یہ محلات، یہ باغات صندیر خان کی ملکیت میں چلے جائیں گے، مجھے سردار نے تمہارے پاس بھیجا ہے، دیکھو نیل بر تمہارے باپ کی تم سے محبت، وہ تمہاری خاطر اپنی روایات سے بغاوت کر رہا ہے، اپنے فیصلوں سے بغاوت کر رہا ہے، اس نے تمہارے سامنے دو آپشن رکھے ہیں، نمبر ایک تم خنک خان یا اس کے کسی بیٹے کی تیسری چوتھی بیوی بن جاؤ، کیونکہ ان کے علاوہ کوئی تمہارا طلب گار نہیں بن رہا، وجہ وہی گھر سے بھاگ جانا، ایسی لڑکیوں کی کسی بھی قبیلے، خاندان اور اس معاشرے میں وقعت نہیں رہتی، اور تم پہاڑیوں کی بیٹی ہو، یہ پہاڑی لوگ ہیں، ایسی عورت اور گالی کو ایک برابر سمجھتے ہیں۔'' جہاندار ایک لمحہ کے لئے رک گیا، تو نیل بر منہ پر ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر روتی لمحہ بھر کے لئے تھم گئی تھی، تو اس کی زندگی کا یہ بدترین فیصلہ ہونے والا تھا؟ وہ خوف اور صدمے کی انتہا پہ زرد سی تھرتھرانے لگی۔

''اور دوسرا؟'' نیل بر کے سفید بے جان ہونٹ بمشکل پھڑپھڑائے تھے۔

''اور دوسرا؟'' وہ معنی خیزی سے مسکرا دیا، اور یہ مسکراہٹ بہت عجیب تھی، سرد، پراسرار، خوفناک، عجیب تر ین، نیل بر کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا گئی تھی۔

''اور دوسرا آپشن میں یعنی جہاندار، تمہارے سامنے کھڑا ہوں اور یہ مت سمجھنا، میں نے اپنا آپ تمہاری خاطر پیش کر دیا، بطور نذرو نیاز۔'' وہ سنجیدگی سے مسکراتا ہوا بہت ہی برفیلا لگ رہا تھا، یوں کہ نیل بر پوری عمارت کے ملبے تلے اچانک دب گئی تھی، وہ اتنی حیران ہوئی کہ ہونٹ بھی نہ کھول سکی تھی، وہ حیرت سے برف کی سل بن گئی۔

''یہ جہاندار کیا کہہ رہا تھا؟'' اسے اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

''تمہارے باپ نے مجھ سے از خود درخواست کی تھی، ایک باپ کی التماس، التجا اور درخواست کو میں رد نہیں کر سکا، میں نے اپنا آپ قربانی کے لئے پیش کر دیا، تمہارے باپ کو میری صورت میں امان نظر آ رہی تھی، وہ اس بات سے بے خبر ہے، کہ میں تو بلائے جان ہوں، پورے کا پورا وبال ہوں عذاب ہوں، میں نے تمہارے باپ کو انکار نہیں کیا، لیکن تم سے ایک ملاقات کی خواہش کا اظہار ضرور کیا تھا تاکہ تم سے کچھ باتیں کلیئر کر سکوں، یوں مجھے تہہ خانے کی چابیاں عنایت کر دی گئی ہیں، اب تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے، اس کے بعد تم سے سوچنے کا اختیار بھی چھین لیا جائے گا، بولو تمہیں منظور ہے؟'' وہ اسے پل صراط پہ کھڑا کر کے چابک مار رہا تھا، وہ اسے سولی پہ چڑھنے کا حکم سنا کر بڑی شان سے کھڑا تھا، اتنا ہی بے نیاز، پراسرار اور عجیب تر۔

نیل بر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آنے لگا، وہ شاید گرنے والی تھی، کسی کھائی میں، یا کسی گڑھے میں، یا زمین پر، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، اس کے دماغ میں کچھ بھی نہیں سما رہا تھا اور جہاندار تھا کہ گھڑی پہ نگاہ جما کر کھڑا تھا اور ایک ایک سیکنڈ کے ساتھ اس کے حواسوں پر بم گرا رہا

تھا۔

"پینتیس، چالیس، پینتالیس" ہر سیکنڈ کے ساتھ اس کی زبان چل رہی تھی، پھر ایک دم وہ رک گیا، خاموش ہو گیا، شاید ایک منٹ کی مہلت ختم ہو گئی تھی، جہاندار نے گہرا سانس بھرا، خود کو پرسکون کیا اور اسی پراسرار انداز میں مسکرا دیا۔

"تو تمہیں دونوں آپشن منظور نہیں ہیں، ویل، پھر تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ نیل بر، میں تمہارا فیصلہ تمہارے باپ تک پہنچا دیتا ہوں۔" اس نے نیل بر کی طرف ایک نگاہ بھسم کر دینے والی پھینکی اور بالوں میں ہاتھ چلاتا مڑنے لگا، اب وہ تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا، اب وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہا تھا، نیل بر اسے جاتا دیکھ رہی تھی، وہ اس کے لئے زندگی کا پیغام لے کر آیا تھا۔

جہاندار جا رہا تھا، جہاندار آگے بڑھ رہا تھا، وہ رکنے کے لئے نہیں آیا تھا، وہ ٹھہرنے کے لئے نہیں آیا تھا، وہ جانے کے لئے آیا تھا، اسے جانا ہی تھا اور نیل بر کو یہاں ٹھہرنا تھا، یہیں رکنا تھا، لیکن کیوں؟ وہ کیوں اس زندان میں رہتی؟ جب اسے رہائی کے لئے ایک روزن مل رہا تھا، وہ اس قید خانے سے نکل سکتی تھی، وہ اس جیل خانے سے نکل سکتی تھی، وہ ان پربتوں سے بہت دور جا سکتی تھی۔

جہاندار ایک روزن تھا، ایک دریچہ تھا، وہ جہاندار کے توسط سے اس قید خانے سے رہائی حاصل کر سکتی تھی، تو پھر وہ خاموش کیوں تھی؟ اسے روک کیوں نہیں رہی تھی؟ اس کے لب ایک دوسرے میں پیوست کیوں تھے؟ اور جہاندار لمحہ بہ لمحہ اس سے دور جا رہا تھا اور جہاندار اس سے دور نہیں جا رہا تھا، بلکہ اس کا سب کچھ اسے سے دور جا رہا تھا، اس کی زندگی، اس کے خواب، اس کا سکون۔

"جہاندار!" نیل بر کے لبوں سے ایک آہ برآمد ہوئی تھی، تہہ خانے کا تالا کھولتا جہاندار لمحہ بھر کے لئے رک گیا تھا، لیکن وہ مڑا نہیں تھا، تہہ خانے کی آخری سیڑھی کے پاس آس و نراس میں ڈولتی نیل بر کھڑی تھی۔

"جہاندار! بابا کو بتا دو، مجھے ان کا آخری آپشن قبول ہے۔" وہ بھیگی آواز میں التجا کر رہی تھی، جہاندار نے مڑ کر نہیں دیکھا، وہ بغیر اس کی طرف دیکھے بھی جانتا تھا کہ نیل بر رو رہی ہے، کیونکہ اسے عمر بھر اب رونا ہی تھا، بٹو محل کے قید خانے میں نہ بھی روتی تو گلگت کی بالکونیوں والے گھر میں جا کر ہمیشہ کے لئے روتی، کہ رونا اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا، کیونکہ اس کا یہ گناہ کیا کم تھا کہ وہ سردار کبیر بٹو کی اولاد ہے؟ کیا یہ گناہ کم بڑا تھا؟

جہاندار نے زہرخند انداز میں سوچا اور پیروں کی ٹھوکروں سے بٹو محل کی عزت کے پرخچے اڑاتا تہہ خانے کی حدود سے باہر نکل گیا، اس حال میں کہ اس کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ تھی۔

"تو سردار بٹو! تم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی بربادی کو آواز دے رہے ہو، میں اس کو قدرت کا انصاف نہ سمجھوں تو کیا سمجھوں؟" اس نے بٹو محل کی اونچی بالکونیوں کو حقارت سے دیکھتے ہوئے

فرش پہ تھوک دیا تھا۔

☆☆☆

اور فرح نے واقعی ہتھیلی پہ سرسوں جما دی، نہ صرف خود پہنچ گئی بلکہ از خود شادی کی تاریخ بھی طے کر لی، اسامہ کو خبر ہوئی تو تپ کر بس پکڑ کر واپس لاہور آ گیا، ادھر تائی غصے سے بھری بیٹھی تھی، ادھر اسامہ بھی چراغ پا تھا، آخر کون سی قیامت آ گئی تھی، جو آناً فاناً شادی طے کر دی جاتی۔

اور پھپھو نہ کوئی وجہ بتا رہی تھیں اور نہ کوئی بات پکڑا رہی تھیں، اسامہ کو بھی شدید تاؤ چڑھا تھا، وہ تائی سے آتے ساتھ ہی الجھ پڑا۔

''آپ نے پوچھا نہیں، انہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟ کیا ہم لوگ بھاگے جا رہے ہیں؟ یا نشرہ کا کہیں اور شادی کا ارادہ بن رہا ہے؟'' وہ غصے میں بھی بونگی مارنے سے باز نہیں آیا تھا۔

''سو مرتبہ تو پوچھ چکی ہوں، کہتی ہے ایک سال بعد بھی تو کرنی ہے، پھر ابھی کیوں نہیں، کارڈ تک چھپنے دے دیئے اور ہم سے مشورہ گوارا نہیں کیا۔'' تائی تو بھری بیٹھی تھیں ایک دم شروع ہو گئیں۔

''ایسے کیسے کر دیں شادی؟ ہرگز نہیں، یہ کوئی کھیل تماشا ہے، ہم نے ابھی تیاری کرنی ہیں۔'' اسامہ غصے میں چیخا، ابو پاس ہی بیٹھے تھے، ذرا گلا کھنکار کر بولے۔

''وہ سادگی سے نکاح پہ زور دیتی ہے۔'' ابو نے کمزور سی آواز میں جتلایا تھا، اسامہ کے تو سر پہ لگی۔

''کیا کہا؟'' وہ جیسے چیخ پڑا تھا۔

''کیا گری پڑی ہے نشرہ، ہم پہ بہت بھاری ہے، جو ایک بوجھ کی طرح اتار پھینکیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، شادی ہوگی تو دھوم دھام سے۔'' اسامہ نے اپنا فیصلہ سنایا تھا، تائی تھوڑا اجز بز ہوئیں۔

''بہت دھوم نہ بھی ہو، کچھ گزارے لائق تو ہو اور اس کے لئے بھی ایک سال ناکافی ہے، ہمارے حالات تو سامنے ہیں، کیسے ہوگا اتنا کچھ؟''

''حالات کو گولا ماریں، وہ تو ایسے ہی رہیں گے آپ کی دعا سے، لیکن ایک بات طے ہے شادی اس طرح نہیں ہوگی، اتنی اچانک، لوگ کیا کہیں گے، میں نشرہ کو اس طرح رخصت نہیں کروں گا۔'' اسامہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''تو کس طرح سے رخصت کرو گے؟'' کب سے اسٹرابیری پہ ہاتھ صاف کرتے نومی نے لب کشائی کی تھی، اسامہ نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا۔

''باجوں گاجوں کے ساتھ۔''

''ڈھول تماشوں کے ساتھ۔'' اسامہ نے اپنا پروگرام نشر کر دیا تھا، نومی پھڑک کر اس کے قریب کھسکا، ایک اسٹرابیری اسامہ کے منہ میں دھکیلی اور مسکرا دیا۔

''گانوں، بجانوں کے ساتھ نہیں؟'' وہ شوخی کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

''مطلب؟'' اسامہ نے ایک بھوں اچکائی۔

''مطلب یہ کہ، باجوں گاجوں کے ساتھ، ڈھول تماشوں کے ساتھ، گانوں بجانوں کے

ساتھ۔" نومی نے ایک مرتبہ پھر تان لگائی تھی اور ایسے ہی اسامہ نے اس کے کندھے پہ دھموکا جڑا تھا۔

"بے شرم، بہنوں کی شادیوں میں مجرے نہیں کراتے۔"

"آج کل تو سب چلتا ہے۔" نومی نے اپنا کندھا سہلایا۔

"شریفوں کے ہاں نہیں چلتا۔" اسامہ نے جتلایا تھا۔

"اور تم نے ضرور بیچ میں بولنا تھا، ہم اتنے سنجیدہ ٹاپک پہ بات کر رہے تھے۔" اسامہ اب نومی پہ دوبارہ چڑھ دوڑا تھا۔

"بڑا سنجیدہ ٹاپک ہے، اور بڑی سیر حاصل گفتگو کر رہے ہو بھئی، اصل بات پہ تو غور نہیں کیا؟ آخر پھپھو پہ اچانک ولید کی شادی کا بھوت کیوں سوار ہوا ہے؟" نومی نے بالآخر ڈھنگ کا پوائنٹ اٹھا ہی لیا تھا، اسامہ کچھ دیر کے لئے چپ کر گیا، وہ تو کب سے یہی بات سوچ رہا تھا، امی کو خرچے کا رونا پڑا ہوا تھا اور وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، کہاں تو پھپھو اس منگنی کو توڑنے کے حربے سوچتی تھیں اور کہاں اب اتنی اتاؤلی ہو رہی تھیں، بات کے اندر کچھ تھا تو سہی، کچن میں مصروف نشرہ ان کے تبصروں پہ ہول رہی تھی۔

جانے اب کیا ہوگا؟ اگر اسامہ نہ مانا اور تائی نے رکاوٹ کھڑی کی تو پھپھو کہیں انا کا مسئلہ سمجھ کر منگنی نہ توڑ دیتی، وہ تو منگنی کے بعد بھی آج تک اسی وہم میں پڑی تھی، وسوسے تھے کہ جاتے ہی نہیں تھے اور اگر ولید تک بات گئی تو وہ ضرور ہی غصہ کرتا۔

نشرہ کو مارے فکر کے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے، وہ اسامہ بھائی کو سمجھاتی تو کیسے سمجھاتی، جیسے تیسے نکاح کر دیتے، وہ اس عقوبت جانے سے تو نکل جاتی، لیکن اس کے دل کی خواہش پہ کان کون دھرتا تھا اور باہر نومی اور اسامہ جانے کس بحث میں الجھے تھے، وہ ہیام کے نام پہ اچانک چونک گئی تھی اور ہیام کے نام پہ دل بھی بے ساختہ دھڑکا تھا، آخر یہ کیا ہوا تھا؟ اور ہر دفعہ ہی ہیام کے نام پہ ایسا کیوں ہوتا تھا؟ اور ہیام کے نام اور تصور کے ساتھ ہی اسے ہیام کی باتیں یاد آنے لگیں، وہ آنکھیں، وہ نقش، وہ دلفریبی، وہ آنکھوں سے باتیں کرتا تھا، بڑا ہی فنکار تھا، اس کی شوخیاں نشرہ کے لبوں کو مسکرانے پہ مجبور کر دیتیں، اس وقت بھی ہیام کی باتوں نے اس کا دھیان بٹا دیا، اسے ہیام کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"یہ تم ہر وقت ماسی کیوں بنی رہتی ہو؟" وہ ہسپتال سے آتے ساتھ اس کے سر پہ سوار ہو جاتا تھا۔

"تو کیا کروں؟ کمشنر لگ جاؤں کیا؟" نشرہ چڑ کر کہتی۔

"ماسی نہیں، مہارانی بنو۔" ہیام مسکراتا، آنکھوں سے، باتوں سے، ہونٹوں سے اور نشرہ سے اپنی بے قابو ہوتی دھڑکنیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا، ایسا ولید کی دفعہ تو نہیں ہوتا تھا، ولید سامنے ہوتا تو کوئی احساس نہیں جاگتا تھا، ایک خوف کے سوا، ایک ڈر کے سوا، وسوسوں کے سوا، خدشات کے سوا، کبھی تائی کا ڈر، کبھی پھپھو کا ڈر، کبھی عینی کا۔

اتنے ڈر اور خوف کے ساتھ وہ کچھ بھی محسوس نہیں کر سکتی تھی، نہ دل دھڑکانے والے کسی

احساس کا تصور کر سکتی تھی، بس ولید اس کے لئے ایک روزن تھا اور اسے دل و جان سے قبول تھا، کم از کم اس جہنم سے تو جان چھوٹ جاتی، یہاں جو زندگی گزر رہی تھی اور اسامہ بھائی کہتا تھا "اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

اسامہ بھائی کو بھلا وہ کیسے بتاتی؟ یہ کوئی جلدی نہیں ہے، اللہ کا واسطہ میرے صبر کے ٹوٹ جانے سے پہلے پہلے مجھے اس قید سے رہائی دلوا دیں۔

لیکن یہ باتیں وہ اسامہ بھائی کو نہیں کہہ سکتی تھی اور تائی سے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور اسامہ بھائی باہر جانے کیا کہہ رہا تھا؟ نشرہ نے برتن دھوتے ہوئے باہر کان لگائے تھے۔

اسامہ بھائی لاؤنج میں نہیں تھا، اب وہ صحن میں تھا اور موبائل کان سے لگا کر کسی سے بات کر رہا تھا، کچن کی ایک کھڑکی صحن میں کھلتی تھی اور باہر کی آواز صاف صاف اندر سنائی دے رہی تھی، نشرہ نے بے ارادہ ہی سن لیا، اسامہ یقینی طور پہ اپنے دوست اور اس گھر کے کرائے دار سے فون پہ مصروف تھا اور وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا، انتہائی سنجیدہ۔

"ہیام اس کو مذاق مت سمجھنا، میں تمہارے اشاروں کنایوں سے کچھ کچھ سمجھ گیا تھا، ایک دنیا دیکھی ہے میں نے، گھاٹ گھاٹ کا پانی پی رکھا ہے، میں ہر رنگ پہچان لیتا ہوں، میں زندگی کے کسی مقام پہ یہ نہیں سنوں گا، تم تو مذاق کے موڈ میں تھے۔" اسامہ بلا کا سنجیدہ تھا، جانے وہ کس موضوع پہ بات کر رہا تھا، نشرہ کے کچھ بھی پلے نہیں پڑا، تھوڑی دیر بعد گفتگو نشرہ کے گرد گھومنے لگی تھی۔

"میں نہیں جانتا پھپھو کو شادی کی اچانک کیا مصیبت پڑ گئی ہے، ان کے انداز پراسرار ہیں اور میں وجہ کھوج کر رہوں گا، نشرہ ہم پہ بھاری نہیں، جسے بوجھ کی طرح اتار پھینکیں۔" اسامہ کی آواز دھیمی پڑ گئی، نشرہ کے ہاتھ سست ہو گئے تھے۔

"جانے اس گھر سے نکلنا نصیب ہوگا بھی یا نہیں۔" نشرہ نے یاسیت سے سوچا تھا، اسامہ اس کے لئے ہمدردی رکھتا تھا، لیکن اس وقت اسامہ کی ہمدردی نشرہ کو کچھ بھا نہیں رہی تھی، اس کی آنکھوں میں نمکین پانی اترنے لگا۔

☆☆☆

پھر یوں ہوا کہ اسامہ کی ضد پھپھو کے اصرار پہ دھیمی پڑ گئی تھی۔

گھر میں نہ چاہتے ہوئے بھی نشرہ کی شادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، پھپھو بھی لگی بندھی شاپنگ کر رہی تھیں، تائی بھی مرے دل کے ساتھ جہیز کا جوڑ توڑ بنانے لگیں، عینی بڑی افسردہ تھی، لیکن یہ افسردگی زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکی تھی، وہ ان دنوں اپنی سہیلی کے بھائی کے چکر میں تھی۔

شادی کا سلسلہ شروع ہو بھی گیا تھا تب بھی نشرہ کی یاسیت کم نہیں ہو سکی تھی، وہ اپنے اندر ایک بھی خوشی کا احساس زندہ نہیں کر سکی تھی، جانے اس کا دل اتنا مردہ کیوں تھا؟ اس دن ولید سے بات ہوئی تب بھی دل بھرا بھرا سا تھا، نشرہ کو ولید کا لہجہ اور انداز پہلے سے بہت اجنبی اور کھردرا سا لگا، اس کے پوچھنے پہ ولید نے آف موڈ کے ساتھ بتایا۔

"آج کل پاپا کا بزنس لاس میں جا رہا ہے، بس پریشانی ہے۔" وہ واقعی پریشان تھا، نشرہ

جیسے ہی کر گئی، حالانکہ دل چاہ رہا تھا، اتنا تو کہہ دیتی، اگر بزنس لاس میں جا رہا تھا تو شادی کچھ ڈیلے کر دیتے۔

''اسی لئے تو کہا تھا، سادگی سے نکاح کر دیں، مگر ہمارے یہ رشتہ دار، کسی کی پریشانی کو خاطر میں نہیں لاتے۔'' ولید کی آواز اسے چونکا گئی تھی، نشرہ نے کچھ حیرانگی سے کہا۔

''پھپھو نے تو ذکر نہیں کیا۔''

''ممی تو کہہ رہی تھیں، تم لوگوں کو پتا ہے، ویسے بھی خاندان میں باتیں پھیلتی بہت ہیں، تم لوگوں کو پتا تو چل ہی چکا ہوگا، پاپا پہ بہت قرض چڑھ گیا ہے، سب دیوالیہ ہو گیا، گھر تک بک گیا۔'' ولید نے جیسے اس کے سر پہ دھماکہ کیا تھا، نشرہ تو گم صم رہ گئی تھی، اس سے تو کچھ بولا ہی نہیں گیا، پھپھو نے اتنی بڑی بات چھپائی؟ آخر کیوں؟

''پھپھو نے کچھ نہیں بتایا۔'' نشرہ کو کہنا ہی پڑا۔

''اس لئے کہ بھرم نہ ٹوٹ جائے۔'' ولید کچھ زیادہ ہی زودرنج تھا۔

''تو اب کیا ہوگا؟'' وہ روہانسی ہو رہی تھی، اسے اپنی خوش نصیبی پہ پہلے بھی گمان نہیں تھا، اب تو یقین ہو چکا تھا، وہ بڑی ہی بدنصیب ہے، اس کی نحوست پھپھو کے گھر پہ بھی پڑ گئی تھی۔

''ممی نے تم سے واقعی بات نہیں کی؟'' ولید اب چونکا تھا، نشرہ حیران ہوئی۔

''نہیں تو۔'' اس نے ناسمجھی والے انداز میں کہا تھا۔

''اچھا، مجھ سے تو کہہ رہی تھیں، نشرہ سے بات ہو گئی ہے اور نشرہ رضامند ہے۔'' ولید کا انداز مبہم سا تھا، نشرہ کے کچھ بھی پلے نہیں پڑا۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔'' وہ الجھن سے بولی تھی۔

''آ جائے گی، جلدی سمجھ آ جائے گی، لیکن ایک بات یاد رکھنا نشرہ، تم نے ہر صورت میرا ساتھ دینا ہے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' ولید کا انداز دھونس بھرا تھا، نشرہ تو گم صم رہ گئی، آخر ولید کیا کہنا چاہ رہا تھا، اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آیا، کوئی بھی بات پلے نہیں پڑی تھی، لیکن ایک چیز اسے ضرور سمجھ آ گئی تھی کہ ولید اس سے جو چاہ رہا تھا، وہ شاید اس کی بساط سے کچھ اوپر کی بات تھی، کیا ولید اس سے کوئی ڈیمانڈ کرنے والا تھا؟ نشرہ کی محدود سوچ اسی دائرے کے اندر چکراتی رہی۔

☆☆☆

زرد دھوپ دیوار پہ پھیلی ہوئی تھی، جو اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرکتی ہوئی کوچ کرنے لگی، سائے لمبے ہو رہے تھے، دھوپ سمٹ رہی تھی، لیکن فضا میں معمول کا حبس معلوم ہوتا تھا، عجیب سی گھٹن تھی جو اندر باہر چکراتی تھی۔

تائی اندر ابٹن گھول رہی تھیں، محلے کی باجیاں جہیز کے کپڑے ٹانکنے مدد کے خیال سے آ گئی تھیں اور اب فارغ ہو کر کچن سے برات لائی بیا نے نشرہ کو دیکھ کر گانا گانا شروع کر دیا تھا۔

نشرہ کچھ دیر تو محلے کی لڑکیوں کے پاس بیٹھی رہی تھی، پھر صحن میں ان سیڑھیوں کی طرف آ گئی تھی جو کرائے داروں کے لئے الگ سے بنائی گئی تھیں۔

سیڑھی کے آخری سرے پہ بیٹھی نشرہ کو خبر نہیں تھی آج دوپہر کو ہمام بھی لوٹ آیا تھا اور اب نیچے

کے آگے بے سروپا آوازوں پہ بیزار سا باہر نکل آیا تھا۔
نشرہ پہ نگاہ پڑی تو رک نہیں سکا تھا، کچھ آگے بڑھ کے اس کی طرف چلا آیا تھا، نشرہ ہیام کو اچانک دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''او تو جناب کے دن مقرر ہو گئے، بلے بھئی بلے، تو اب آپ اس گھر سے کوچ فرمانے والی ہیں۔'' ہیام نے مسکراتی نگاہوں سے نشرہ کو دیکھ کر ہلکے پھلکے لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا تھا، لیکن چاہ کر بھی وہ اپنے لہجے میں چھپی افسردگی کو دبا نہیں پایا تھا، ایک یاسیت تھی جو اس کے چہرے کی طرف گھیراؤ کر رہی تھی، ایک اداسی تھی جو اس کے وجود سے لپٹ رہی تھی، حالانکہ چونچال سا ہیام ایسا تو نہیں تھا اور ہیام تو واقعی ایسا نہیں تھا، نشرہ کچھ چونک گئی تھی۔

''تمہیں دیکھ کر ایک خیال آیا تھا۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ہیام کی پھر سے آواز ابھری تھی، وہ اسے بے خیالی میں دیکھنے لگی، اس کی نگاہوں میں ایک استعجاب تھا۔

''کیسا خیال؟'' اس نے بند ہونٹوں سے سوال پوچھا تھا۔

''یہی کہ تمہیں اس نگر سے چرا کر پربتوں کے اس پار لے جاؤں۔'' ہیام کے بھیگے سے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس نے نشرہ کو ٹھٹکا دیا، وہ لب بھینچ کر متوحش سی ہو گئی تھی۔

''یہ ہیام پھر سے ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟ جبکہ جانتا بھی ہے میری شادی کے دن قریب ہیں۔'' وہ اندر ہی اندر گھبرا رہی تھی۔

''ایک بات پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں نشرہ!'' کچھ دیر بعد وہ بڑی آس سے پوچھ رہا تھا، اس کا انداز اجازت لینے والا تھا، کچھ جھجکا ہوا، گو کہ یہ ہیام کا اپنا انداز نہیں تھا، وہ تو ہر بات منہ پہ مار دینے کا عادی تھا، پھر کس چیز نے اسے جھجکنے پر مجبور کر دیا؟ نشرہ زیادہ دیر سوچ بھی نہیں پائی تھی، ہیام نے پھر سے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، نشرہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا تمہیں ولید سے محبت ہے؟'' اس کا سوال بڑا اچانک تھا، یوں کہ نشرہ گڑبڑا بھی نہیں سکی تھی، اسے امید نہیں تھی، ہیام اتنا پرسنل سوال بھی کر سکتا ہے، لیکن ہیام سے بھلا کیا بعید تھا؟

''بتاؤ نشرہ، دیکھو آج خاموش مت رہنا۔'' اس کے لہجے میں بے نام سی التماس تھی، ایک التجا سی تھی، ایک درخواست سی تھی۔

''کیا تمہیں واقعی ولید سے محبت ہے؟'' وہ اپنا سوال دہرا رہا تھا اور آج وہ نشرہ کو ایسے چھوڑنے والا نہیں تھا، نشرہ لب بھینچ کر خاموش تھی، یہ کیسا سوال تھا؟ جو وہ خود سے بھی کرنے سے ڈرتی تھی اور اس سوال کا سامنا کرنے سے بھی ڈرتی تھی اور ابھی تو ہیام پوچھ رہا تھا، اگر کبھی ولید نے پوچھ لیا تو؟ کیا نشرہ اس سے جھوٹ بول سکے گی؟ کیا وہ سچ بیان کر سکے گی؟

''کیا ولید صرف ایک روزن ہے نشرہ، ایک دریچہ ہے، ایک راستہ ہے بس، اس کے سوا کچھ نہیں، تو پھر ایسی جلدی کیا تھی نشرہ، کیا تھوڑا انتظار نہیں کر سکتی تھی، میں تمہیں ایک رستہ بھی دیتا، ایک روزن بھی دیتا اور ایک دریچہ بھی کھول دیتا اور اس کے پار تمہارے لئے ڈھیروں محبتیں ہوتیں، تمہیں پربت کے اس پار سے آنے والے ہیام خان کی بات پہ اعتبار تو کرنا چاہیے تھا، تمہیں میرے دعوے کا اعتبار تو کرنا چاہیے تھا، مجھ پہ اعتبار تو کرنا چاہیے تھا، کیا تمہیں میری محبت پہ یقین

نہیں۔" وہ روشن آنکھوں والوں پہاڑوں کا شہزادہ اپنی خوبصورت آنکھوں سے محبت کے اسم پھونک رہا تھا، وہ نشرہ کو پتھر کر رہا تھا، وہ نشرہ کو ششدر کر رہا تھا۔

لیکن ایسا نہیں تھا، وہ نشرہ کو پتھر کرنا نہیں چاہتا تھا، وہ نشرہ کو برف کرنا نہیں چاہتا تھا، وہ تو پتھروں کو موم کرنے آیا تھا، وہ تو برف کو پگھلانے آیا تھا، وہ تو نشرہ کو اپنی محبت کا یقین دلانے آیا تھا۔

وہ محبت جس کا ادراک الہام کی طرح اس کے دل پہ وارد ہوا تھا، وہ محبت جس کا حقیقی انکشاف پہلی نگاہ میں ہیام خان کو نشرہ کے وجود کا دیوانہ کر گیا تھا، وہ کھڑکی سے دکھتا وجود اور وہ پہلی نگاہ کی محبت؟ تو کیا اس کی محبت کھلنے سے پہلے ہی مرجھانے والی تھی، کیا بہار سے پہلے ہی خزاں آنے والی تھی؟

☆☆☆

اور شانزے کے ساتھ ساتھ کومے بھی صدمے کے مارے گنگ رہ گئی تھی۔

پلوشہ کومے کے منہ سے صندریہ خان کا نام سن کر آپے میں نہیں رہی تھیں اور زندگی میں پہلی مرتبہ پلوشہ نے کومے کو اپنے ہاتھوں سے اس بری طرح سے پیٹا کہ شانزے کو پلوشہ کے بے قابو غصے کو کنٹرول کرنا اور ان کے ہاتھوں کو روکنا مشکل ہو گیا تھا۔

اور جب وہ کومے کو مار مار کر ہانپ گئی تو خود بخود صوفے پہ ڈھے کر لمبے لمبے سانس لینے لگی تھیں اور کومے تھی کہ اپنے جرم پہ جو اس بے ساختہ سی رونا بھی بھول گئی، چلانا بھی بھول گئی، شکوہ کرنا بھی بھول گئی تھی، جبکہ شانزے مسلسل پلوشہ کو نارمل کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

"پھپھو! کیا ہو گیا ہے آپ کو، حد کر دی آپ نے، کوئی ایسے بھی کرتا ہے۔" بہت دیر بعد شانزے بمشکل کچھ بولنے کے قابل ہو سکی تھی، جواباً پلوشہ نے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"اس کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس نے ان منحوسوں کا میرے سامنے نام لیا، صندریہ خان!" پلوشہ نے اپنے سینے پہ مکے برسانے شروع کر دیئے تھے، پلوشہ کا شدید ہیجانی ردعمل دیکھ کر شانزے اور کومے تک گھبرا گئی تھیں، کومے اپنی تکلیف اور تذلیل بھول کر پلوشہ سے لپٹ گئی۔

"آپ کو کیا ہوا ہے خالہ! آپ کو کیا ہوا ہے؟ یہ سب کیا ہے؟" وہ بری طرح سے ڈر کر رونے لگی۔

"مجھے کچھ ہو جائے گا، اب تو ضرور ہو جائے گا، میرے وسوسے بے جا نہیں تھے، میرے خدشے بے بنیاد نہیں تھے، پہلے امام چلا گیا، پربتوں کے اس پار، جہاں خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے اور اب تم ہاں، تم...... تم بھی انہی کا نام لوگی، انہی سنگ دل لوگوں کا، انہی بے رحم لوگوں کا، وہ لوگ ایک مرتبہ پھر ہماری زندگیوں میں گھس رہے ہیں، وہ ہماری زندگیوں پہ چھا رہے ہیں، وہ ہماری زندگیوں میں ایک مرتبہ پھر آ رہے ہیں، ہائے، وہ کون سی منحوس گھڑی تھی، جب میں نے امام کو دیا مر جانے دیا اور تم...... کبھی بھی اس کالج دوبارہ نہیں جاؤ گی، جہاں پہ وہ آتا ہے، چیریٹی شو کرنے، اپنی دولت کی نمائش کرنے، بس مجھ سے وعدہ کرو۔" وہ بے چینی سے کومے کو ساتھ لپٹا کر رونے لگی تھیں، پھر اس کا منہ چومنے لگیں، پھر اس کے ہاتھ چومنے لگیں۔

"میں نے بہت سے رشتے کھو دیئے ہیں، میں نے بہت سے اپنے کھو دیئے ہیں، اب مجھ میں اور کچھ کھونے کا حوصلہ نہیں، تم تینوں میری زندگی کا اثاثہ ہو۔" پلوشہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھیں۔

"میری دو بیٹیاں مجھ سے بچھڑ گئیں، میں تمہیں کھو دوں کومے! میں نے تو آج تک تمہیں ممتا بھری نگاہ سے نہیں دیکھا، اس ڈر سے کسی کو خبر نہ ہو جائے، کوئی مجھ سے تمہیں چھین کر نہ لے جائے۔" وہ روتے روتے نڈھال ہو گئی تھیں، کومے ان کے گھٹنوں پہ سر رکھ کر سسکنے لگی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی، کسی کا نام تک نہیں لوں گی، بس آپ خاموش ہو جائیں۔" وہ پلوشہ کے ہاتھ چومنے لگی، تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

"وہ تمہیں مجھ سے چھین کر لے جائے گا۔" پلوشہ نے خوف کے مارے آنکھیں میچ لی تھیں، جیسے کوئی کومے کو ان سے چھیننے آ رہا تھا، جیسے کوئی ان کے گھر پہ نقب لگانے آ رہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" کومے انہیں یقین دلا رہی تھی۔

"ایسا ہو کر رہے گا، ایسا ضرور ہو گا، وہ سنہرا گھڑ سوار ہے، سورج جیسا، تانبے کی رنگت والا، وہ بدلہ لے کر رہے گا، وہ انتقام لے کر رہے گا، وہ تمہیں مجھ سے چھین کر رہے گا۔" وہ خوف سے کپکپا رہی تھیں، شانزے نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے، وہ شدید ہیجانی اور نفسیاتی دباؤ میں تھیں، وہ شاید کسی خوفناک ماضی کے لمحے کے اثر میں تھیں، شانزے انہیں ریلیکس کرتی رہی۔

"کومے! تم امام سے کہو، واپس آ جائے، نوکری سے استعفیٰ دے دے، ہمیں نہیں چاہیے، افسریاں اور مال [illegible]" پلوشہ کی دہائیاں کومے اور شانزے کو شدید تکلیف میں مبتلا کر رہی تھیں، وہ پلوشہ کو بڑے پیار سے تسلیاں دے رہی تھیں۔

"امام واپس آ جائے گا، آپ فکر نہ کریں، اسے کچھ نہیں ہو گا۔" شانزے نے ملائمت سے انہیں سمجھایا تھا۔

"تو میرے اندر وسوسے کیوں ہیں؟" وہ بچوں کی طرح سہم کر پوچھ رہی تھیں۔

"آپ کے وسوسے بے بنیاد ہیں، آپ پلیز پریشان نہ ہوں، کچھ نہیں ہو گا۔" شانزے نے کومے کو اشارہ کیا، تاکہ پلوشہ کی دوائیں لے آئے۔

اسی پل آندھی و طوفان کی طرح ہمان کمرے میں داخل ہوا تھا، اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں، شانزے اور کومے جیسے دھک سے رہ گئیں۔

اسے یوں لگا، جن خدشات کا پلوشہ ابھی رو رو کر ذکر کر رہی تھیں، وہ پھن پھیلائے ان کو نگلنے کے لئے تیار تھا۔

"کیا ہوا ہے ہمان؟" شانزے نے گھبرا کر اس کا کندھا ہلایا۔

"بتاؤ کیا ہوا ہے، میرا دل پھٹ جائے گا۔" پلوشہ سینہ پکڑ کر چلائی تھیں، ہمان نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے سب کی طرف دیکھا اور پھر ان کے سروں پہ جیسے پوری عمارت آ گری تھی۔

"امام کو صندیر خان نے گولیوں سے بھون ڈالا ہے، مجھے نہیں خبر صندیر خان کون ہے؟ سرکاری بنگلے کے ملازموں سے خبر ملی ہے [illegible] سردار بتول بی بی کو [illegible] گزر رہا تھا یہ سب

جھوٹ ہے، یہ سب کہانی ہے، میرا بھائی ایسا نہیں، وہ کوئی غلط بات کر ہی نہیں سکتا، وہ کوئی غلط کام کر ہی نہیں سکتا۔'' ہمایں اتنا اونچا پورا جوان اونچی آواز میں رو رہا تھا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک کہرام مچ گیا۔

''تو کیا میرا امام مر گیا ہے؟'' بلوشہ کو لگا جیسے کسی نے تلوار کے ساتھ اس کے وجود کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، وہ غش کھا کر زمین پہ گری تھیں اور پھر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئیں۔

☆☆☆

رات گہری تاریک تھی، رات گنہ گاروں کے سیاہ اعمال جیسی گہری اور کالی تھی، رات بستی کے سرداروں جیسی تنگ دل، سرد، اجنبی اور بھیانک تھی، رات ایسی ہی تھی جیسی نیل بر کی زندگی اور جیسا نیل بر کا سیاہ نصیب اور آج اس کی شادی تھی، یا اس کا جنازہ تھا؟ وہ دونوں باتوں میں تفریق کرنے سے قاصر تھی۔

اسے نکاح کے لئے باہر نہیں لے جایا گیا تھا، بلکہ اس کا نکاح ایک اندھیرے کمرے میں ہوا، جس میں اس کا باپ اور تایا زاد مجبوراً بھی شرکت کرنے سے قاصر رہے، اس نکاح پہ کوئی بھی خوش نہیں تھا، یہ ایک فریضہ نہیں تھا، یہ ایک بوجھ تھا جسے اتارہ گیا تھا، جس سے جان چھڑائی گئی تھی، جسے اپنے تئیں اپنی زندگی کی کتاب سے پھاڑ کر یہ لوگ اپنی زندگیوں میں مطمئن اور پرسکون ہونے والے تھے۔

اس کا نکاح بابا کی مرضی کے مطابق ہوا، لیکن نکاح نامے میں شرائط جہاندار کی مرضی سے طے ہوئیں، جس پہ کسی نے توجہ بھی نہیں دی تھی، ان کی بلا سے کچھ بھی لکھا جاتا اور نیل بر تو نکاح نامے جیسے ایگری منٹ کی اہمیت سے قطعاً انجان تھی، اس کے لئے یہ پیپر بس شادی کا ایک تعلق تھا اور بس۔

اور صندیر خان نکاح کے ہوتے ہی نیل بر کو اس گھر سے نکالنے پہ بضد تھا، وہ ایک لمحے کے لئے بھی نیل بر کو برداشت کرنے کی اعلیٰ ظرفی نہیں دکھ سکتا تھا، حالانکہ حمت اور سبا خانہ، نیل بر سے ملنا چاہتی تھیں اور بی جاناں بھی لاکھ عداوت کے باوجود آخری مرتبہ اسے پیار کرنا چاہتی تھیں، لیکن جہاندار نے اچانک رخصتی کا اعلان کر دیا اور صندیر خان نے نیل بر سے کسی کو بھی ملنے پہ پابندی عائد کر دی تھی، وہ گرج گرج کر سب کو یاد کروا رہا تھا۔

''آج سے سمجھ لو، نیل بر ہمارے لئے مر چکی ہے۔'' وہ نفرت و حقارت کی انتہاؤں پہ تھا۔

''اگر بابا میرے باپ کے بھائی نہ ہوتے، اگر بابا مجھے مجبور نہ کرتے، اگر بابا میرے پیروں پہ ہاتھ رکھ کر نیل بر کی زندگی کی بھیک نہ مانگتے تو آج نیل بر بھی اپنے اس بزدل عاشق کی طرح موت کے پھندے سے لگی دنیا سے پردہ کر چکی ہوتی، یہ بابا تھے، جن کے بڑھاپے پہ مجھے ترس آ گیا ورنہ۔'' اور اس ورنہ کے بعد کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں تھی۔

صندیر خان کے لئے نیل بر کا نکاح ضروری تھا، وہ جس سے بھی ہوتا، چاہے کالے چور کے ساتھ، بس وہ اس گھر میں دوبارہ دکھائی نہ دیتی اور نیل بر آج کے بعد اس گھر تو کیا اس علاقے میں بھی دکھائی نہیں دینی تھی۔

نیل بر کا نام ان کے خاندان کی کتاب سے اچانک کاٹ دیا گیا تھا، نیل بر کا نام اچانک ان کے خاندان کی کتاب سے مٹا دیا گیا تھا۔

نیل بر آج کے بعد "بٹو خاندان" کا حصہ نہیں تھی، اس کے نام کے آگے سے سردار کبیر بٹو کا نام مٹ گیا تھا، آج کے بعد وہ ایک "بے وارث" اور بے نام ونشان آدمی کی بیوی بن چکی تھی، وہ آدمی جس کا نہ کوئی حسب تھا، نہ کوئی نسب تھا، وہ آدمی جس کا کوئی خاندان نہیں تھا، جس کا کوئی نشان نہیں تھا، وہ ایسے آدمی کی بیوی بنا دی گئی تھی اور یہی نیل بر کی سزا تھی، تمام عمر اپنے حسب اور نسب کے لئے روتی، اپنے باپ کی حشمت وجلال کے لئے روتی، اپنے کھوئے ہوئے رشتوں کے لئے روتی، یہ سزا اسے قتل کرنے سے بھی بڑی تھی۔

اور صندیر خان مطمئن تھا، اس کے ہاتھ پہ کسی انسانی خون کا دھبہ نہیں لگا، کیونکہ آج کے بعد نیل بر کا اپنا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا اور آج کے بعد بٹو محل کے اونچے کلس پہ نیل بر نام کا کوئی ستارہ نہیں چمکے گا اور آج کے بعد نیل بر کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائے گا، سردار بٹو اپنی جان عزیز کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتا دیکھ رہا تھا، یہ اس کی لاڈلی اولاد تھی، جان عزیز تھی اور اس کی جان نکال کر جا رہی تھی۔

اسی گھر سے بہت سال پہلے بھی سردار بٹو کی چار بیٹیاں روتی ہوئی نکالی گئی تھیں اور آج اتنے سال بعد ایک مرتبہ پھر سردار بٹو کی بیٹی روتی ہوئی نکالی جا رہی تھی، یہ بٹو خاندان کی بیٹیوں کے کیسے نصیب تھے؟ بلکہ یہ سردار بٹو کی بیٹیوں کے کیسے نصیب تھے؟

(جاری ہے)

نظر اس سے جو ملی

صدف آصف

تیز ہوا سے بکھرے، ریشم کی آبشار سے بالوں کو سمیٹ کر اونچا جوڑا بناتے ہوئے، نرم گلاب لبوں سے کانٹے چبھوتی ماروی پر ثمر کی نگاہیں مرکوز ہو کر رہ گئیں، زہر اگلنے کے بعد اب وہ اپنی سیاہ لٹ کو کھینچ کر کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ ثمر جمال کے بہت اندر سے خواہش اٹھی کہ ماروی کی نازک سی گردن مروڑ کر رکھ دے مگر وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا۔ ماروی جو ڈیڈ کی لاڈو پری تھی، اس حرکت پر تو اسے گھر سے ہی نکلوا دیتی۔ اس نے مضبوط مردانہ ہاتھوں اپنی مٹھیاں بھینچ کر خود پر کنٹرول کیا، طیش کے عالم میں چہرے کی رنگت سرخی مائل ہو گئی، مگر مجال ہے جو اس لڑکی پر رتی برابر بھی اثر ہوا ہو بے فکری سے کھڑی ببل گم چباتی رہی۔

''ایک منٹ۔۔ جو کہنا ہے کھل کر کہو۔۔'' اس نے غضب ناک ہوتے ہوئے تیوری پر بل ڈال کر بات صاف کرنا چاہی۔

''تم ویسے تو دن بھر، کیمرے کی آنکھ کا بہانہ بنا کر

ناولٹ

ماڈرن [illegible] پر [illegible] ہو۔ مگر۔ اب راہ چلتی معمولی لڑکیوں کو بھی تاڑنے لگے ہو'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے اندر کی جلن زبان تک آ گئی۔

''مس ماروی نہال زرا ہوش میں رہ کر بات کرو۔ کیا۔ مجھے ایسا چیپ سمجھ رکھا ہے؟'' اس نے دانت پیس ڈالے،۔

''ہاں۔۔'' ماروی نے گرمی کی شدت سے گھبرا ماتھے کا پسینہ ہاتھ میں پکڑے ٹشو میں جذب کرتے ہوئے منڈی ہلا دی،

''کتنی کیوٹ ہو۔۔'' وہ پہلے تو بھنایا، پھر اسے دیکھتے ہوئے دل میں سوچا، جامنی کرتے اور سفید ٹراؤزر میں اس کا حسن پھوٹا پڑ رہا تھا۔

ثمر کو اپنی انا بہت عزیز تھی، اس لیے زبان سے کہہ نہیں سکتا تھا کہ، ماروی کے سوا دنیا میں کوئی اور لڑکی اس کی نگاہوں میں سماتی ہی نہیں۔

''کیوں میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں؟'' اس کی خاموشی پر وہ شیر ہوئی، چیلنج کرتی نگاہوں سے دیکھا۔
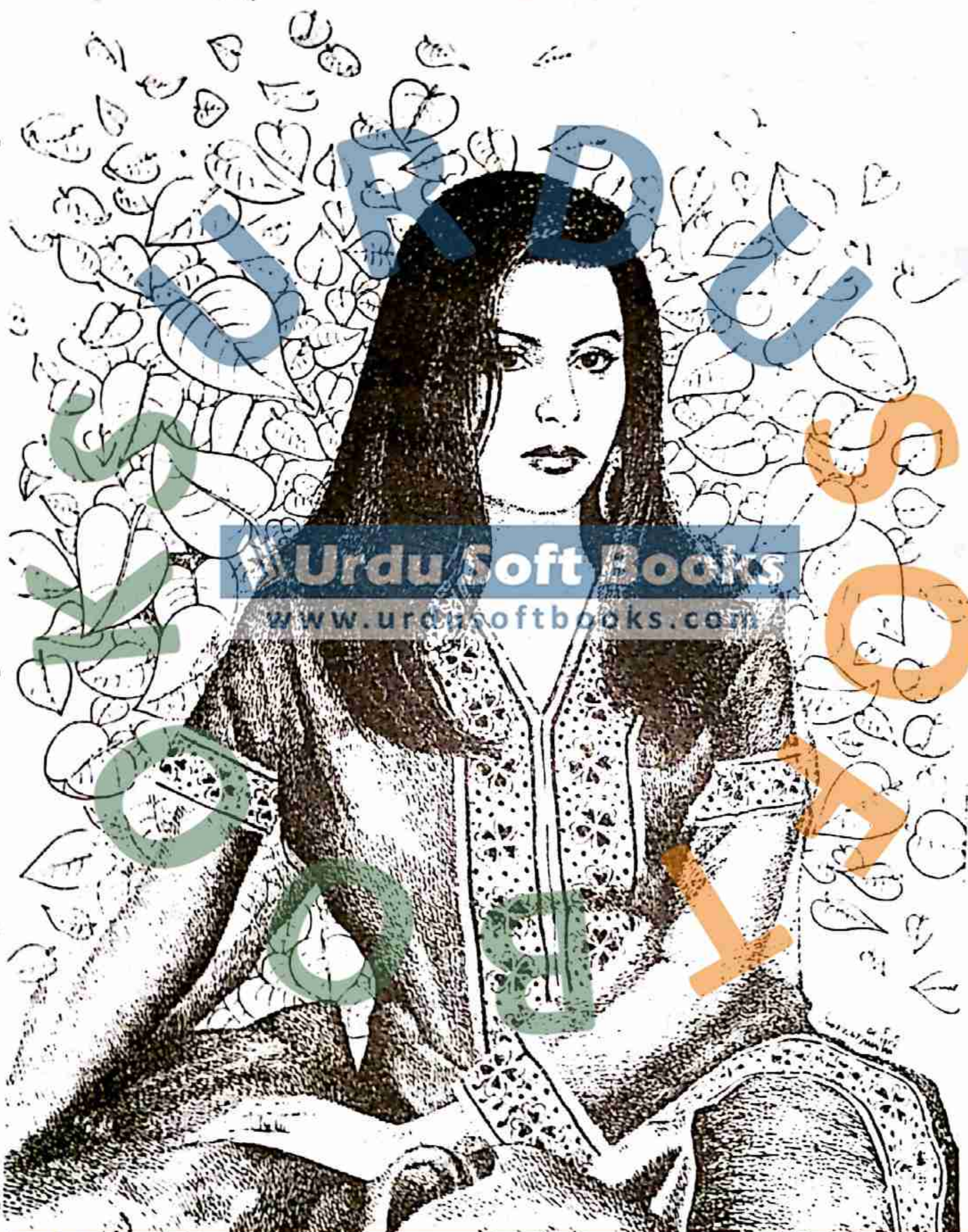
"سو فیصد۔۔۔جھٹ" ثمر نے زبردستی اس کی شفاف آنکھوں میں جھانکا۔

"او۔۔گاڈ۔۔!۔تم تو اتنے معصوم بن رہے ہو۔۔جیسے روٹی کو لوتی کہتے ہو۔۔۔" ماروی نے مذاق اڑایا۔

"بس۔۔بہت ہوگیا۔مجھ پر ایسے الزامات لگانے سے پہلے تمہیں وجہ معلوم کرنی چاہیے تھی۔" جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے تیز لہجہ اختیار کیا۔

"میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔۔تم بتاؤ۔۔ابھی اس لڑکی کو مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے یا نہیں؟" ماروی ذرا بھی رعب میں نہیں آئی، الٹا سوال کر ڈالا۔

"ہاں۔۔دیکھا تھا۔۔مگر وہ بھی صرف اپنے دوست کی چھوٹی بہن کے مغالطے میں۔ثمر نے نہ چاہتے ہوئے بھی صفائی دی۔

"کیوں۔۔دوست کی چھوٹی بہن کو گھورنا جائز ہے" اس نے جل کر پوچھا۔

"اٹس۔۔ٹو مچ۔۔یار۔۔فرخ پچھلے مہینے امریکا گیا ہے۔۔مجھے اس کا نیا نمبر چاہیے تھا میں سمجھا اس کی بہن ہے۔۔اتنے غور سے بس اسی لیے دیکھا تھا، مگر وہ کوئی اور نکلی۔۔پر تم نے تو رائی کا پہاڑ بنا ڈالا"۔وہ سخت انداز میں بولتا چلا گیا۔

"اوں۔۔اب تو یہ ہی کہو گے۔۔تمہاری چوری جو پکڑی گئی" ماروی نے نفی میں گردن ہلا کر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔

"میں۔۔کیا تم سے ڈرتا ہوں۔۔جو بہانے کروں گا" وہ بھی زچ ہوگیا، دھوپ کی شدت سے ماروی سفید رنگت گلابی پڑ گئی۔

"مجھ سے تو نہیں مگر تایا ابو سے ضرور تمہاری جان نکلتی ہے۔۔دیکھنا گھر جاتے ہی انہیں یہ سب بتاؤں گی" ماروی نے بلاوجہ دھمکایا۔

"تم تو شروع سے ہی چغل خور ہو۔۔" وہ منہ ہی منہ میں بدبدایا۔

"کیا۔۔کہا۔چغل خور۔اب تو ضرور شکایت لگاؤں گی۔۔" اس نے اپنے تیز کانوں سے ثمر کی بات سن لی فوراً ہی گرم ہوئی۔

"ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو جان سے مار دوں گا" ثمر نے نرم دودھ جیسی کلائی کو مروڑا تو درد کی شدت سے اس کی سسکاری نکل گئی۔

"بدتمیز۔۔کہیں۔۔کا" ماروی نے اپنی کلائی ملتے ہوئے اسے دل ہی دل میں کوسا، آنکھیں بے اختیار پانیوں سے بھر گئیں

اس بات کا اقرار وہ اپنے منہ سے کیسے کرتی کہ ثمر کا کسی اور دیکھنا، ماروی کے دل پر بہت بھاری پڑتا ہے، ایک تو اس نے جاب بھی ایسی جگہ کر لی تھی، جہاں وہ ہر وقت حسینوں کے نرغے میں رہتا۔روزانہ صبح جب وہ بن ٹھن کے خوشبو میں نہائے ہوئے اپنی بڑی سی چمکدار کار میں بیٹھ کر آفس روانہ ہوتا تو ماروی کی نگاہیں اس کی نگراں ہوتیں۔اور جب تک اس کی واپسی نہیں ہوتی وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی۔گھر آ کر بھی موبائل کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا اور کسی کال کے آنے پر گھنٹوں گھنٹوں مسکرا کر بات کرنا...... اسے برے طریقے سے کھٹکتا تھا۔ماروی کو جب بھی موقع ملتا، وہ نمو کی مدد سے اس کا سیل فون سوئچ آف کروا دیتی اور ثمر اس بات پر جھنجھلاتا پھرتا تو دونوں اس بات کو خوب انجوائے کرتیں۔

☆☆☆☆☆☆

"میں ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔" ثمر نے ڈائننگ چیئر پر بیٹھنے کے بعد انکشاف کیا۔

"کیوں؟۔۔" نسرین نے حیران ہو کر پوچھا۔وہ سب ایک ساتھ ناشتہ کر رہے تھے۔

"ممی۔کچھ آفس کا کام ہے۔اسلام آباد کی بہت مشہور کمپنی نے ہماری ایجنسی کو۔ایک بڑا پراجیکٹ دیا ہے اور مجھے اس کا ہیڈ بنا کر وہاں بھیجا جا رہا ہے۔" اسکے لہجے میں جوش کے ساتھ فخر ابھر آیا۔

"ہونہہ۔بڑا پراجیکٹ"۔۔جمال صاحب نے اخبار پڑھتے ہوئے بے نیازی سے سر ہلایا اور چائے کا

گھونٹ بھرا۔

''چلو۔۔اچھی بات ہے۔ بیٹا۔۔'' نسرین نے بیٹے کی پلیٹ میں بوائل ایگ رکھا اور نرمی سے کہہ کر، شوہر کی تلخ بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔

''ویسے۔ کتنے بجے کی فلائٹ ہے۔۔'' انہوں نے اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

''آج۔۔رات۔۔دس بجے'' اس نے دھیرے سے جواب دیا، باپ کے رویے نے ساری خوشی پر پانی پھیر دیا تھا۔

''بھائی۔۔میرے لیے وہاں سے کیا لاؤ گے؟'' نائمہ نے کانٹا پلیٹ میں رکھا اور ثمر کا بازو چھو کر لاڈ سے پوچھا۔

''تمہیں جو منگوانا ہو۔ایس ایم ایس کر دینا۔ میں۔۔لے آؤں گا'' اس نے فراخدلی کا ثبوت دیا۔

''اف۔۔اتنی لمبی لسٹ بنانی پڑے گی'' اس نے شرارت سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

نائمہ۔جلدی سے ناشتہ ختم کرو۔۔میں تمہیں آفس جاتے ہوئے کالج چھوڑ دوں گا'' جمال صاحب نے بیٹی کو تیز نظروں سے گھورا۔

''جی۔۔ڈیڈ'' نائمہ نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

''ممی۔۔پلیز۔۔ایک بیگ میں میرا کچھ سامان پیک کر دیجیے گا۔'' اس نے کچھ دیر بعد جھجکتے ہوئے کہا۔

''کیوں۔ برخوردار۔ ہماری۔ بیوی کیا آپ کی نوکر ہے۔ جاکر۔اپنے کام خود کرو۔'' وہ رعونت سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ کی بیگم۔۔میری ممی بھی لگتی ہیں۔۔شاید۔۔'' اس نے دل ہی دل میں باپ کو جواب دیا اور ناشتہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ۔۔دونوں جانے کب سدھریں گے'' نسرین سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

''کبھی۔۔نہ۔۔کبھی۔۔تو سدھر ہی جائیں گے ممی۔ کیوں کہ امید پر دنیا قائم ہے'' نائمہ نے

سے بھائی کا چھوڑا ہوا اورنج جوس ختم کرتے ہوئے ماں کو دلاسہ دیا اور بیگ اٹھا کر باہر کی طرف بھاگی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ آفس پہنچا تو خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا، ایک ہفتے کی غیر حاضری میں کافی سارا کام جمع ہو گیا تھا، جسے نمٹاتے ہوئے اس کے مزاج کا چڑچڑا پن عود آیا، گھر لوٹا تو چھوٹی سی بات پر ماروی سے جھڑپ ہو گئی۔ اس نے مجبوراً نائمہ سے چائے کی فرمائش کی اور ٹیرس میں کھڑا ہو کر ٹھنڈی ہوا کے مزے لوٹنے لگا۔

یہ چائے ہے یا شیرہ۔۔ اس سے بری چائے میں زندگی میں کبھی نہیں پی۔'' ثمر جمال نے ایک چسکی بھرنے کے بعد چڑ کر پیالی پٹخی۔

''بھائی۔۔ اب ایسی بھی بات نہیں ہے، میں نے اتنی محنت سے بنائی ہے۔'' نائمہ نے اسی کپ میں سے ایک گھونٹ بھر کر جواب دیا۔

''ایسا لگ رہا ہے، دودھ اور شیرے کے ملغوبے میں رتی بھر پتی ڈال دی ہو، ہونٹ چپک رہے ہیں'' اس نے ناک بھوں چڑھا کر تردید کی۔

''اوہو۔ اب میں سمجھی مسئلہ کیا ہے۔؟'' وہ کچھ دیر تک ذہن پر زور ڈالنے کے بعد چہکی۔

''جی۔۔ بی بقراطن۔۔ کیا سمجھیں۔؟'' اس نے چھوٹی بہن پر آنکھیں نکالیں۔۔

''یہ چائے۔۔ ماروی نے نہیں بنائی۔ نا۔ آپ کو۔ اسی بات پر زیادہ غصہ آ رہا ہے۔'' نائمہ آخری گھونٹ پی کر یوں کہا جیسے کسی بڑے راز سے پردہ ہٹایا ہو۔

''کوئی۔۔ نہیں۔۔ مجھے۔ تو۔ اس کے ہاتھ کی چائے زہر سے بھی بدتر لگتی ہے'' تازہ لڑائی ہوئی تھی، جذباتی ہونا ضروری تھا۔

''کیوں۔۔ آپ روزانہ اس کی ہاتھ کی چائے پی کر سونے کے عادی نہیں ہیں کیا؟'' نائمہ نے چشمے سے گھورا۔

''وہ۔۔ بیچاری روزانہ چائے لے آتی ہے تو میں پی لیتا ہوں۔۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں'' ثمر اپنی انا بلند رکھنے کے چکر میں پھنس گیا۔

کیوں کہ قسمت کی خرابی سے ماروی اسی وقت چائے کا کپ تھامے، اوپر آئی تھی، یہ سب سنتے ہی، اسے جلال چڑھ گیا، ثمر کی اس کی جانب پشت تھی، ماروی نے، نائمہ کو ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کھڑی ہو کر ان دونوں کی باتیں سننے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

''ویسے۔۔ بھائی۔ جب۔ ایک دوسرے کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ تو پھر آپ دونوں اتنا لڑتے کیوں ہیں۔؟'' ماروی کو دیکھ کر اس کی زبان میں کھجلی ہوئی تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''ہائیں۔۔ یہ۔۔ کس نے کہہ دیا کہ میرا اس بندریا کے بغیر گزارا نہیں۔ ہوتا۔۔؟'' ثمر جلبلا اٹھا۔

''او۔۔ ہیلو۔۔۔ یہ بندریا کس کو کہا۔ خود ہو گے۔۔ لکڑ بھگا۔ جیسے۔'' ماروی کی برداشت جواب دے گئی، پیچھے سے چلائی۔

''او۔۔ مارا گیا۔۔'' ثمر نے پلٹ کر دیکھا اور سر پر ہاتھ رکھا پھر بہن کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھا، جس نے بروقت اطلاع بہم کی۔

''۔ ساری لڑائی بھلا کر اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے چائے بنا کر لائی اور تم مجھے ہی برا بھلا کہہ رہے ہو۔۔'' ماروی نے جل کر اپنے ہاتھوں میں پکڑا چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''وہ۔۔ میں۔۔ تو۔۔'' اسے چائے پیتا دیکھ کر ثمر نے صفائی دینا چاہی، طلب شدید ہوئی۔

''ہاں۔۔ تم۔۔ بہت برے ہو'' ماروی نے اس کی بات کاٹی اور گرم چائے غصے میں آ کر دو گھونٹ میں ختم کر لی۔

''ویسے۔۔ بھائی۔۔ آپ کے لیے۔۔ دو خوبصورت لڑکیاں، دو کپ چائے بنا کر لائیں۔۔ مگر۔ نصیب میں ایک بھی نہیں تھی'' نائمہ کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

''ایسے نک چڑھوں۔ کا یہ ہی انجام ہوتا ہے۔۔'' ماروی نے جل کر جواب دیا۔ ثمر نے منہ لگنے کی جگہ غصے میں انہیں گھورا اور نیچے اتر گیا۔

☆☆☆☆☆☆

ثمر جمال کو شروع سے ہی خوبصورتی سے پیار تھا قدرت کے حسین نظارے، فطری، مناظر، حسین چہرے جیسے اسے اپنی جانب کھینچتے تھے اور وہ انہیں فوراً ہی اپنے کیمرے کی آنکھ سے قید کر لیتا۔ باپ کی خواہش پر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ اس نے شوقیہ طور پر فوٹوگرافی کا کام بھی شروع کر دیا، پہلے تو اس نے صرف اپنے شوق کو مشغلے تک محدود رکھا مگر پھر اس کے آرٹسٹک کام کو دیکھتے ہوئے، چند دوستوں نے مجبور کیا اور وہ نئے آسمانوں کی تلاش میں باقاعدہ طور پر ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی سے منسلک ہو گیا، یہیں سے اس کے اور جمال صاحب کے درمیان خلیج پیدا ہوئی جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ وہ قدامت پسند سوچ کے حامل، انسان تھے، فوٹوگرافی کو مشغلہ تو تصور کر سکتے تھے، مگر اسے پیشہ بنانا ان کے نزدیک نری حماقت تھی اسی لیے بیٹے کو پیار سے سمجھانا چاہا کہ اس کام میں تمہارا فیوچر برائٹ نہیں ہے۔ جبکہ اپنے کام کے حوالے سے ثمر کا جنون بڑھتا چلا جا رہا تھا، اسی فیلڈ نے اسے معقول آمدنی کے ساتھ ساتھ شہرت بھی دی۔

نسرین جب بھی جمال صاحب کو بیٹے کے معاملے میں نرم رویہ اختیار کرنے کے لیے منانا چاہتیں، وہ بس ایک ہی شرط سامنے رکھتے کہ ثمر اپنی فوٹوگرافی کا سارا سامان اٹھا کر اسٹور میں رکھ دے اور انجینئرنگ کی فیلڈ میں چند سالوں تجربہ حاصل کرنے کے بعد کسی اچھے ادارے سے منسلک ہو کر ٹھاٹ سے نوکری کرے۔

ثمر بھی ایک سرپھرا تھا، اس کے اندر کی حس لطیف اور ہم جوئی اسے ہمیشہ نئے نئے محاذ پر متحرک رکھتی۔ اسے نئی نئی چیزیں سیکھنا کا شوق بے چین رکھتا، اس معاملے میں اسکے اندر صبر و تحمل کی بھی کمی نہ تھی اسی لیے وہ ترقی کرتا چلا گیا۔ ثمر جمال کا نام اب دنیا پہچاننے لگی تھی۔ اس نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑی اور مکمل طور پر اسی میڈیا سے منہمک ہو گیا، جس پر جمال صاحب نے بیٹے سے بات چیت بند کر دی۔ اس نے کئی بار باپ کو سہولت سے اپنا موقف سمجھانا چاہا مگر وہ ایک لفظ سننے کو تیار نہیں ہوتے۔

ثمر اپنے کام میں جتا رہا۔ کمرشل فوٹوگرافر ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے اعلیٰ درجے کی گرافک ڈیزائنر کی ڈگری حاصل کی، اب اس کا ارادہ ڈائریکشن کی طرف آنے کا تھا۔ ثمر کو کبھی کبھی یہ بات بہت دکھ دیتی کہ سارا زمانہ اس کی صلاحیتوں کا معترف ہے، مگر گھر میں کوڑی کی بھی عزت نہیں، اگر غلطی سے بھی اپنے شعبے کے حوالے سے اس کے منہ سے کوئی بات نکل جاتی تو جمال اظہر کی تیوری پر اتنے بل پڑ جاتے کے گننا مشکل ہو جاتا سونے پہ سہاگہ ماروی ان کا ساتھ دینے کے لیے میدان عمل میں کود پڑتی۔ وہ باپ کو تو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا، البتہ کزن سے خوب تو تو میں میں اور کبھی کبھار جنگ و جدل ہو جاتی۔ پھر کئی دن تک ایک کا منہ مشرق کی جانب اور دوسرے کا مغرب کی طرف پھر جاتا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ نائمہ اور ماروی کے ساتھ ایک مشہور آئس کریم بار میں آیا ہوا تھا، اچانک اسے سامنے سے مشہور ماڈل سہانا ریاس پنسل ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ لہراتی بل کھاتی اسی طرف آتی دکھائی دی۔ ماروی کا من موہنا سا پرسکون چہرہ دیکھتے ہوئے، ثمر کی رگ شرارت پھڑکی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سہانا کی جانب چل دیا، جو بڑے ناز و انداز کے ساتھ کھڑی کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ ثمر کی حرکت پر نائمہ اور ماروی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''ہیلو۔۔سہانا۔'' وہ چہرے پر مسکراہٹ سجا کے بولا۔

''ہائے۔۔ثمر ہاؤ۔۔آر یو۔۔۔''۔ ایک ادا سے بالوں کو جھٹک کے سر پر گلاسز لگائے۔

''آئی۔۔ایم۔۔فائن۔۔'' ایک دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ ترچھی نظر اپنی ٹیبل کی طرف ڈالی۔

وہ سہانا سے باتوں میں مگن ہو گیا۔ ان دونوں نے دانت کچکچا کر ثمر کو دیکھا، جو کچھ زیادہ ہی خوش اخلاقی برت رہا تھا۔ ماروی کا دل جل کر کباب ہو گیا۔

''اور میری گاڑی آ گئی۔۔میں اب چلتی ہوں۔ امید

ہے کہ جلد ہی کسی نئے پراجیکٹ پر ملاقات ہوگی۔" سہانا نے گلاس وال سے اپنے ڈرائیور کو کھڑا دیکھا تو اٹھلا کر اجازت طلب کی اور چشمہ بالوں پر سے آنکھوں پر لگایا۔

"او۔۔۔شیور۔۔" اس نے ماروی کا تپا ہوا چہرہ دیکھا تو زوردار آواز میں خوش اخلاقی جھاڑی۔

سہانا نے لمحے بھر کو جھک کر اس سے کچھ کہا تو ثمر کا زوردار مردانہ قہقہہ بار میں گونجا۔ ماروی کی برداشت کی حد یہیں تک تھیں، اس نے آئس کریم کپ میز پر پٹخا اور کرسی دھکیل کر ان کی جانب قدم بڑھا دیے۔

"اب تو۔۔ بھائی۔۔کی۔۔ خیر نہیں۔ ماروی چھوڑے گی نہیں۔" نائمہ ٹشو سے اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے بڑبڑائی۔

"مارے۔۔۔گئے" ثمر نے اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھا تو دل میں ڈرا اور سہانا کو عجلت میں خدا حافظ کہنے کے بعد ماروی کی جانب مڑ گیا۔

"کیا ہوا۔۔خیر تو ہے۔؟" اس نے ماروی کے قدم سے قدم ملاتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"ایسی کون سی ہستی تھی۔ جس سے تم مقناطیس کی طرح چپکے جارہے تھے" وہ ہمیشہ کی طرح سڑ گئی۔

"کمال ہے تم نے اسے پہچانا نہیں۔۔سہانا ریاض۔ اس وقت کی ٹاپ ماڈل ہے۔۔" ثمر نے بڑے انداز سے تعارف کرایا۔

"او۔۔جب ہی تمہارے دانت نکل رہے تھے۔" ماروی نے تیکھے انداز میں کہا تو وہ ہنسی ضبط کر گیا۔

"سہانا۔۔ماڈلنگ کے علاوہ ڈراموں میں بھی کام کرتی ہے۔۔تمہیں اس کا ایک آدھ سیریل یاد ہوگا" ثمر نے جلتی پر تیل چھڑکا۔

"میرے پاس ایسے فالتو لوگوں کو یاد رکھنے کے علاوہ بھی بہت سارے کام ہیں۔۔آئی سمجھ۔" ماروی نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"تم جیسی بور لڑکی سے اسی بات کی توقع تھی۔" اس نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بظاہر منہ بنا کر کہا تو وہ ثمر کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆☆

رمضان المبارک کی آمد نے ان سب میں جیسے نئی روح پھونک دی تھی۔ سحری کی رونقیں آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی "جمال ولا" کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ نائمہ نے دسترخوان بچھاتے ہوئے، وال کلاک پر نگاہ ڈالی اور ایک دم سے اسے ثمر کا خیال آیا جو اب تک ہال میں نہیں پہنچا تھا، باپ سے نگاہیں بچا کر، وہ تیزی سے اوپر کی سیڑھیاں عبور کرتی بھائی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ نائمہ نے جھک کر پہلے چادر کھینچی پھر بری طرح سے ثمر کو جھنجھوڑا، مگر وہ بھی ایک ڈھیٹ بنا منہ سے "اوں آں" نکالنے کے بعد کروٹ بدل کر دوبارہ محو خواب ہوگیا۔ پہلے تو وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورتی رہی، پھر دوسری طرف سے جا کر تکیہ کھینچ لیا، مگر اس پر کوئی فرق نہیں پڑا، ویسے ہی سوتا بنا پڑا رہا۔

توبہ ہے۔۔ بھائی کو جگانا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔۔ وہ لب کاٹتے ہوئے بڑبڑائی، ایک بار پھر کوشش کی۔

"سونے دو۔۔یار" ثمر نے آنکھیں بند کیے کیے اسے جھڑکا اور تکیہ میں منہ چھپا لیا۔

"میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں، ابھی مزہ چکھاتی ہوں۔۔" پاس پڑے پانی سے بھرے جگ کو دیکھ کر نائمہ کی آنکھیں چمکیں۔

"آہ۔۔او۔۔سیلاب۔۔۔آگیا" وہ بولتا ہوا ایک دم ہڑبڑا کر بیٹھ گیا۔ نائمہ کی کھل کھل کرتی ہنسی، اسے آگ لگا گئی۔

"کیا۔۔ہے؟" پھاڑ کھانے والے انداز میں سوال کیا۔

"بھائی۔۔سحری میں بہت کم ٹائم رہ گیا ہے۔۔جلدی سے نیچے آجائیں" نائمہ نے بتایا۔

"کیا مصیبت ہے۔ اتنی اچھی نیند آرہی تھی۔ چلو۔۔بھاگو یہاں سے" وہ دوبارہ لیٹنے کا ارادہ کرنے لگا نائمہ نے کاندھا ہلایا۔

"روزہ۔۔نہیں رکھنا ہے کیا؟" اس نے بھی غصے سے پوچھا۔

"ارے۔۔ بابا۔ بغیر سحری کے روزہ رکھ لوں گا" ثمر نے بند ہوتی آنکھوں کے، بہن کو دیکھا اور ہاتھ جوڑ دیے۔

"ٹھیک ہے۔ میں۔ ڈیڈ کو بتا دیتی ہوں، انہوں نے ہی آپ کو بلوایا ہے" اس نے بلاوجہ کی دھمکی دی اور واپسی کے لیے مڑی۔

"ایک۔۔ تو سب مجھے ڈیڈ کی دھمکی دے کر خوش ہوتے رہتے ہیں" باپ کے نام سے دونوں آنکھیں کھل گئیں چڑ کر سوچا۔

"ارے۔۔ نمو۔۔ ستو۔۔ تو۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ وضو کر کے ابھی آیا"، لہجے سے شیرہ ٹپکا، بہن کو پیچھے سے آواز لگائی۔

"او کے۔۔ باس" اس نے ہنستے ہوئے، سر خم کیا اور باہر نکل گئی،

"چل۔ بیٹا۔ ثمر۔ ٹائم پر نیچے پہنچ جا، ورنہ ایک بار پھر سب کی موجودگی میں ذلیل ہونے کا شرف حاصل ہو جائے گا۔۔ اور اس بندریا کے دانت نکل پڑیں گے"۔ بڑی شرافت سے، بستر سے نیچے قدم اتارے اور سوچتا ہوا واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے لمبے گیلے بالوں کو ٹوپی میں چھپاتا ہوا بڑے ہال میں داخل ہوا تو چاچو چاچی معہ اہل و عیال فرشی نشست پر براجمان دکھائی دیے، سب سحری شروع کر چکے تھے۔ نسرین نے کئی سالوں سے یہ روایت قائم کر رکھی تھی کہ پہلی سحری وہ برابر میں رہنے والے اپنے دیور نہال کے بغیر نہیں کرتیں، جانتی تھیں کہ جمال بھی ایسے موقعوں پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے ہیں۔

"او۔۔ میرے علاوہ یہاں سب پہنچ گئے ہیں" اس نے ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور باپ کی نگاہوں سے بچتا، اس طرف بڑھ گیا، جہاں سارے کزن مل کر بیٹھے تھے۔

"کتنا وقت باقی ہے۔۔؟" ثمر نے سامنے بیٹھی ماروی کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے جان کر پوچھا۔

"بیٹا۔ جی۔ آپ کے انتظار میں رکا ہوا ہے" خلاف توقع جواب جمال صاحب کی جانب سے آیا۔

"کیا۔۔ ڈیڈ۔۔؟" وہ ایک دم گھبرا کر پوچھ بیٹھا، یہ بی اس سے چوک ہوئی۔

"سحری کا وقت۔۔ اور کیا۔۔۔" ان کے طنز پر اس کا پراٹھے کی جانب بڑھتا ہاتھ رک گیا۔

"ہا۔۔ ہا۔۔ ہا" ایک قہقہہ گونجا، جس میں سب سے بلند آواز ماروی کی تھی، اس نے دانت کچکچا کر اسے گھورا۔

"بیٹا۔ تم شروع کرو۔۔ ٹائم بہت کم رہ گیا ہے" نہال نے سب کو آنکھیں دکھائی اور بھتیجے کو نرم لہجے میں بتایا۔

"ناہنجار۔۔ کیسا حلیہ بنا کر رکھتا ہے" جمال نے بیٹے کے قدرے لمبے بالوں، ہاتھوں میں پہنے کڑے اور گلے کی زنجیر کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا، حالاں کہ وہ اس حال میں بھی لاکھوں میں ایک دکھتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

جمال صاحب کا خراب موڈ دیکھ کر سب ہنسی مذاق بھول کر، سر جھکا کر خاموشی سے سحری کرنے میں جت گئے۔

رملہ اور نسرین آخری پراٹھا اور دہی کا پیالا لے کر ہال میں داخل ہوئیں تو ان کو ثمر کے برابر میں خالی جگہ ملی، دونوں وہیں بیٹھ گئیں۔

"بھابھی، ماروی کے لیے کوئی اچھا رشتہ ہو تو بتائیے گا" رملہ نے جٹھانی سے دھیرے سے کہا، مگر پاس بیٹھے ثمر کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ہاں۔ کیوں۔ نہیں۔۔" نسرین نے لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے بے خیالی میں سر ہلایا۔

"ویسے ایک دو سے میں نے بھی کہہ رکھا ہے، اللہ سے اچھی امید ہے" رملہ نے چائے کا گھونٹ بھرا اور انہیں بغور دیکھا۔

"چلو یہ تو اچھی بات ہے" نسرین جانے کن خیالوں میں گم تھیں سر ہلا کر بولیں، ثمر کی سحری مشکل ہو گئی، بے دلی سے دہی چمچ سے کھانے لگا۔

"یہاں تو بہت گرمی ہے چلو۔۔ بالکنی میں چلتے ہیں" نسرین نے، کچھ سوچ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ۔ ٹھیک ہے، نماز بھی وہیں ادا کر لیں گے" رملہ کچھ مایوس سی، ان کی تقلید میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"پلیٹیں اٹھاؤں" ماروی جو نائمہ کے ساتھ مل کر دسترخوان سمیٹ رہی تھی، اس کے قریب آ کر پوچھا۔

"آں۔۔ہاں۔۔" اس نے لحہ بھر ماروی کو دل لگا کر دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"کمال۔۔ہے۔۔کچھ کھایا ہی نہیں، سب ایسے ہی پڑا ہے" ماروی کو حیرت نے آ گھیرا۔

"تمہیں۔۔میری اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے" وہ بلاوجہ جھلایا۔

"اسے اچانک کیا ہو گیا ہے" ماروی نے دسترخوان لپیٹتے ہوئے مڑ کر ثمر کو دیکھا جو مسجد جانے کے لیے باہر نکل رہا تھا۔۔

☆☆☆☆☆☆

"بس خالہ کیا بتاؤں۔ آج کل اچھے لڑکوں کا کال پڑ گیا ہے۔" رملہ نے بے بس لہجے میں کہا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔۔تم کوشش تو کرو۔۔ماروی لاکھوں میں ایک ہے" خالہ وزیراں نے پرامید لہجے میں تسلی دی۔

"یہ۔ بات۔ تو ہے۔۔مگر آئندہ زندگی میں لڑکی کے حسن سے زیادہ اس کی قسمت کارگر ہوتی ہے،" رملہ نے ایک پتے کی بات بتائی۔

"افوہ۔۔رملہ بیٹی۔۔تم تو بہت ہی مایوس ہو رہی ہو، اللہ پر یقین رکھو۔۔" وزیراں نے بھانجی کو تسلی دی۔

"ہاں۔خالہ۔آپ نے۔سچ کہا۔ اس بابرکت مہینے میں بس ایک ہی دعا ہے کہ اللہ۔میری بچی کا نصیبہ جلد از جلد کھول دے۔۔۔" رملہ نے سر ہلا کر دعا کی۔

"آمین۔۔" خالہ نے زور سے کہا۔

'خالہ۔کوئی اچھا گھرانا ہو تو۔آپ بھی نظر میں رکھیئے گا۔رملہ نے ان کے کان میں بھی بات ڈال دی۔

"کیوں۔۔نہیں۔ویسے۔۔ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔۔۔" خالہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہاں۔۔کہیں۔ایسی۔کیا بات ہے؟" رملہ نے سر ہلایا۔

"اپ۔۔تمہاری جٹھانی کا بیٹا۔ ماشاءاللہ۔۔کتنا پڑھا لکھا اور قابل ہے۔شکل و صورت میں بھی شہزادوں سے کم نہیں۔پھر باہر کیوں رشتہ ڈھونڈتی پھر رہی ہو۔۔کیا تم لوگوں کی آپس میں ان بن رہتی ہے؟" خالہ وزیراں کے لہجے میں ہمدردی سمٹ آئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے خالہ۔۔بڑی بھابھی تو لاکھوں میں ایک ہیں۔مگر اچھا نہیں لگتا کہ میں لڑکی والی ہو کر یہ بات اپنے منہ سے نکالوں۔کبھی بچپن میں میری ساس نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔مگر اب کئی سالوں سے اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی تو میں بھی چپ ہو گئی" رملہ نے اصل بات گول کر دی، وہ نسرین کے سامنے یہ بات نکال چکی ہیں، مگر وہاں سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔

"ہاں۔۔بھئی۔۔اب خون کے رشتوں میں وہ بات کہاں رہی" خالہ نے اپنی سمجھ کے مطابق فلسفہ جھاڑا۔

ویسے ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا۔۔ماروی اور ثمر میں بالکل بھی انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہے۔دونوں میں ایک لمحے کو بھی نہیں بنتی، دونوں ہر وقت ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔۔ان حالات میں شادی ہو بھی جائے تو شاید گزارا مشکل ہو جائے گا؟" ۔رملہ نے سرد آہ بھری۔

"ہاں۔۔بیٹا۔یہ تو ہے۔ہمارا وقت اچھا تھا، ماں ،باپ نے جہاں بھی رشتہ طے کر دیا، ہم نے زبان سے اف تک بھی نہ نکالی اور ایسے ہی زندگی گزار دی۔مگر آج کل کے لڑکے لڑکیوں میں تو وہ کیا ہوتی ہے انڈر اسٹینڈنگ۔۔وہ ہونا ضروری ہے۔۔توبہ بھئی۔۔قیامت کی نشانیاں ہیں" خالہ نے بھولے بھولے گال پیٹنے کے بعد سر پر اچھے طریقے سے چادر جمائی۔

"ویسے۔خالہ۔ثمر تو مجھے بھی بہت پیارا ہے۔۔مگر کیا کریں اسے بھی دو گھڑی کو ماروی کا وجود برداشت نہیں ہوتا۔۔" وزیراں کی بات پر رملہ نے دکھی انداز میں کہا۔

"چاچی۔آپ کو۔امی۔۔بلا رہی ہیں" ابھی رملہ کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ پیچھے سے آنے والی نائمہ کی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

''اچھا۔۔بیٹا۔۔جاتی ہوں'' وہ سر ہلا کر اپنا بھاری وجود سنبھالتی ہوئی، اٹھ کھڑی ہوئیں۔
ناعمہ کے کانوں میں کچھ دیر پہلے ہونے والی گفتگو گونجی۔اس نے نگاہیں اٹھا کر اپنی بھولی بھالی چاچی کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو افسوس ہونے لگا۔۔اسی وقت دل ہی دل میں ان دوسر پھروں کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لیے ایک پلان ترتیب دے ڈالا۔۔ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ ابھری۔

☆☆☆☆☆☆

بھائی۔ایک۔کام تو کردیں۔۔'' ناعمہ نے پر جوش انداز میں اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
''ہاں۔۔بولو۔۔'' اسکا موڈ اچھا تھا اثبات میں سر ہلا دیا۔
''فٹافٹ۔۔چل کر مجھے تھوڑی شاپنگ تو کرا دیں۔۔''
اس نے گول آنکھیں نچائیں۔
''اس۔۔وقت شاپنگ۔۔خیریت۔۔ابھی تو عید میں کافی دن پڑے ہیں؟'' وہ حیران ہوا۔
''عید کی شاپنگ تو میں پہلے ہی کر چکی ہوں۔'' اس نے چشمے سے بھائی کو دیکھا، اور دل ہی دل میں بلائیں لے ڈالیں۔
''تو۔۔پھر۔۔'' وہ مسکرایا، رف سے حلیے میں بھی بہت جچ رہا تھا۔
''دراصل گھر میں جو اچانک سے تقریب کھڑی ہونے والی ہے۔مجھے اس کے لیے اسٹائلش سا سوٹ خریدنا ہے۔'' اس نے بے چینی سے پاؤں ہلایا۔
''اب۔۔کون سی تقریب آنے والی ہے'' وہ مڑ کر بہن کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔
''یہ۔۔ایک۔راز۔۔کی بات۔۔ہے؟۔۔'' نمو نے قریب آکر سرگوشی کی۔
''کیا۔۔پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔۔سیدھی بات بتاؤ۔۔۔'' ثمر نے بے دلی سے کہا۔
''پہلے پرامس کریں کے۔ابھی۔گھر میں کسی سے ذکر نہیں کریں گے'' اس نے چالاکی سے ہاتھ آگے کیا۔
''کوئی چھپانے والی بات ہے۔۔کیا؟'' وہ جھنجھلا کر بہن کو دیکھنے لگا۔
''ہاں۔۔ابھی صرف چاچا، چاچی کے درمیان یہ بات ہوئی ہے۔۔۔'' ناعمہ نے معصوم سی شکل بنائی۔
''جاسوسہ۔۔بیگم۔۔پھر۔۔تمہیں کیسے خبر ہوگئی؟'' ثمر نے ہنستے ہوئے اس کی عینک انگلی سے پیچھے کی۔
''بات ہے تو غلط۔مگر میں نے اتفاق سے ان دونوں کی باتیں چھپ کر سن لی تھیں'' وہ گول گول دیدے گھما کر بولی۔
''نمو۔۔۔بہت بری بات ہے'' ثمر نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا۔
''بس۔۔اسی لیے نہیں بتا رہی تھی۔اب۔۔آپ سب کو بتا دو گے۔۔'' وہ اینٹھ گئی۔
''اچھا۔۔پرامس۔کسی کو۔نہیں بتاؤں گا۔۔اب جلدی سے منہ سے پھوٹو'' ثمر کا تجسس کے مارے برا حال ہوا۔
وہ۔۔اپنی۔ماروی کی بات پکی ہونے والی ہے۔۔'' ناعمہ جان کر جھجکائی۔
کیا مطلب۔۔۔ماروی کی بات۔۔۔پکی۔'' وہ اپنی جگہ چھوڑ کر بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور مٹھیاں بھینچ کر پوچھنے لگا۔
''۔میرا مطلب ہے اس کا رشتہ طے پانے والا ہے۔۔زبردست۔۔نیوز ہے نا۔۔'' ناعمہ نے اس کے چہرے پر پھیلی وحشت کو بغور دیکھا اور مسکراہٹ دبائی۔
کس۔۔کے نصیب پھوٹ رہے ہیں۔۔؟'' ثمر نے خود پر قابو پاتے ہوئے بہن کو ٹٹولا۔
''چاچی کے جاننے والوں کا کوئی لڑکا ہے۔۔'' ناعمہ نے مزے سے بتایا، اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔
''اچھا۔۔تب ہی اس دن چاچی ممی کو بتا رہی تھی'' وہ سوچ میں گم ہو گیا۔
''پھر۔۔چلیں۔۔شاپنگ پر؟'' ناعمہ نے اسے چھیڑا۔
''نمو۔۔اس وقت تو تم اپنے کمرے میں جاؤ۔۔آئی سمجھ'' وہ بلاوجہ بہن پر چیخا تو وہ برا ماننے بنا دروازے کی جانب بڑھ گئی۔
''اب۔۔کیا کروں۔۔منہ سے کوئی بات نکالی تو ڈیڈی ہی سماج کی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔۔'' اس نے

اضطراب بالوں میں انگلیاں پھیریں۔
"۔۔۔یہ وہ محترمہ خود بھی سب سے بڑی ویلن ہے۔۔۔مجھے نیچا دکھانے کے لیے ہنستے ہنستے ڈولی چڑھ جائے گی" اس نے ٹہلتے ہوئے پریشانی سوچا۔
"بھائی۔۔۔اب نکلے گی ساری اکڑ" ناعمہ مسکرائی اور اسے عجیب سے احساسات کی یلغار میں تنہا چھوڑ کر کھسک لی۔

☆☆☆☆☆☆

یہ ایک دن کی کہانی نہ تھی، برسوں پرانی بات تھی، جب وہ بارہ سال کا تھا۔ ایک دن کرکٹ کھیل کر واپس لوٹا تو اسکی چاچی رملہ اسپتال سے گلابی کپڑے میں لپٹی ہوئی، گڑیا سی ماروی کو لے کر گھر آئیں، سب اس موم سی ننھی بچی کو گھیر کر بیٹھ گئے، اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹا کر ثمر کو دیکھا تو وہ اس کا دیوانہ ہو گیا نسرین کی کوشش کے باوجود سونے کے لیے کر رملہ کے کمرے سے باہر جانے کو تیار نہیں ہوا، بس ماروی کی بند مٹھی کو پکڑے بیٹھا رہا۔
اس وقت ان کی دادی نور جہاں بیگم حیات تھیں، جنہوں نے پوتے کو یوں پوتی پر نثار ہوتا دیکھا تو ازراہ مذاق میں ماروی کو ثمر کی بہو کہتے ہوئے نسرین کی گود میں ڈال دیا، کمرے میں زوردار قہقہہ گونج اٹھا۔ اس کے بعد سے یہ بات بڑوں کے لیے شاید اتنی سنجیدگی کی حامل نہ رہی ہو، مگر ثمر کے لیے پتھر پر لکھی تحریر بن گئی۔ بچپن گزرا اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے وہ جب بھی نگاہ اٹھا کر ماروی کو دیکھتا، من میں حق ملکیت کا احساس جاگ جاتا۔
ان دونوں کے بیچ ہونے والی تمام لڑائی جھگڑوں کے باوجود اس نے ماروی کو اپنی زندگی سے کبھی مائنس نہیں سمجھا، بلکہ گزرتے وقت کے ساتھ وہ پلس ہو کر اس کے وجود کا حصہ بنتی چلی گئی۔۔۔
حالاں کہ وہ جس فیلڈ سے تعلق رکھتا تھا اس کے اردگرد حسن کی بہتات رہتی تھی، ایک سے ایک طرحدار ماڈلز، ثمر جیسے ہینڈسم لڑکے سے اخلاق سے پیش آتی مگر وہ اپنا تعلق سلام دعا سے کبھی آگے لے کر نہیں گیا۔ ماں کی تربیت اور طبیعت کی سادگی کی وجہ سے رنگ و بو کی ان محفلوں کا مصنوعی پن اسے کوفت میں مبتلا کر دیتا۔ اسے صرف اپنی ماروی سے محبت تھی، باقی کی یا ماہ جبین، سونیا اور شاہدہ کی اس کی زندگی میں کوئی وقعت نہ تھی، ہاں۔۔۔اس بات کا احساس اسے کبھی ہونے نہ دیا، ورنہ مزید سر پر چڑھ جاتی۔ ثمر اس زندگی میں بہت خوش تھا، مگر اب ناعمہ کی باتیں سن کر جیسے اچانک سب کچھ تلپٹ ہوتا محسوس ہوا، اسے لگا دل جیسے پہلو میں نہ رہا ہو۔ وہ ایسا بے قرار پنچھی بن گیا، جو بازو میں طاقت پرواز رکھنے کے باوجود کھلے آسمان کی وسعتوں میں اڑ نہیں پا رہا ہو۔

☆☆☆☆☆☆

ماروی میں اندر آ جاؤں۔۔۔کیا؟" ناعمہ نے دروازے سے منہ اندر ڈال کر سوال کیا۔
"تمہیں۔۔۔اجازت لینے کی ضرورت کب سے پڑنے لگی؟" وہ ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی۔ نہا کر تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے مسکرائی۔
"ماروی کے بال کتنے لمبے ہیں، ایسا لگ رہا ہے کوئی سیاہ آبشار پھیل گئی ہو" ناعمہ کی نگاہوں میں ستائش ابھری۔
"نمو۔۔۔کیا سوچ رہی ہو۔۔۔؟" اس نے ناعمہ کا کاندھا ہلا کر توجہ توڑی۔
"کچھ نہیں۔۔۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور جا کر کونے میں رکھی چیئر پر ٹک گئی۔
"میں۔۔۔سمجھی محترمہ کسی خاص مشن پر آئی ہیں" ماروی نے بالوں کو جھٹکتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا۔
"او۔ ہاں۔ ناں۔۔" اسے فوراً یاد آیا کہ وہ تو سچ مچ بڑے اہم مشن پر ہے جلدی سے سر ہلایا۔
"دیکھو۔۔۔اگر پیسے ادھار مانگنے ہیں تو سچ میں میری اس دفعہ کی پاکٹ منی پوری کی پوری خرچ ہو گئی ہے" ماروی نے گھبرا کر کہا۔
"کنجوس نہ ہو تو۔۔۔دل تو چاہ رہا ہے۔۔۔تمہیں بھابھی بنانے کا ارادہ ترک کر دوں۔۔۔مگر کیا کروں بھائی مر جائے گا تمہارے بنا" ناعمہ نے اسے دل ہی دل میں پھٹکارا۔
"نمو۔۔۔تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔۔۔کہیں روزہ تو نہیں لگ رہا؟" ماروی نے اس کے نرالے انداز پر ہاتھ چھو کر

فکر سے پوچھا۔
”وہ۔ اصل میں اچانک ملنے والی خوشی نے میرا یہ حال کر دیا ہے۔۔“ نائمہ نے فوراً بات بنائی۔۔
”تمہیں۔۔ ایسی کون سی خوشی مل گئی، جس کی ماں بدولت کو خبر نہیں۔۔“ اس نے بالوں کو اوپر کر کے جوڑا باندھ کر پن لگانا چاہی۔
”عید کے بعد بھائی۔۔ کی منگنی ہونے والی ہے“ وہ چہکی۔۔
”ک۔۔۔ کون سے بھائی کی۔؟“ ماروی ایک دم اچھل پڑی، بال پن ہاتھ سے چھوٹ گئی۔
ہائے۔۔ ثمر۔۔ بھائی۔۔ اور کون۔۔ باقی تو ارحم بھائی اور انصر تو ابھی چھوٹا ہے۔“ نائمہ نے اس کی بدلتی رنگت کو انجوائے کیا۔
سچ بتاؤ۔۔“ پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی چلی گئی، اس نے دوبارہ تصدیق چاہی۔
”سو۔۔ فیصد سچ۔۔۔“ نائمہ بات جما کر کی۔
”کمال ہے۔۔ اتنی بڑی بات ہوگئی اور۔۔ گھر میں کسی کو خبر نہیں۔۔ تایا ابا نے بابا سے بھی ذکر نہیں کیا“ ماروی نے آنکھیں سکیڑ کر اپنے شکی انداز میں گھورا۔
”تم پوری بات تو سنتی نہیں ہو۔۔ اور۔ شروع ہو جاتی ہو۔ جاؤ میں کچھ نہیں بتاتی“ نائمہ اپنا ڈر دور کرنے کے لیے الٹا اس پر چڑھ دوڑی۔
”اچھا۔۔ پیاری بہن پوری بات بتا دو۔۔ نا“ اس نے ہاتھ پکڑ کر منت کی۔
”اچھا۔ پہلے ایک پرامس کرو“ اسے جھکتا دیکھ کر جلدی سے جال میں پھانسا۔
”کیسا۔۔ پرامس۔۔“ ماروی کی آنکھوں میں الجھن کے رنگ ابھرے۔
”جب تک ڈیڈ خود اوپن نہ کریں۔ یہ بات تمہارے منہ سے نہیں نکلنا چاہیے۔۔“ نائمہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔
”او کے۔۔ پرامس۔۔ اب بتاؤ۔۔ لڑکی کون ہے؟“ ماروی نے ہاتھ تھام کر بے چینی سے پوچھا۔
”وہ بھائی کی کوئی کولیگ ہے۔۔ ممی ڈیڈ کو بتا رہی تھی تو میں نے ان دونوں کی باتیں سنی تھیں“ نائمہ نے ثمر سے بتایا اور اسے سوچ میں گھیرا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
”ٹائم کم رہ گیا ہے، منگنی میں پہننے کے لیے میرے اور اپنے کچھ اچھے اچھے سوٹ کے ڈیزائن سلیکٹ کر لو۔“ باہر نکلنے سے قبل اس نے مڑ کر کہا، مگر ماروی نے جواب نہ دیا، گلابی لب چباتی رہی۔
”ایک ثمر پر دُنیا ختم تو نہیں ہو جاتی۔ میں بلاوجہ اس انسان کے لیے کیوں رو رہی ہوں۔ جسے میری رتی برابر بھی پروا نہیں“۔ اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو ہتھیلی کی پشت سے پونچھنے کے بعد اداسی سے سوچا۔

☆☆☆☆☆☆

بستر پر لیٹ کر چھت کو تکتے ہوئے، وہ عجیب سے احساسات سے دوچار ہوا۔
محبت کو ہمیشہ سے کمتر جانا، خود کو ماورا سمجھا، اب جب کے ہجر کی بازگشت کانوں میں پڑی تو ہوش ٹھکانے آگئے۔
وجود میں عجیب سی بے چینی چھائی، تنفس خود بخود تیز ہونے لگا۔
اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ رہی ہے، مگر دل پر اداسیوں نے جیسے ڈیرے جما لیے۔
اس کی جدائی کا سوچ کر وہ ایک نئے کرب سے آشنا ہوا۔
ایسا بھی ہونا ہے، یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔
وہ تو میری تھی۔۔ مگر۔۔۔ یہ سب کیوں ہوا۔۔ عقل چوپٹ ہو کر رہ گئی۔۔ کروں تو کیا کروں۔۔۔
تصور میں دو بڑی بڑی آنکھیں، مسکراتے ہوئے لب اور گالوں پر پڑنے والا ڈمپل آگیا۔
ثمر نے اپنی جلتی آنکھوں پر تکیہ رکھ کر سونے کی کوشش کی مگر پل بھر کو نیند نہ آئی، سوچیں اس کے گرد گھیرا ڈال کر بین کرنے لگیں اور وہ بستر چھوڑ کر بالکنی میں چلا آیا۔

☆☆☆☆

نائمہ نے اپنی چال چل دی تھی۔
اور۔۔ مکمل طور پر پرسکون ہوگئی۔

ماروی کی...... خاموشی۔
ثمر۔۔۔۔۔کی انا
ان کو ایک دوسرے سے جدا کر سکتی تھی۔
نائمہ کو وہ دونوں ہی بہت عزیز تھے،
کسی ایک کی آنکھ سے گرتا، آنسو، اس کے دل پر جا پڑتا۔
اب ''بچھڑنے کا خوف انہیں ہمت دکھانے پر مجبور کردے۔گا۔
بس دیکھنا یہ تھا کہ پہل کس کی جانب سے ہوتی ہے''
نائمہ نے آنکھیں مٹکا کر مزہ لیا اور تکیہ پر سر رکھنے کے بعد ریموٹ اٹھا کر اے سی کی کولنگ بڑھا دی۔

☆☆☆☆☆☆

حبس زدہ فضاء میں ایک ہی بات مسلسل سوچ سوچ کر ماروی کا جیسے دم گھٹنے لگا، وہ ٹیرس پر نکل آئی، ادھر ادھر کے نظارے کیا، اچانک برابر میں جھانکا تو وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔ثمر بالکنی میں کسی فریم کی طرح ایستادہ گم سم کھڑا اسے پیاسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، فراخ پیشانی پر بکھرے گھنے بال، صاف رنگت اور بڑھی ہوئی شیو، لمبے قد اور سڈول جسم کے ساتھ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے، بہت ہی شاندار لگ رہا تھا، مگر چہرے کے تاثرات چیخ چیخ کر اس کی اندرونی کیفیت کی غمازی کر رہے تھے۔ماروی کے دل کو کچھ ہونے لگا۔وجود میں دھواں سا پھیلتا چلا گیا اور اندر ہی اندر اشکوں کی بارش شروع ہوگئی،۔
''کیا۔۔یہ اپنی شادی سے خوش نہیں ہے؟'' ماروی نے مخروطی انگلیوں کو مسلتے ہوئے اس کے تاثرات کو بغور جانچا۔
''میں ہمیشہ کی خوش فہم ہوں۔۔اپنی کسی کولیگ سے شادی کرنے چلا ہے تو خوش کیوں نہیں ہوگا، دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے'' خود کی نفی کرتے ہوئے اس نے زور سے لب کاٹے۔
''بھلا۔میں اتنی داس شکل بنا کر اس پاگل کو خوش ہونے کا موقع کیوں دوں،'' اس نے ثمر کی جانب زبردستی کی مسکراہٹ پاس کی، ادھر سے بھی جوابی مسکراہٹ سے نوازا گیا۔
''چلو اچھا ہے۔اب میری روزانہ چائے بنانے کی مشقت سے جان چھوٹ جائے گی،۔اس کی بیوی آنے والی ہے خود سنبھال لے گی'' الٹی سیدھی باتیں ذہن میں گردش کرنے لگی،
ایک دوسرے سے محبت ان کی فطرت میں شامل تھی مگر کبھی اظہار کا سوچا ہی نہیں۔اب جو ایک دوسرے سے الگ ہونے کا خوف پیدا ہوا تو بے یقینی کے عالم میں چپ چاپ کھڑے ایک دوسرے کو تکتے چلے گئے،، نظر سے نظر ملی، ایک شعلہ سا لپکا، اور وجود میں ہجر کے بھانبھڑ جل اٹھے۔دونوں پر اداسی کی کیفیت طاری ہوگئی۔یکا یک بادل گرج اٹھے اور تیز جھکڑ چلنے لگے تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہوگئی۔مگر ان دونوں پر پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑا، وہ ویسے ہی ساکت کھڑے۔بھیگتے رہے۔ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆

''ماروی!!'' رملہ کی آواز نے اس کے تسلسل کو توڑا۔
کیا ہوا امی۔۔ بجھے تھوڑا بیزار سا ہوا۔وہ افطاری کے بعد اپنے جھولے پر لیٹی آرام کر رہی تھی۔
''بیٹا۔میں تمہارے تایا ابا کی طرف جا رہی ہوں۔تم بھی چلو۔۔''۔رملہ نے مسکرا کر دعوت دی۔
''کیوں۔۔روز۔۔روز وہاں جانا ضروری ہے؟۔'' ماروی نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا اور تنک کر پوچھا۔
''کیا ہو گیا لڑکی۔۔تمہارا دماغ اتنا گرم کیوں ہو رہا ہے۔۔'' انہوں نے بیٹی کو جھاڑا۔
''اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہے۔۔۔ویسے بھی اب ان بہو آنے والی ہے۔۔کم جانا ہی ٹھیک ہے'' اس نے ہونٹ چباتے ہوئے سوچا۔
''چل رہی ہو۔یا نہیں؟'' انہوں نے کاندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔
''نہیں۔۔جانا۔۔مجھے'' ماروی نے نظر اٹھا کر ماں کو دیکھا اور نفی میں گردن ہلادی،

"اسے کیا ہوا۔۔" وہ حیرت سے بیٹی کو دیکھنے لگیں، جو برابر میں جانے کے بہانے ڈھونڈتی تھی اور اب پتھر کی طرح ایک جگہ جمی پڑی تھی۔

"اچھا۔تو پھر میں تو جارہی ہوں۔۔آج کل کے بچوں کے تو دماغ ہی نہیں ملتے ہیں" وہ بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

"ثمر سے تو کوئی امید ہی نہیں۔۔وہ تو پہلے سے ہی بے مروت تھا، مگر تائی اماں بھی تو مجھ سے محبتوں کا دعویٰ کرتی تھیں اور نمو کا تو دن میرے بغیر گزرتا نہیں، پھر بھی میرے لیے کسی نے نہیں سوچا۔کسی کو بھی میرا خیال نہ آیا۔" اس بات نے دکھ کو بڑھاوا دیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

☆☆☆☆☆☆

بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اس پر شدید قسم کے نزلے وزکام کا حملہ تھا، روزہ بھی بڑی مشکل سے گزرا، افطاری کے بعد وہ منہ سر لپیٹ کر بے سدھ پڑا تھا، جب نائمہ اندر داخل ہوئی۔

"بھائی کیا ہوا ہے؟" اس نے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

"نزلہ ہے اور سر میں بھی شدید تکلیف ہے" اس نے کراہتے ہوئے سر کو تھاما۔

"او۔۔ایک منٹ میں دوا لے کر آتی ہوں" وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

"طبیعت خرابی تو ایک بہانہ ہے۔ورنہ جدائی کی تکلیف تو روح میں اتر گئی ہے" وہ مسلسل ایک ہی بات سوچ سوچ کر پاگل ہورہا تھا۔

"عجیب اتفاق ہے۔ادھر ماروی بیگم بستر پر پڑی ہوئی ہیں اور آپ کی طبیعت بھی ناساز ہے؟" نائمہ نے ثمر کے منہ میں زبردستی گولی ٹھونس کر پانی کا گلاس تھماتے ہوئے اپنے دل سے گھڑا۔

"اس بندریا کو کیا ہوگیا۔۔؟" ثمر نے سردرد کی گولی حلق سے اتارتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"پتا نہیں۔۔شاید کل سے فلو ہورہا ہے" ثمر کی آنکھوں میں پھیلتی بے چینی کو بغور دیکھ کر جواب دیا۔

"ویسے۔میں ابھی وہیں سے آرہی ہوں۔اس کا بھی یہی سوال تھا کہ لکڑ بھگا کیوں بیمار پڑ گیا ہے" نائمہ نے ایک اور گپ ماری، مگر اس سے مسکرایا بھی نہیں گیا۔

بھائی۔ایک بات سچ سچ بتاؤ۔کیا آپ ماروی کو پسند کرتے ہو؟" اس نے سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔" اس مرحلے پر جب وہ کسی اور کی ہونے چلی ہے، یہ بات کیسے منہ سے نکالتا۔

"اچھا۔تو پھر۔خود سے لڑتے لڑتے مرجانا مگر کبھی اعتراف نہیں کرنا" نائمہ نے چڑ کر ماتھے پر ہاتھ مارا۔

☆☆☆☆☆☆

بڑی بھابھی۔۔خیریت تو ہے۔۔کیا کوئی عدالت لگی ہوئی ہے؟" رملہ نے پر مزاح انداز میں ان کے پاس بیٹھی نائمہ کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔۔تم پر فرد جرم عائد کرنی ہے" نسرین نے کمر کے پیچھے گاؤ تکیہ لگاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"پھر تو اللہ بچائے۔۔" رملہ نے کان کی لویں چھو کر شرارتی انداز میں کہا۔

"یہ بتاؤ۔۔کہ گھر میں لڑکا موجود ہوتے ہوئے۔۔تم ماروی کا رشتہ باہر کیوں تلاش کررہی ہو؟" انہوں نے تھوڑا ناراضی کا اظہار کیا۔

"وہ۔تو۔میں۔۔تو۔۔" رملہ سے بات نہ بن پائی تو ہکلا کر چپ ہوگئیں۔

"کیا۔۔وہ۔۔تو۔۔میں۔۔تو۔۔تم سے عقلمند تو میری چھٹکی نکلی جس نے مشورہ دیا کہ عید کے پر مسرت موقعے پر ان دو لڑاکا اور جنگجو نسل سے تعلق رکھنے والوں کی بات پکی کردی جائے" نسرین نے فراخدلی سے بیٹی کو سراہا، نائمہ نے چاچی کو دیکھ کر دانت نکالے۔

"میرے بچے۔۔ادھر۔۔آؤ۔۔تم نے اپنی چاچی کا مان رکھ لیا" رملہ کی خوشی سے باچھیں کھل اٹھیں، نائمہ کو گلے سے لگا کر ماتھا چوما۔

"بس۔۔تو پھر چاند رات کو ہم ماروی کی عیدی [illegible] لے" نسرین نے فیصلہ سنا کر بات ختم کی اور ان کے ایک [illegible]

انگ میں مسرت دوڑنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

ہلکڑی کا جھولا چوں چوں کی آواز نکالتا ہوا۔۔ہوا کے ساتھ ساتھ ہل رہا تھا۔ثمر بوجھل قدموں سے، لان کی طرف چلا آیا۔اس کی نگاہیں جم کر رہ گئیں، ماروی آنکھیں موندیں جھولے پر بے سدھ پڑی تھی۔اس کا ایک ہاتھ نیچے لٹکا ہوا مسلسل ہل رہا تھا۔

اسے یوں دنیا و مافیہا سے بے خبر لیٹے دیکھا تو وہ گھبرا گیا، دل میں عجیب عجیب سے خیالات اور اندیشے جاگ پڑے۔

''یہ۔۔ایسے کیوں لیٹی ہے؟''ثمر نے جھک کر اسے بغور گھورا، اور سر دکلائی تھامی۔

''کیا ہوا۔۔کیوں تنگ کر رہے ہو۔''اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور چیخ کر بولی۔

''سوری۔۔میں سمجھا تھا کہ۔شاید۔تمہاری طبعیت زیادہ خراب ہے۔۔جب ہی ایسے لیٹی ہو''ماروی کی آواز پر ثمر نے سر اٹھا کر دیکھا اور اطمینان بھرا سانس لیا۔

''۔فکر نہ کرو۔میں۔بہت سخت جان ہوں مجھے۔کچھ نہیں ہوگا۔نگاہیں ملاتے ہوئے، اس کا لہجہ شکایتی ہوا۔

''واہ بھئی۔۔یہ تو وہ مثال ہوگئی کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے''ثمر کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ ابھر آئی۔

''اب پتا نہیں چور کون ہے اور کوتوال کون۔۔''ماروی نے الٹا طنز کیا اور جھولے پر سے اتر گئی، تیزی سے چلتے ہوئے سبز روش عبور کی، اس کا دوپٹہ ساتھ ساتھ گھسیٹا چلا جا رہا تھا، ثمر کی نگاہیں، ماروی کے ساتھ ساتھ متحرک ہوئیں۔ذہن ایک فیصلے تک جا پہنچا۔

''یہ بھی مجھ سے بے انتہا پیار کرتی ہے''آنکھوں پر ایک دھندلی سی چھائی ہوئی تو، جواب چھٹ گئی اور ہر بات واضح ہوتی چلی گئی، اس نے وہ راز پالیا، جو ماروی نے خود سے بھی چھپایا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''میں نے رملہ سے ماروی کے رشتے کی بات کی ہے''

نسرین نے رات کو سوتے وقت شوہر کے کانوں میں بات ڈالنا ضروری سمجھی۔

''اچھا۔۔مگر کس کے رشتے کی بات ارحم تو ابھی شادی کی پوزیشن میں نہیں ہے''انہوں نے جان کر انجان بنتے ہوئے کہا۔

''جمال۔۔آپ بھی کمال کرتے ہیں۔۔ارحم سے بڑا بھی ہمارا ایک بیٹا ہے ثمر میں اس کی بات کر رہی ہوں'وہ پیروں پر چادر پھیلاتے ہوئے شوہر پر بگڑیں۔

''آپ نے اکیلے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ میں، اس نکمے سے اپنی پیاری بھتیجی کی شادی ہونے دوں گا''انہوں نے قطعیت سے کہا۔

''یہ فیصلہ میں نے نہیں کیا ہے۔۔''نسرین نے کچھ سوچ کر مزے سے نامیں گردن ہلائی۔

''تو۔۔پھر کس نے کیا ہے؟''شاک کے عالم میں تکیہ سے سر اٹھایا اور عزیز از جان بیوی کو گھورا۔

''شاید آپ بھول گئے ہیں کہ ان دونوں کی بات تو بچپن سے ہی طے ہے''نسرین نے پرانا حوالہ دیا۔

''نہیں بھی، اس وقت ہماری والدہ صاحبہ کو اپنے پوتے کے کرتوتوں کا پتا نہیں تھے انہوں نے تیز لہجہ اپنایا۔

''کیوں۔میرے بچے نے۔۔ایسا کیا کر دیا؟''۔نسرین کی ممتا پھڑک اٹھی۔

''ایک دم مراثی کی اولاد لگتا ہے۔۔''وہ جذبات میں آ کر خود کو برا بول گئے، بیوی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''میرا مطلب ہے۔۔لمبے بال اور عورتوں کی طرح زیورات لٹکائے گھومتا ہے، یہ بھلا کوئی شریفوں کے طور طریقے ہیں''جمال صاحب نے برہم ہو کر کہا۔

''اچھا۔اگر وہ ان سب چیزوں کو چھوڑ دے تو۔۔؟''نسرین نے شوہر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منانا چاہا۔

''ہونہہ۔۔تب سوچا جا سکتا ہے۔۔''وہ مسکرا کر سر ہلانے لگے۔کچھ بھی ہو تھا تو ان کا خون، اس کی خوشیوں کی راہ میں کیسے رکاوٹ بنتے۔

''وہ۔۔جو آپ نے نوکری چھوڑنے والی شرط لگائی

تھی، اس کا کیا ہوگا؟'' نسرین نے من میں اٹھتا آخری اندیشہ دور کرنا چاہا۔

''اب۔۔اس کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں۔ ویسے بھی وہ اپنی فیلڈ میں سیٹ ہو چکا ہے'' انہوں نے ہار تسلیم کرتے ہوئے تکیے پر سر رکھا۔

''شکر ہے۔۔باپ بیٹے میں صلح کے آثار تو پیدا ہوئے'' نسرین کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور سینے سے سکون کی سانس خارج ہوئی۔

بیوی کے انداز پر وہ مسکراتے ہوئے سوچ میں پڑ گئے۔ چند دنوں قبل جمال صاحب ٹی وی پر گھروں میں کام کرنے والی بچیوں پر تشدد کے خلاف بنائی جانے والی ایک ڈاکومینٹری فلم دیکھ رہے تھے، تھیم اتنا اسٹرونگ تھا کہ بہت زیادہ متاثر ہوئے، فلم میں بہت موثر انداز میں سماج کے ایسے بدصورت رویوں کو اجاگر کیا گیا تھا، جس کا عام طور پر ادراک نہیں تھا۔ کہانی ایک سماجی تحریک چلاتی تھی جو بے سہارا بچیوں کے حقوق کے لیے لڑنے کے ساتھ ساتھ انہیں سائباں فراہم کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتی، جمال صاحب نے فلم کے اختتام پر جب ہدایت کار کے طور پر ثمر جمال کا نام دیکھا تو ان کا دل فخر سے بھر گیا۔ انہیں اس بات کی خبر ہی نہیں تھی کہ بیٹا مشہور ہدایت کار کے طور پر شہرت پا چکا ہے اور اس طرح سے برائیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

نائمہ ثمر سے یہ بات بالکل چھپا گئی کہ ماروی تک جاتی اس کی راہیں خاصی حد تک ہموار ہو چکی ہیں۔

''بھائی۔ پھر۔ آپ نے کیا سوچا۔۔'' اس نے کمرے میں گھستے ہی ایک بار پھر ثمر کا پیچھا لینے کی ٹھانی۔

''میں نے کچھ نہیں سوچا اور تم اب۔ پاگلوں والی باتیں بند کرو۔'' وہ بے اختیار بالوں کو مٹھی میں بھینچتے ہوئے کراہا۔ ۔ماروی کو کسی اور کا ہوتے دیکھنا اس کی برداشت سے باہر تھا مگر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کرے۔ سوچوں نے پاگل کر ڈالا تھا۔

''او کے۔۔تو پھر۔ آپ ہی کوئی ہوش مندی والا کام کر لیں'' نائمہ نے بھی دوبدو جواب دے دیا۔

''میرے سر میں پہلے ہی درد ہے۔۔اب مزید دماغ مت چاٹو۔۔'' اسے جھڑکنے لگا۔

''میں کچھ نہیں بولوں گی۔۔بالکل چپ رہوں گی مگر شرط یہ ہے کہ آپ بھی مجنوں، فرہاد اور رانجھے کے گدی نشین بننے کی جگہ نارمل لائف کی طرف لوٹ آئیں'' اس کا انداز مزاح سے بھرپور تھا۔

''میں کروں بھی تو کیا۔۔ماروی کی تو بات طے ہونے والی ہے۔۔۔'' ثمر نے تھک ہار کر بہن کو دل کا درد سنا یا۔

''بات طے ہونے والی ہے۔ابھی۔۔ہوئی تو نہیں۔ ہے۔'' اس نے اپنی فتح پر مسکراتے ہوئے راہ دکھائی۔

''کیا۔ مطلب۔۔او۔۔ہاں۔ واقعی میں نے یہ بات کیوں نہیں سوچی۔ مگر۔ وہ۔ ڈیڈ۔'' مایوسی کے بادل ایک دم سے چھٹتے چلے گئے، وہ مسکرایا، مگر باپ کا خوف طاری ہوا۔

''ہاں۔۔تو ڈیڈ کو خوش کرنا کون سا مشکل ہے۔۔کچھ پیسے خرچ کر کے اپنے بال چھوٹے کروالیں۔۔'' نائمہ نے شرارت سے اس کے بالوں کی پونی کی جانب اشارہ کیا۔

''ہاں۔۔یہ ٹھیک ہے۔ اس طرح ان سے بات کرنا آسان ہو جائے گا۔'' وہ جلدی سے سر ہلانے لگا۔

''خیال رہے کہ۔ اتنی دیر نہ ہو جائے کہ پھر کچھ نہ ہو پائے'' نائمہ نے ناک پر سے چشمہ جماتے ہوئے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

''اف۔۔اف۔۔ابھی۔۔عشق کے امتحان اور بھی ہیں'' ثمر نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ ہاتھ سے کڑا اتارا، گلے سے زنجیر اتار کر دراز میں رکھ دی اور بال کٹوانے کے ارادے سے گھر سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

ماروی سادے حلیے میں بھی بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔۔ سبز کڑھائی والے سیاہ کرتے پائجامے پر، لمبا سا ساتھ ساتھ کھیلتا ہوا سبز دوپٹہ کانوں میں سونے کے ٹاپس، نرم

ملائم کلائیوں میں سونے کی ایک چوڑی ڈالے، بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل لگائے، سفید ملائم پیروں میں سیاہ چپل اور بالوں کی سادی سی چوٹی گوندھ کر ایک سائیڈ پر ڈالے، وہ چاند ہونے کے اعلان کی منتظر تھی کہ اچانک نائمہ اور نسرین ہاتھوں میں بڑے بڑے ڈبے لیے اندر داخل ہوئیں، ان کے پیچھے منجھلے بیٹے ارحم کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ٹوکرا اٹھائے گھسا، سب سے چھوٹے نے پھلوں کے ٹوکرے کا وزن برداشت کیا ہوا تھا۔ رملہ کھل اٹھیں، دونوں ہاتھ پھیلا کر خوش دلی سے جٹھانی کا استقبال کیا، ماروی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔۔۔ جمال مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے، نہال نے خوش ہو کر بھائی بھاوج کا استقبال کیا۔ وہ سب لان میں پچھی کرسیوں پر ہی بیٹھ گئے۔

"لو۔۔ بھئی۔۔۔ ہماری ماروی کی عیدی آ گئی" خالہ وزیراں بھی شام سے یہیں موجود تھیں ناک پر انگلی رکھ کر چہک اٹھیں۔

"عیدی۔۔۔" ماروی کے کان کھڑے ہوئے۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ ہے۔ خالہ۔۔۔ اللہ نے آپ کی منہ سے کی بات پوری کر دی" رملہ نے سر ہلا کر انہیں دیکھا،

"ہاں۔۔۔ بیٹا۔۔۔ اسی لیے کہتے ہیں۔۔۔ منہ سے ہمیشہ اچھی بات نکالو" وہ پرجوش ہو کر بولیں۔

"حق۔۔۔ ہے" خوشی رملہ کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی، جبکہ ماروی حق دق ہو کر سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"بی۔۔۔ بنو۔۔۔ کچھ شرم ہے۔۔۔ تھوڑی حیا ہی کر لو" نائمہ نے اسے ساکت دیکھا تو قریب آ کر چٹکی کاٹی۔

"ایک منٹ تم ادھر آؤ۔۔۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کونے میں لے گئی۔

"کیا ہوا بولو۔۔۔" نائمہ کو پتا تھا کہ اسے کیا پوچھنا ہے پھر بھی انجان بن گئی۔

"تم۔۔۔ نے تو۔۔۔ اس دن۔۔۔ کچھ اور۔۔۔ کہا تھا۔۔۔ کہ" اس نے کہنا چاہا، مگر نائمہ نے بات کاٹ دی۔

"ہاں۔۔۔ جھوٹ کہا تھا۔۔۔" نائمہ نے مزے سے گردن ہلائی۔

"کیا۔۔۔ جھوٹ" ماروی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔۔۔

"ہاں۔۔۔ جھوٹ۔۔۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم دونوں، اپنی اپنی انا کے گنبد میں مقید۔۔۔ منہ سے کبھی بھی اظہار نہیں کرو گے" "ہمیشہ پرواہ نہیں کے تاثرات منہ پر چسپاں کیے" "من ہی من میں ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے رہو گے۔۔۔ اس لیے میں نے ایسا کیا۔۔۔" نائمہ نے نگاہیں چرا کر تفصیل سے ساری بات بتا دی۔

"یہ۔۔۔ تم نے اچھا نہیں کیا" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ماروی۔۔۔ میں نے صرف تم دونوں کی خاطر ایسا کیا" اسے پہلی بار معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا، اس کا ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا۔

"ایک۔۔۔ منٹ کان کھول کر سن لو۔۔۔ میں۔۔۔ ثمر سے شادی نہیں کروں گی۔۔۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"یہ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو" نائمہ کے دل کو دھچکا پہنچا۔

"ہاں۔۔۔ میرا یہی آخری فیصلہ ہے۔۔۔ جا کر۔۔۔ سب کو بتا دو" کچھ پل کی خاموشی کے بعد نائمہ کی سماعتوں میں اس کا پتھر سا لہجہ ٹکرایا۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کے چہرے کے سخت تاثرات دیکھتی رہ گئی۔

"ماروی۔۔۔" عید کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا اور دھیمے لہجے میں پکارا۔

"جی۔۔۔ فرمائیے۔۔۔" وہ سادہ سے حلیے میں ایسے ہی کھڑی تھی، لہجے میں جان بوجھ کر تکلف لے آئی۔

"تم نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے؟" ایک ایک لفظ اس نے چبا چبا کر ادا کیا۔

ہاں۔۔۔ میں نے اس رشتے سے انکار کیا ہے" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی، سفید کرتا شلوار میں فوجی ہیئر کٹ اس کی وجاہت میں کئی گنا اضافے کا باعث بن گیا تھا۔

"وجہ۔۔۔ جان سکتا ہوں؟" ثمر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جارحانہ انداز میں جھنجھوڑا۔

"آپ۔۔ان باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔میں فیصلہ کر چکی ہوں؟" ماروی نے بلا جواز سختی دکھائی اور نرمی سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔

"میرے پاس تمہارے بغیر جینے کا کوئی تصور نہیں ہے" اس نے چاہتوں کی شدت اپنے لہجے میں سمو کا کہا، وہ لمحے بھر کو ڈگمگا گئی۔

"اونہہ۔۔یہ بھول ہے تمہاری" ماروی نے اس کی بات مسترد کر دی۔

"کیا۔۔تم کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہو" ثمر کو ایک اور خیال آیا تو لہجے میں طنز در آیا۔

"ہاں۔۔کرنا چاہتی ہوں۔۔تو؟" اس نے بھی ضدی انداز میں حامی بھر لی۔

"میں۔۔بھی دیکھتا ہوں کہ تم کسی اور کی کیسے بن سکتی ہو" اس کی بات نے جیسے کانٹوں پر گھسیٹ ڈالا ہو، ایک دم اکھڑے لہجہ میں بولا۔

"آپ۔۔ہوتے کون ہیں۔۔یہ فیصلہ کرنے والے؟" اسے بھی آگ لگ گئی۔

"اس بات کا تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا کہ میں ہوتا کون ہوں۔ اب تمہیں مسز ثمر جمال کی حیثیت دینے کے بعد ہی بات کروں گا" اس نے چیلنج کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا، وہ جہاں کی تہاں بھونچکی سی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

ماروی شام کو سو کر اٹھی تو خود کو بہت فریش محسوس کر رہی تھی، بال سلجھا کر دوبارہ چوٹی باندھنے لگی تو آئینے میں اپنا بے رونق چہرا اور گلابی ہوتی آنکھیں دیکھیں۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ آج عید کا دن ہے، اس کے شادی سے انکار پر رملہ بہت ناراض تھیں، نہال کو بھی بیٹی کی بات نے دکھ پہنچایا۔ وہ نماز کے بعد سے جو کمرے میں پڑی رہی تو کسی نے اٹھانے کی زحمت بھی نہیں کی۔ روتے روتے کب اس کی آنکھ لگی پتا ہی نہیں چلا۔

"ماروی۔۔چلو۔۔جلدی سے تیار ہو جاؤ" نائمہ نے دھڑ سے دروازہ کھولا اور مسرت سے چیخ ماری۔

اس کے ہاتھ میں عیدی والی ریڈ فراک تھی، جس پر سلور

''میں شاید تمہاری ہائی سوسائٹی کے تقاضے نبھانے میں ناکام ثابت ہوں'' ماروی نے نگاہیں چرائیں، لبوں پر اندیشے جاگے۔

''کیا ہوگیا ہے تمہیں۔۔کیسی باتیں من میں پال بیٹھی ہو'' وہ حیران ہوکر پوچھنے لگا۔

''۔۔تم نے ہی مجھے یہ سب سوچنے پر مجبور کیا ہے۔۔'' منہ سے شکوہ پھسل گیا۔

''میں نے ایسا کیا کیا؟'' اس نے انگلی اپنے سینے پر مار کر اس سے پوچھا۔

''میں فیشن اور گلیمر سے دور بھاگنے والی سادہ مزاج لڑکی ہوں، جسیلے گلے شور شرابہ اور پارٹیوں وغیرہ کا شوق نہیں'' اس نے بات بدلی۔

''مجھے۔۔ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' ثمر نے بے تابی سے ماروی کو سمجھانا چاہا۔

''ابھی فرق نہیں پڑتا۔مگر۔میری دنیا سے تمہاری دنیا بہت مختلف ہے۔۔شادی کے بعد یہ باتیں ہمارے درمیان ایک ان دیکھی خلیج کی طرح حائل ہوجائیں گی'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے خارج ہوئے۔

''تم۔۔نے ابھی تک میری محبت کو جانا ہی کہاں ہے۔۔جو مستقبل کی باتیں قبل از وقت فرض کر بیٹھی ہو'' اس نے ماروی کا ہاتھ تھام کر دکھی لہجے میں بتایا۔

''اپنی محبت کو حاصل نہ کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، مگر پیار پاکر کھونے کی اذیت نہ قابل برداشت ہوجاتی ہے۔۔اور میں ایسا لمحہ اپنی زندگی میں آنے نہیں دوں گی۔۔بس اسی لیے انکار کیا ہے'' نہ جانے کیوں دو آنسو پلک سے ٹوٹ کے ثمر کے ہاتھوں پر آگرے۔وہ بے چین ہونے لگا۔

''تم۔۔کو یہ ادراک کیسے ہوا کہ میں تمہیں کل کو چھوڑ دوں گا؟'' اس نے دانت پیسے۔

''بس۔۔مجھے ایسا لگتا ہے۔۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''ماروی۔۔مجھے ایسی سزا نہ دو۔۔جو مجھ سے برداشت نہ ہوسکے'' وہ اس کی ضد پر بہت بے بس دکھائی دیا، شانوں کو تھام کر بولا۔

نگوں سے باریک اور دیدہ زیب کام اپنی بہار دکھا رہا تھا، سلور بنارسی چوڑی دار پائجامہ اور بڑا سا شیفون کا دوپٹہ۔سلور پنسل ہیل کی سینڈل، پرس چوڑیوں کے ساتھ ایک زبردست سا جیولری سیٹ۔ماروی نے پسندیدہ نگاہوں سے تمام چیزوں کو دیکھا، جو نائمہ ڈبوں سے نکال نکال کر بستر پر رکھ رہی تھی۔

''جاؤ۔۔بھئی۔۔کھڑی کیوں ہو۔۔سارے مہمان آچکے ہیں۔۔'' اس نے ماروی کا ہاتھ پکڑ کر واش روم کی جانب دھکیلا۔

''کس لیے تیار ہوں۔۔؟'' وہ حیران ہوکر پوچھنے لگی۔

''کمال۔۔ہے۔۔یہ بھی میں بتاؤں۔۔چلو جلدی کرو۔۔'' نائمہ نے ہبڑ دبڑ مچا کر اسے زبردستی کپڑے بدلوائے اور پھر نہ کرنے کے باوجود اس کا بے انتہا خوبصورتی سے میک اپ کر ڈالا۔

''کیا ہوا لڑکیوں۔ابھی۔کتنی دیر باقی ہے'' رملہ عجلت میں کمرے میں داخل ہوئیں، بیٹی کو تیار دیکھا تو آنکھیں نم ہوگئیں۔

''شکر ہے۔۔بیٹا۔۔تم نے میرا مان رکھ لیا۔۔'' رملہ نے اس کا ماتھا چوم کر کہا، وہ ماں کو نا سمجھ میں آنے والی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

''نائمہ۔۔کیا چکر ہے؟'' ماروی نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

''آئی۔۔'' کسی کے پکارنے پر رملہ جلدی سے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

''لو۔۔ہم سب کو چکر میں ڈال کر محترمہ پوچھتی ہیں۔کیا چکر ہے؟'' نائمہ نے برابر میں چلتے ہوئے اسکے چٹکی کاٹی۔

''منہ سے کچھ پھوٹو گی بھی'' ۔اس نے جل کر نائمہ کو ایک دھپ لگائی۔

''افوہ۔۔بھائی نے جیسے ہی صبح ہم سب کو بتایا کہ تم شادی کے لیے راضی ہوگئی ہو تو گھر میں ایک ہنگامہ مچ گیا'' نائمہ چہکی۔

"کیا۔۔؟" وہ ایک دم چیخ پڑی۔ ذہن میں جھماکا سا ہوا، اسے نکاح والی بات یاد آ گئی۔

"ہاں۔۔اور کیا۔اس کے بعد بھائی نے جو ضد باندھی کہ بس نکاح آج شام کو ہی ہونا ہے" ۔وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"مرتے کیا نہ کرتے۔سب کی دوڑیں لگ گئیں۔کام کر کرکے ہم سب کے پاؤں ٹوٹ گئے۔۔تب جا کر انتظامات مکمل ہو پائے ہیں" وہ حیرت زدہ سی یہ سب سن رہی تھی۔اس کے مزید کچھ کہنے سے قبل ہی رملہ واپس لوٹیں اور وہ دونوں ماروی کو پکڑ کر باہر لے گئیں۔

☆☆☆☆☆☆

لان میں بہت چہل پہل مچی ہوئی تھی، قریبی رشتے دار جمع ہو چکے تھے، اسے پھولوں سے سجائے گئے جھولے پر لا کر بٹھا دیا گیا۔وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کیا کرے، اچانک کسی کے بیٹھنے سے جھولا ہلا، اس نے مڑ کر دیکھا تو برابر میں براؤن کرتا شلوار پر بلیک واسکٹ زیب تن کیئے ثمر براجمان تھا۔

"آداب۔عرض ہے" اسکے لبوں پر بڑی خاص مسکراہٹ تھی، ماروی نے تیز نگاہوں سے اسے گھورا، مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔

ان دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی چھا گئی۔۔وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ثمر اپنی بات پر اتنی جلدی عملی جامہ پہنا دے گا۔

ماروی نے کچھ سوچ کر بے چینی سے ماں کو ڈھونڈا، مگر دوسری طرف سے جمال اظہر نے بیٹھ کر اس کے گرد بانہیں پھیلا دیں۔

"میری بچی۔ہاں کرنے کا۔شکریہ۔۔ٹرسٹ می۔یہ۔۔گدھا۔اب۔۔اتنا برا بھی نہیں ہے۔وہ شوخی سے بولے،

۔" ویسے آپس کی بات ہے۔تم۔۔اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزارو گی۔اور اگر۔اس نے زرا سا بھی ستایا تو اپنے تایا کو بتا دینا۔۔اتنی زور سے کان کھینچوں گا کہ سچ مچ میں گدھا بن جائے گا۔" انہوں نے بڑی محبت سے اسے یقین دلایا۔

کچھ پل کی خاموشی کے بعد انہوں نے بھتیجی کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔جانے کیا ہوا۔اس کی ساری مدافعتیں دم توڑ گئیں اور وہ تایا سے لپٹ کر بری طرح سے رو دی۔ثمر نے جاں نثار ہوتی نگاہوں سے اسے دیکھا، ماروی کے اندر کا غبار چھٹ گیا تو دل خوشی سے جھومنے لگا۔سب لوگ اچانک اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔وہ منہ اٹھائے ایک ایک کو تکتی رہ گئی۔رملہ بے اختیار آگے بڑھیں۔

"بیٹا سر جھکا کر بیٹھو۔تمہارا نکاح ہو رہا ہے" رملہ نے اس کے سر پر آنچل کا گھونگھٹ نکالتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

"میرا۔بیٹا۔شہزادہ۔۔لگ رہا ہے" نسرین نے بیٹے کے برابر میں استحقاق سے کھڑے ہو کر کہا۔دونوں کے نکاح کی رسم ادا کر دی گئی اور وہ جو ہمیشہ سوچتی تھی کہ ایسا کبھی ہونے نہیں دے گی، اس نے سب کچھ بھلا کر، اقرار میں تین بار گردن ہلا دی۔۔مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔

"مسز۔۔ثمر مبارک ہو" اس کی پُرشوق نگاہوں کی تپش ماروی کو بار بار پہلو بدلنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

"کہا تھا نا کہ تجھ کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں" ثمر اترایا، مگر پہلی بار اس نے منہ در منہ کوئی جواب نہیں دیا۔بار حیا سے بار بار پلکیں جھک رہی تھیں۔عید کی خوشیوں سے جہاں دل معمور تھے وہیں دونوں کے ملن نے اس شام کو یادگار ترین بنا دیا۔

☆☆☆

ملاحظہ

ایک عورت کپڑے کی بڑی دکان میں گئی جہاں ہزاروں کی تعداد میں سلے سلائے جوڑے رکھے تھے وہ دیر تک کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔
"بس آپ کے پاس یہی کچھ ہے؟"
سیلز گرل نے مودبانہ جواب دیا۔
"محترمہ میرے بدن کا بھی جوڑا ملاحظہ فرمالیجیے۔"

الاؤ جلتا رہے

سدرۃ المنتہیٰ

انتیسویں قسط کا خلاصہ

فنکار اپنے تیسرے مرحلے میں کھڑا ہے، اس نے بچوں کے لئے ایک الگ طرح کی درسگاہ کھولی ہے۔
سونا، سادھنا کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔
امر کلہ اس کا دل صاف کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے، امرت گوہر کو کہتی ہے کہ امر کلہ کو آواز دو۔
امر کلہ سوال لے کر فنکار سے ملنے آئی ہے اور وہیں اس نے الفت مجاز اور حقیقی کے ٹکراؤ کا سبب پوچھتے ہوئے ایک غیر متوقع سوال کیا ہے۔
نواز، فاطمہ کو مزار پر منت اتارنے لے آیا ہے، فاطمہ نے اسے شیرو کہہ کر بلایا ہے، وہ اپنے سوال پر شرمندہ ہے۔
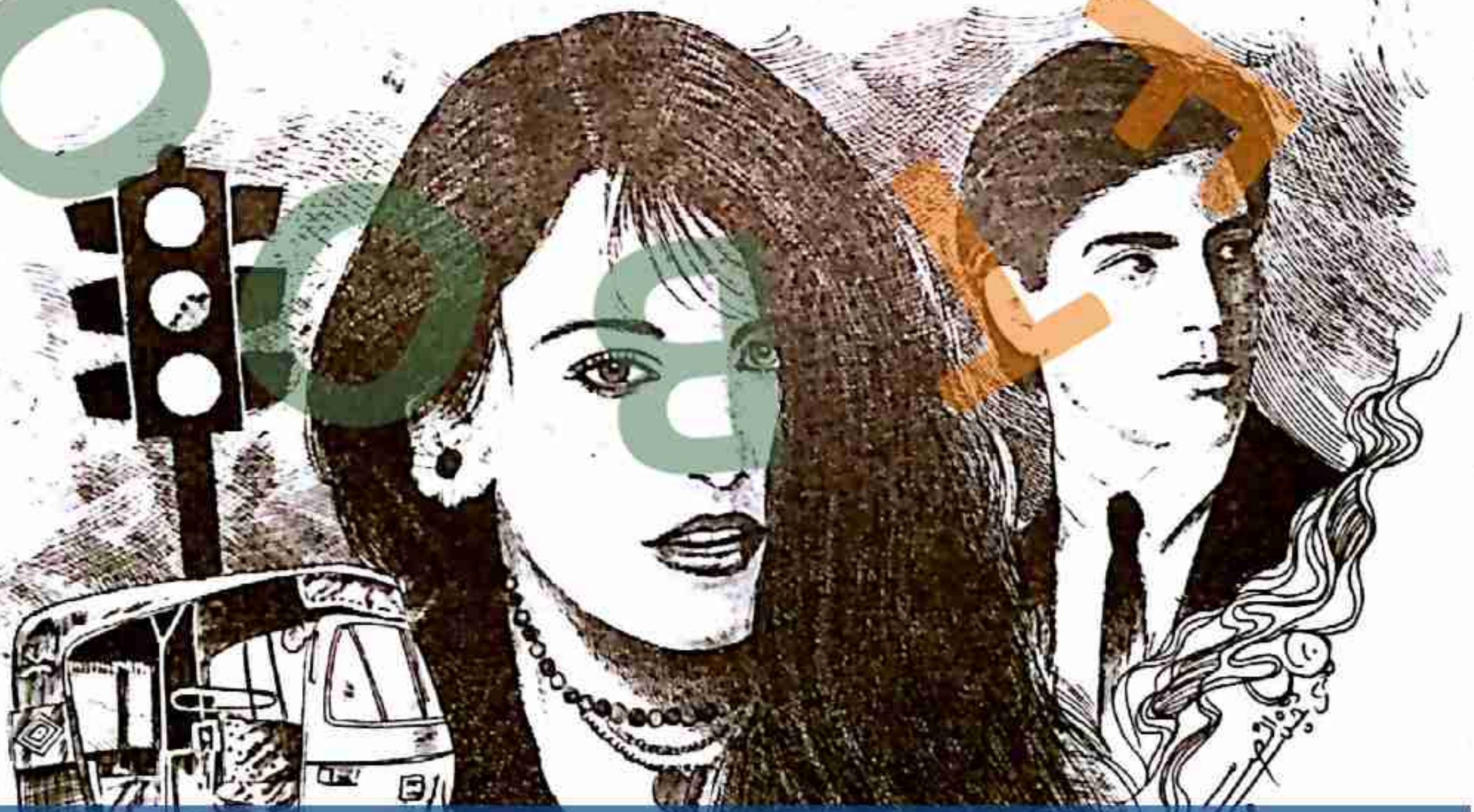
اب آپ آگے پڑھیئے

تیسویں قسط
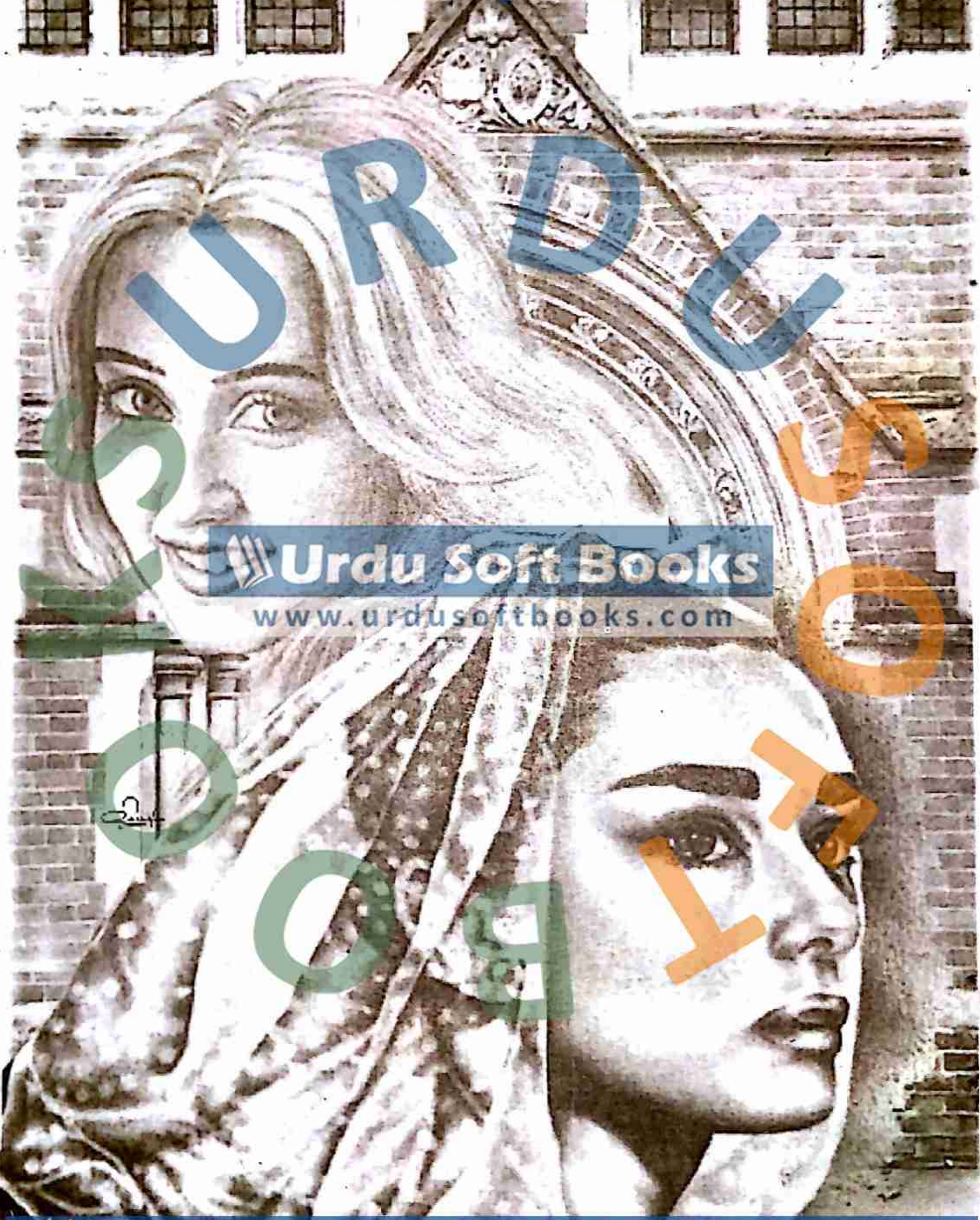
"تم پھر سے پاکستان جانے کی غلطی کر رہے ہو؟" اس کا سامان پیک تھا، ویزے کے لئے اس نے دوڑیں لگائی ہوئی تھیں۔

"میں پھر سے پاکستان کچھ غلط ہوئے کاموں کو ٹھیک کرنے جا رہا ہوں۔"

"کیا تمہارے باپ نے پھر سے تمہیں دھمکیوں کی کالز دی ہیں؟" وہ سگریٹ پی کر آیا تھا، اس کے منہ سے دھوئیں کی بو آ رہی تھی، حالار نے ترحم سے اسے دیکھا تھا، کبھی وہ یہ ترس خود پہ کھایا کرتا تھا۔

"تمہارے جولین کے ساتھ تعلقات ٹھیک نہیں چل رہے ہیں نا؟" اسے اندازہ تھا جب جولین اور اس کے درمیان کوئی کھٹ پھٹ لمبے عرصے کے لئے چلتی تھی تو وہ اسٹریس میں آ کر سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا جاتا تھا۔

"تم اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہو۔"

"تو تمہیں شکایت مل گئی ہے۔" وہ ہنسا تھا۔

"ابھی نہیں، میں اس سے خود ملنے جاؤں گا، مجھے پتہ ہے ہمیشہ کی طرح تمہاری زیادہ غلطی ہو گی۔"

"ہاں...... شاید اسی لئے وہ سیپریشن چاہتی ہے، جبھی وہ اپنی ساری چیزیں لے گئی ہے۔"

"وہ جب روٹھ کر جاتی ہے تو تم ہمیشہ وہاں جا کر شفٹ ہو جاتے ہو اور اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔"

"نہیں مگر اس بار ایسا نہیں ہوگا، اسے نیا بوائے فرینڈ مل گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ صرف اس کا فرینڈ ہو؟"

"تم ہمیشہ مجھے اچھی سوچ دیتے ہو مگر حالی اب کی بار یہ سچ ہے۔"

"تمہیں اس سے دکھ پہنچا ہے؟"

"ظاہر ہے۔" وہ مایوس تھا۔

"تم اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟"

"چاہتا تھا۔"

"اور اب؟"

"نہیں جانتا کہ کیا، مگر وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، مجھے فیصلے سے پہلے تھوڑا سا وقت دے دو کہ میں اس سے بات کروں۔"

"کچھ نہیں ملے گا حالی۔"

"میں اس کی سننا چاہتی ہوں۔" اس نے جوزف کی آنکھوں میں اداسی دیکھی تھی۔

"تم میرے جرموں کی کتھا سن لو۔"

"جو جی میں تمہیں سمجھتا ہوں۔" اس نے اسے ساتھ لگایا تھا۔

"تم میری آدھی محبوبہ ہو حالی۔" وہ جان بوجھ کر اسے چھیڑ رہا تھا۔

"دفع ہو۔" وہ مسکراہٹ دبا کر دھاڑا۔

"تم کیوں جا رہے ہو میرا گھر ویران کر کے۔"

"اپنی آزردگی سے اگر تم اسے روکتے تو وہ رک جاتی۔"

"وہ نہیں رکتی، خبیث کی بچیا۔" اس نے زیرلب گالی دی۔

"تم اسے گالی دے رہے ہو؟"

"نہیں اس کی ماں کو، یہ سب کیا دھرا اسی کا ہے۔"

"جوجی، اسے تمہاری یہی باتیں بری لگتی ہوں گی۔"

"مجھے بھی اس کی کئی باتیں بری لگتی ہیں۔"

"تم دونوں ایک جھگڑے کی مار ہو۔"

"تم دونوں کو ایک دوسرے کا احساس ہوگا، مگر میں چاہتا ہوں دیر نہ ہو، غلط فہمیوں کو بڑھنا نہیں چاہیے۔"

"اس بار اس نے تمہیں کال نہیں کی، ایسا نہ ہو تمہارے بغیر رہنا سیکھ لے۔" وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا اور کھڑکی سے باہر گرتی برف کو دیکھ رہا تھا، اس نے کھڑکی کی پٹ کے اوپر پھیلی برف پر ہاتھ پھیرا۔

"میں تمہارے ساتھ اس برف کو بہت مس کروں گا، ھالی تم نہ جاؤ یار۔"

"جوجی مجھے جانا پڑے گا۔"

"تم ہمیشہ اپنے باپ کی بلیک میلنگ کا شکار ہو جاتے ہو۔"

"نہیں جوجی اس بار کوئی کال نہیں آئی، میں بہت اداس ہوں، وہ سگے نہ ہونے کے باوجود بھی سگے سے زیادہ بن کر دکھا گئے، مگر میں ان کا سگا بیٹا نہ بن سکا، میں نے انہیں دکھ دیئے، سکھ نہیں دیا، ان سے سب کچھ لے لیا، آخر میں میری باری تھی، برداشت کرنے کی، رکنے کی، مگر میں کٹھور بن گیا مجھے اسی چوکھٹ پر مر جانا چاہیے تھا، مر کے دفن ہو جاتا، مگر نہ اٹھتا اس جگہ سے، بہت دلگرفتہ ہوں، ایسا نہ ہو کہ کل اجنبیت کا وہ عالم ہو کہ میں انہیں اور وہ مجھے کہیں کہ یار تو کون؟ میں اس وقت سے پہلے جانا چاہتا ہوں، میرا دل اٹکا ہوا ہے، بہت فکر ہے، آج بس ٹکٹ ملے تو آج نکل جاؤں، وقت میرے ہاتھوں سے نہ نکل جائے، دعا کرنا جوجی، ریت جیسے مٹھی سے پھسل رہی ہے۔"

"تمہیں ایک اور بات بتانی ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے بند تھیلے کونے میں ٹیک دیئے تھے۔

"تمہارے دوست کا فون تھا، کہنے لگا ھالی سے کہو جلدی پہنچے۔"

"اللہ خیر کرے سب ٹھیک ہے نا وہاں۔"

"ہاں وہ کہہ رہا تھا ٹھیک ہے مگر اس کی ضرورت ہے، فون کس نے کیا تھا گوہر نے؟"

"نہیں، فرید نے۔"

"اوہ اچھا، اللہ خیر رکھے۔"

"تم فکر مت کرو سب خیر ہے، ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر میری ضرورت ہوگی۔" وہ الجھن میں پڑ گیا۔

''ھالی ایک نیک کام کر کے جانا، اگر وہ راضی ہو تو اسے یہاں چھوڑ جانا۔''
''تم فکر نہ کرو جو جی آج شام ہی میں اس سے ملتا ہوں۔'' وہ برف کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مسلنے لگا تو برف بھربھری سی ہو کر پھسل کر گر گئی، وہ مسکرانے لگا۔
''ابا جی کو برف بہت اچھی لگتی ہے، پاکستان میں ان دنوں بارشوں کا موسم ہو گا، گرمی کچھ چھٹ گئی ہو گی، مچھر اور مکھیوں کا دور دورہ ہو گا، بجلی بار بار جاتی ہو گی، نیند پوری نہیں ہوتی ہو گی، وہ پتہ نہیں کہاں ہونگے، شاید ابھی تک گاؤں میں، پتہ نہیں وہ یاد کرتے ہونگے یا نہیں۔''
''وہ یاد کرتے ہونگے، تمہارے ابا تمہیں ایک محبوبہ کی طرح چاہتے تھے۔'' جو جی ہنسا تھا۔
''اور تم کہتے ہو کہ پھر بھی نہ جاؤں، حد کرتے ہو۔''
''اپنی سوچتا ہوں اس لئے کہتا ہوں۔'' وہ جیکٹ لے کر باہر نکل گیا تھا کہتے ہوئے۔
ھالی نے چہرہ کھڑکی سے نکالا، سرد ہو گیا تھا، گال سرخ ہو گئے تھے اور آنکھیں سرخی مائل۔

☆☆☆

''مجاز کی حیثیت نہیں کہ رستہ روکے، رستہ روکنا امرکلہ، شیطان کا کام ہے۔''
''نہیں سر! ٹکراؤ ہو ہی جاتا ہے، انسان ایک طرف کا ہو کر رہتا ہے۔''
''امرکلہ پہلی سیڑھی اور آخری سیڑھی کبھی ایک سیڑھی بن سکتی ہے، ان کے بیچ جتنے زینے ہیں ہم ان کو نہیں نکال سکتے، مجاز رستہ ہے منزل جو ہے وہ حقیقی لگاؤ ہے، دیکھو منزل کے لئے رستہ درکار ہوتا ہے۔''

''ہوتا ہے نا؟''
''جی بالکل ہوتا ہے۔''
''تو سمجھ لو کہ مجاز رستہ ہے، تم رستے پر چل کر ہی منزل کی طرف جاؤ گی، رستہ کاٹ دینا تمہارے بس میں نہیں ہے۔''
''آپ کا مطلب ہے میں مجاز کے ترب سے نہیں بچ سکتی۔'' اس کا دل ڈوبا ہوا تھا، وہ ان کی پوری بات کا مفہوم نہیں سمجھ پائی تھی، جبھی الجھن باقی تھی۔
''دیکھو امرکلہ میری بات سنو۔'' وہ اسے بتانے لگے، انہوں نے اسے بتایا تھا کہ انسانوں کی محبت میں طلسم رکھا ہے، اس نے کہا میں اس طلسم سے نہیں ہاروں گی۔
انہوں نے کہا بچنا دشوار ہوتا ہے، امرکلہ کہنے لگی کہ میں بچنے کی دعا کروں گی، کہنے لگے بچ کر کیا کرو گی، کہنے لگی کرنے کو اس کے سوا بھی بہت کچھ ہے۔
''امرکلہ دل توڑنے سے پہلے اپنا دل توڑ دینا کہ جو کرچی ٹوٹے وہ تمہیں نہ چبھے۔''
''سر آپ مجھے ظالم سمجھ رہے ہیں، میں خدا کی راہ میں کسی اور کو حائل ہونے دینا نہیں چاہ رہی اور آپ......''
سب جانتے ہوئے بھی امرکلہ زندگی کے ہر موڑ پر خود کو بے بس محسوس کیا ہے، جاتے ہوئے ایک پیغام لیتی ہوئی جاؤ، امرت کو کہنا مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں اس کے سامنے آؤں، اس سے ملنے جاؤں، بس اتنا کہتا ہوں کہ وہ آخری بار، آخر سے پہلے، مجھ سے مل لے، خود آ کر مل

لے، چار شکوے کر لے، چار مجبوریاں آ کر سن لے، دوسری دنیا کس نے دیکھی ہے، موت کو ہمیشہ میں نے ٹالنے کی کوشش کی ہے، مگر اب لگتا ہے وہ بن بلائے آئے گی اور مجھے ساتھ لے کر ہی جائے گی، میں تھک گیا ہوں، کب کا، اور تھک گیا ہوں، مگر میرے اندر کچھ نیا ہونے لگا ہے، ہمیشہ کی طرح زندگی کوئی نیا موڑ لیتی ہے، موڑ آنے لگا ہے، مگر اندر کی زندگی میں، میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اک رنگینی میں ڈوبنا چاہتا ہوں، کوئی مجھے اپنی طرف محبت سے بلانے والا ہے۔" ان کی آنکھوں میں تشکر کا پانی جمع ہو گیا تھا۔

کشتی ہلکورے لینے لگی تھی، خوابوں کی پانیوں میں رقص تھا، آنکھیں چمک رہی تھیں، وہ دونوں ایک موڑ پر کھڑے تھے، عمروں اور حالتوں کے حساب سے مختلف موڑ میں، مگر درد سمجھ میں آتا تھا، وہ ان کے پاس اپنے مسئلے کا حل لینے آئی تھی اور جیسے خالی ہو کر جا رہی تھی، بہت کچھ حاصل ہونے کے باوجود والا خالی پن۔

"میرا پیغام اس تک پہنچانا امر کلہ۔"

"ضرور پہنچا دوں گی سر، اپنا خیال رکھیئے گا، قسمت نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی۔"

"تم اپنے سوالات کے ادھورے جواب چھوڑ کر جا رہی ہو، میں جانتا ہوں۔"

"مجھے آپ کی آنکھوں میں جو چمک نظر آئی ہے اس نے مجھے لاجواب کر دیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ چمک تمہاری اندر کی ہو، کیونکہ میں نے تمہاری آنکھوں میں سکون کی لہر دیکھی ہے امر کلہ، جو میرے اندر ہلکورے لے رہی ہے۔"

"آپ جتنی [illegible] فقیرنی [illegible] سے نکل آئی ہوں۔"

"مجھے ایک بات بتاتی جاؤ، ورنہ میرا تجسس مجھے تنگ کرے گا، یہ بتاؤ کہ تم نے کل رات کسے دیکھا؟"

"کبیر احمد کو۔"

"آپ کی آبائی درگاہ کے صحن میں، تسبیح کرتے، اللہ ہو کا ذکر پڑھتے ہوئے۔"

"اوہ تو اسی رات وہ بھی وہاں موجود تھا، ان سارے مردوں میں، یہ سب کسی اور بات کا مطلب ہے، یہ سب دکھانے کا، میں محسوس کر سکتا ہوں امر کلہ۔"

"مگر تم کچھ زیادہ بہادر ہو۔"

"نہیں سر! اتنی بھی نہیں، اس وقت میں بھول چکی تھی میں نے دور سے انہیں دیکھا تھا، بس ایک جھلک دیکھی، میں وہاں سے لنگر لے کر نکل آئی تھی اور جب تانگے میں آ بیٹھی تب یاد آیا کہ کبیر بھائی تو...... اس دنیا میں نہیں ہیں، میں نے سمجھا تھا شاید مجھے غلطی ہوئی ہو، شاید....." وہ کہتے کہتے رہ گئی۔

"امر کلہ! خدا سے کبھی اس کی طاقت کا ثبوت نہ مانگنا، دیکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کوئی بڑی چیز دکھا دے جس کی تاب تم نہ لا سکو، تم خدا سے جو خواہشیں رکھنے لگی ہو، وہ بڑی مہنگی خواہشیں ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، مگر میں خود کو نہیں سمجھ سکی۔"

"جانتا ہوں [illegible] اسی لیے یہاں آئی ہو، کاش مطمئن ہو کر جاتیں۔" وہ مسکرا دی تھی۔

"کچھ اعتدال آ گیا ہے، کچھ آ جائے گا۔"

"فرید تمہیں مین روڈ تک چھوڑ دیتا ہے۔" وہ مغرب کی اذان کے ساتھ بہت دور نکل آئے تھے، فرید تیار کھڑا تھا، اسے لگا وہ اس کے ساتھ کچھ ڈسکس کرنا چاہتا ہے، اسے ٹھیک محسوس ہوا تھا۔

"مجھے امرت کا پیغام ملا ہے۔"

"کیا ملا ہے؟"

"اس نے کہا ہے میں اس کے لئے رشتہ لاؤں، وہ گوہر کو بہت معمولی سمجھتی ہے، گوہر کے رشتے کو ٹھکرا کر تمہیں فوقیت دے رہی ہے۔"

"اگر تم اس جگہ ہوتیں تو ایسا ہی کرتیں۔"

"نہیں فرید! میں گوہر پر کسی اور کو فوقیت نہیں دے پاؤں گی۔" یہ جملہ اس نے غلطی سے کہہ دیا تھا۔

اور گوہر کو خود پر؟ یہ سوال اس کے اندر سے اٹھا تھا وہ سمجھنا چاہتی تو جواب بھی اس کے اندر ہی تھا، اگر اسے لگاؤ ہوتا تو وہ سمجھتی۔

"میں اس کے لئے رشتہ بھیجوں گا عنقریب۔"

"تمہاری مرضی ہے۔"

"تم خوش نہیں ہونا میرے حق میں؟"

"میری خوشی کیا حیثیت رکھتی ہے بھلا، خود امرت کی خوشی اہم ہے۔"

"تم اسے بہت پسند کرتے ہو؟"

"بہت زیادہ۔"

"کیا اسے خوش رکھ پاؤ گے؟"

"کیا وہ خوش رہ پائے گی؟" اس نے الٹا سوال کیا تھا، گاڑی آ گئی تھی۔

"میں رات کو اکیلے کیسے چھوڑ دوں، سر کا حکم ہے ساتھ چلوں۔"

"گھر تک چھوڑ آؤں، اس بہانے سے ماں سے مل آؤں گا۔"

"ہاں یہ اچھا ہے سکھی خالہ تمہیں یاد کر رہی تھیں، اب فاطمہ بھی اپنے گھر کی ہو گئی، گھر خالی سا ہو گیا ہے۔"

"میں بھی تم کم ٹکتی ہوں، سوچتی ہوں اب ٹکا کروں، محلے کے بچوں کو پڑھا لیا کروں گی، کچھ چار پیسے ہاتھ لگیں گے، اماں خوش ہو جائیں گی، اسکول میں انٹرویو بھی دے آئی ہوں، ایک این جی او سے ملی ہوں وہاں بھی کام کی گنجائش ہے۔"

"تمہیں خانہ بدوشوں جیسی زندگی سوٹ کرتی ہے، تم کہاں سال کے دس مہینے ٹک پاؤ گی۔"

"کہتے تو تم ٹھیک ہو مگر تجربے میں حرج نہیں ہے۔"

"تم امرت سے ملو گی؟"

"ہاں ملوں گی ایک پیغام بھی دینا ہے۔"

"ایک نہیں دو لے کر جاؤ، ہن بن کر دکھا ئیے، کہنا کہ رشتہ آئے گا تو انکار مت کرنا۔"

"سفارش کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"

"اس نے خود جو کہا ہے اسے نہیں کروں گی۔"

"نہیں میں نے اسے دھمکایا تھا۔"

"چلو یونہی سہی۔"

"مگر تم سفارش کرو گی تو کیا جائے گا۔"

"میں نے گوہر کے لئے بھی سفارش کی تھی، مگر کچھ اثر نہ ہوا، وہ کالج کا زمانہ تھا، جب وہ میری ہر بات مانتی تھی، اب وہ امرت امرت نہ رہی ہے، سنگل سے ڈبل بن گئی ہے گوہر نے تم پر وزن نہیں رکھا تھا، مگر میں وزن رکھتا ہوں۔"

وہ اسے کیا بتاتی کہ گوہر نے کس طرح اور کیا وزن رکھا ہے اور کتنا رکھا ہے؟ وہ تحمل میں آ گیا تھا۔

"سب اچھا ہوگا، میں جا کر کروں گی اسے فون، مجھے یقین ہے وہ کسی نئی ایکٹیوٹی میں لگی ہو گی، ایک تو یہ لڑکی خسارے کی پرواہ کیئے بغیر کھیلتی ہے، مجھے کہہ رہی تھی، کل کچھ بھی ہوسکتا ہے، کوئی کام نہ ملا چند دن میں تو جوتیاں گانٹھنا شروع کر دوں گی، موچی کی دوکان جا کہ چمکائے گی۔"

"دیکھنا اس صورت میں زیادہ جوتے سلائی کرنے والے آ جائیں گے، موچی کی دوکان پر لوگوں کا مجمع ہوگا۔" وہ کہتے ہوئے ہنس دی تھی۔

"امید کرتا ہوں، جوتوں سے ذرا بہتر کام مل جائے اسے۔" وہ بیچارہ سنتے ہی پریشان ہو گیا تھا۔

"آخر وہ عورت ہے اس پر ایسی کیا گھر کے اخراجات کی ذمہ داری ہوگی۔"

"دیکھو وہ صرف عورت نہیں ہے فرید، ایک تو وہ عورت ہے اوپر سے وہ امرت بھی ہے۔" گھر پہنچتے ہی کچھ دیر بعد سکھی سے بات کرتے وہ بیٹھ گیا تھا۔

"کل ساتھ چلنا ہے۔"

"کہاں؟"

"رشتہ لے کر امرت کے گھر۔"

"دوسری بار بےعزت ہونے کے لئے بھیج رہے ہو۔" نا چاہتے ہوئے لہجہ تلخ ہو گیا۔

"اب کی بار ایسا نہیں ہوگا۔"

"پہلے اس سے پوچھ لے کہ اگر آئیں تو انکار نہیں سنیں گے۔"

"لڑکی لینے جا رہے ہیں، پنسار کی دوکان نہیں کہ دھمکیاں دے کر جائیں اور دھمکا کر آ جائیں۔" سکھی کی یہ بات ناگوار گزری تھی۔

"کہتے تو سچ ہو، چلو ماں ہوں، پھر چلی جاتی ہوں، مگر سن لو اس کے بعد نہ دستک دوں گی، تیسری بار جاؤں گی تو بات پکی کر آؤں گی، اگر نہیں تو پھر کبھی سوچوں گی بھی نہیں۔"

"بس ماں میرے لئے، میری وجہ سے، بس ایک بار۔" امر کلہ ان دونوں کے سونے کا انتظار کر رہی تھی، ان کے سوتے ہی امرت کو فون کیا۔

''کہاں ہو؟ فون کیوں بزی جارہا ہے۔''

''بس نہ پوچھو، شہر کی معروف سٹرک پہ جنرل اسٹور کھولنے کی غلطی کر بیٹھی ہوں۔''

''جنرل اسٹور، کہاں سے لائے پیسے؟''

''سونے کا اکلوتا سیٹ بیچ دیا، عدنان کی پڑی بچی ہوئی رقم لگا دی، بس رسک لے لیا۔''

''شاپ کیپر کہاں سے آیا؟''

''میں خود ہوں۔''

''علی گوہر نہیں ہے؟''

''نہیں اسے مزدوری کی تلاش ہے۔''

''ہر کوئی اپنا رزق ڈھونڈتا ہے، اسے ڈھونڈنے دو، وہ پکی پکائی سے اکتا چکا ہے اور یہ اس کے لئے اچھا ہے۔''

''اسٹور سیٹ ہو گیا تمہارا؟ مجھے یہ یقین تھا تمہاری غیر حاضری کسی نئی کارکردگی کا منہ بولتا ہوا ثبوت ہے۔''

''چلو اچھا ہے نا، تم بھی آ جاؤ مل کر کام کریں گے۔''

''نہیں امرت مجھے بھی اپنا رزق ڈھونڈنے دو۔''

''تم کرو اپنا کام۔''

''ارے ہاں، جو بات اہم تھی، بتانا بھول گئی، پہلی بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب سے مل لو۔''

''دیکھو امرت مجھے ان کی باتوں سے انہونی کے خدشات اٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں، انہوں نے کہا ہے اسے کہو مجھ سے آخری بار آ کر مل لے۔''

وہ چپ ہو گئی۔

''مجھے ہمت نہیں ہوتی امرکلہ، تمہیں جانا پڑے گا امرت میں نہیں چاہتی تمہیں تب احساس ہو جب ہاتھ سے سب کھسک جائے۔''

''مجھے کچھ وقت دو، میں جاؤں گی مگر وقت ضائع نہ کرنا امرت اور ہاں دوسری اہم بات۔''

''اب تم میری جان نکال کر چھوڑنا۔'' وہ ہنسی۔

''ایک کے بعد دوسری بات، دیکھو دوسری خوش آئند ہے، فرید تمہارے لئے رشتہ لا رہا ہے۔''

''اچھا۔'' وہ ہنس دی۔

''تم خوش ہو نا امرت؟''

''امرکلہ میں شادی خوشی نہیں ضرورت کے لئے کر رہی ہوں، وہ تلوار جو میرے سر پہ لٹک رہی ہے اور اس کا خوف مجھ سے زیادہ میری ماں کو ہے، اسی خوف کے خاتمے کے لئے، سوائے گوہر کے میں کسی بھی قابل بندے کو انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''تم گوہر کی قابلیت پہ شک کرتی ہو امرت؟ نہیں امر...... شکوک میں تم پڑی ہو گی، مجھے تو

یقین ہے، اس کی قابلیت کا، مگر ہمارا رشتہ دوستی ہے، اچھی دوستی۔''
''میں نے اسے خوب للکارا ہے، ایک بار تو رشتہ بھیجنے کی ہمت وہ بھی کر ڈالے گا تمہاری طرف۔''
''وہ کیوں بار بار مجھ سے انکار سننا چاہتا ہے۔''
''تمہیں کس چیز کا تکبر ہے۔'' وہ پھٹ پڑی، امرکلہ کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔
''تکبر تو دور دور تک نظر نہیں آتا، الجھن ہے۔''
''تم نے خود ہی پالی ہیں الجھنیں امرکلہ، نکلو۔''
''میرا ہیڈک شادی نہیں ہے۔''
''شادی کسی کا ہیڈک نہیں ہوتی امر...... کاش میں تمہارے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کر پاتی، کاش تمہیں سمجھ آتی میری بات۔''
''تم نے سجدے کے باوجود اپنے اندر بت بنایا ہے جسے توڑنا تم اپنی ہستی کی تذلیل سمجھتی ہو اور سن لو امرکلہ وہ بت تمہاری خود ساختہ انا کا ہے جو جب ٹوٹے گا تو تمہیں تکلیف دے گا، ٹوٹنے سے خود کو بچانا تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا۔''
''میں ٹوٹ کر بکھر چکی ہوں امرت اور اب اپنے ذرات سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہوں، زندگی میں پہلی بار میری بے سکون روح کو قرار کا رستہ نظر آنے لگا ہے، میں زندگی کی گاڑی کا رخ اسی کی طرف نہیں موڑنا چاہتی، مجھے بہت سارا وقت درکار ہے۔''
''تم تھکنے سے پہلے خود کو بیلنس کر لو، جو مشکل ہوتا ہے اور کیا۔''
''میں اسی مشکل نامی حالت سے گزر چکی ہوں، اب اعتدال چاہتی ہوں۔''
''تم سنگدل ہو امرکلہ، کاش تمہارا دل پھر جائے دعائیں کرو، ادھر جان پہ بنی ہے۔''
''علی گوہر کا دل نہیں توڑنا امرکلہ، دل توڑنا گناہ ہے۔''
''ابھی کلمہ پڑھا نہیں کہ تم لوگوں نے مجھے گناہوں سے ڈرانا شروع کر دیا ہے۔'' وہ افسوس سے مسکرائی۔
''امرکلہ!'' اس کے پاس جیسے لفظ ختم ہو گئے تھے۔
''میں تمہارا اسٹور دیکھنے کے لئے آؤں گی۔'' اس نے بات بدلی تھی۔
''ضرور آنا میں انتظار کروں گی۔'' اس نے خالی دل کے ساتھ فون رکھا تھا۔
دل نے کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا، ویسے بھی وہ اس کی باتوں میں کم آتی تھی مگر یہ جب دکھتا تھا دھواں دیتا تھا، جلتا تھا، آگ دیتا تھا۔
بجھ کر راکھ ہو جاتا تو سب بیٹھ جاتا سارا جوش، جنون، اس کے بغیر جینا ناممکن تھا۔
کاش انسان کے کچھ فیصلوں کی ڈور اس کے ہاتھ میں نہ ہو، ہوا سرسراہٹ کی طرح کھلی کھڑکی سے آ گئی، انسان عمر کے ساتھ ساتھ کس قدر بدل جاتا ہے، جس کا وہ اندازہ نہیں کر سکتا۔

☆☆☆

''دنیا میں کم از کم کسی ایک انسان سے ہم یہ توقع ضرور رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں چاہے، وہ ہمیں

سوچے، وہ ہمیں ایک الگ حیثیت دے، ہم اس کے لئے خاص رہیں اور ہمارے علاوہ جھلے کوئی حیثیت کے اس معیار تک نہ جائے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ معیارات بڑھ رہے ہیں، ہمیں بس یہ خدشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کوئی ہماری سیٹ پہ نہ آ کر بیٹھ جائے، ہم چپکے سے ادھر کھسک لیں اور ادھر کوئی اور آ کر وہاں جم جائے۔"

"ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔"

"وہ اور تم اسی خدشے کے تحت غلط فہمیوں کو بڑھاتے جا رہے ہو۔"

"دیکھو جولی مجھے پتہ ہے کہ محبت کرنے والے کی بے وفائی ہمیں مار دیتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں میں یہ غلط فہمی کسی حتمی فیصلے کی صورت اختیار کر لے۔"

"دنیا کا چاہے کتنا روشن ضمیر انسان ہو، جس قدر چاہے گنجائش رکھتا ہو، مگر محبت اور رشتوں کے بارے میں تھوڑا اکنزروییٹو اور حساس ہوتا ہے۔"

"عقلی طور پہ جس قدر سہولت رکھی جائے مگر دل کچھ باتوں کی اجازت بہت کم دیتا ہے جولین۔" برف کی پہاڑی کے پاس رستے کے کنارے پہ چلتے ہوئے اس کے ساتھ، بقول اس کے ہمیشہ کی طرح کچھ مشکل باتیں کر رہا تھا، مگر اس بار وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی، اس نے بس دیکھا اس کے چہرے پر مایوسی برف کی طرح گر رہی تھی، گر کر جم گئی تھی، پگھلنے کا موسم ذرا دور تھا۔

"وہ خود بھی ایسا ہے، میرے علاوہ ہر لڑکی کے بارے میں دلچسپی رکھتا ہے، وہ خود بھی اسی شخصی آزادی کا حق استعمال کرتا ہے، جس کا میں نے کیا تھا۔"

"دیکھو وہ سب باتیں ٹھیک ہیں، مگر ہم برداشت نہیں کر پاتے یہ محبت کی فطرت ہے یا پھر رشتے کی نوعیت کہ ہم اپنا حق چاہتے ہیں، اپنی ریشن کو بچانے کے لئے ایک موقع اور دے دو خود کو اور اسے، وہ خود منتظر ہے، مگر مایوس ہے۔"

"کیا گارنٹی ہے کہ اس کے بعد بھی ہم خوش رہیں گے۔"

"کیا گارنٹی ہے کہ تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر خوش رہو گے، تم دونوں الگ الگ جگہوں پر خانوں میں، الگ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بھی ذہنی طور پہ ایک دوسرے کے ساتھ رہو گے ایک دوسرے کی اچھی باتوں کو سوچتے ہوئے مسکراؤ گے اور زیادتیوں کو یاد کر کے پریشان ہو گے، اس لئے میں چاہتا ہوں ایک آخری موقع دے کر آزما لو۔"

"ہر موقع آخری سمجھ کر دیتے ہیں اور ہر دفعہ ناکام ہو جاتے ہیں۔"

"مجھے لگتا ہے جالی شیشے میں اگر بال آ جائے تو وہ نشان نہیں جاتا، اسی طرح دل ایک بار ٹوٹ جائے تو۔" وہ آگے کہہ نہ سکی تھی۔

"تو دل کا جڑنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر توڑنے والا ہی جوڑے تو جڑ بھی جاتا ہے، کچھ تلخیوں میں سچائیاں چھپی ہوتی ہیں، روٹھنے کے بعد منانا اور غلطی کے بعد معافی مانگنا، صلح ہو جانا، بہت دلکش ثابت ہوتا ہے، دھول چھٹ جاتی ہے اور شیشہ صاف ہو جاتا ہے۔"

"تم بہت خوبصورت باتیں کرتے ہو۔" اس نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی صاف کر لی تھی۔

''اتنی خوبصورت باتیں سن کر تمہاری محبوبہ بہت خوش رہے گی۔'' وہ ہنس پڑا تھا۔

''تمہیں یقین نہیں آئے گا یہ سن کر کہ میری کوئی محبوبہ نہیں ہے۔''

''مگر تم نے کبھی کسی کو چاہا تو ہوگا، اسے یہ تو پتہ تھا کہ اس کی لڑکیوں کے ساتھ کم بنتی ہے، مگر ہر کسی کی کوئی ایک محبوبہ تو ضرور ہوتی ہے۔'' اسے خیال آیا اسے ایک بار تو اس لڑکی کے متعلق پوچھنا چاہیے تھا۔

''ایک بہت مزے کا واقعہ ہے، میں تمہیں سناتا ہوں۔'' وہ کس بار کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔

وہ نہیں پیتا تھا اور جولین نے پینا چھوڑ دیا تھا، مگر اس جگہ آ کر بیٹھتے ہوئے بڑا سکون محسوس ہو رہا تھا، یہ جگہ کی لوکیشن کا اثر تھا۔

''بتاؤ نا حال۔'' اسے انتظار تھا، وہ ہنسا۔

''اتنا بھی دلچسپ نہیں ہے مگر مزے کا ہے۔''

''کچھ کہانیاں مزے کی ہوتی ہیں۔''

''اگر تمہاری کہانی مزے کی نا ہو تب بھی میرے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے، تم سناؤ، کسی بچی کو کہانی نہیں سنا رہے کہ دلچسپی سے بتاؤ، موڈ بناؤ، یہ کہانی تم مجھے بس اس لئے سنا رہے ہو کہ ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

''ہاں...... تم ٹھیک کہتی ہو جولین۔''

''تو پھر زیادہ مت سوچو، ٹائم خراب ہوتا ہے۔'' وہ اس کی بے صبری پہ مسکرا دیا تھا۔

''بہت پہلے کی بات ہے۔ یہ کہانی جہاں سے شروع ہو کر آخر تک جا کر رک جاتی ہے)۔''

''بہت پہلے کی بات ہے، جب میں بہت زیادہ کتابیں پڑھتا تھا، یہ تازہ تازہ چسکا پڑا تھا مجھے۔'' اسے پتہ تھا وہ انکار کرے گی، مگر اس کے باوجود بھی اسے کہیں کوئی خوش فہمی ضرور تھی جسے وہ توڑنا چاہتا تھا۔

اپنے باقی ماندہ خوابوں کو خود اپنے ہاتھوں سے کفنانا دفنانا چاہتا تھا، جن انگاروں پہ وہ چل کر آیا تھا، ان کو اب بجھانے کی کوئی سبیل چاہیے تھی، کوئی حل چاہیے تھا، اس نے اسی لئے اسے پیغام چھوڑا تھا کہ آخری بار انکار کر دو اور اس نے آخری بار انکار کر دیا۔

''لو قصہ ختم ہو گیا۔''

اس کی ماں مایوس ہو کر لوٹی تھی، باپ خاموش تھا، وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

''وہ وہ دن تھا جب علی گوہر ختم ہو گیا تھا، اس کے بعد بچتا تو نیا پیدا ہوتا اور نیا پیدا ہونا آسان نہیں تھا، موت اور پیدائش، اتنی تکلیف دہ صورتحال ہوتی ہے جس میں انسان تکلیف کا اظہار کرنے کے لئے چیخ نہیں سکتا، اپنی تکلیف کا بتا نہیں سکتا، یہ دنیا کی وہ تکلیفیں ہیں دنیا میں آنا بھی مشکل امر تھا، جانا بھی اور ایک دکھ انسان کی زندگی میں ایسا آتا ہے جب وہ ڈھے جاتا ہے، اس تکلیف کو موت سے تشبیہ دی جاتی ہے، وہ تکلیف موت جتنی نہ سہی اس کے نصف حصے کا درد ضرور لاتی ہے، توڑ دیتی ہے، اسے بھی توڑ دیا، علی گوہر کو بھی، لگا کہ جڑ نہ پائے گا، لگا کہ جڑ گیا تو جگہ جگہ سے لکیریں پڑی ہوں، تکلیف دہ شگاف پڑے ہوں گے۔''

عمارت بھر بھری سی ہو کر رہ جائے گی، اس کے دل کی وہ حالت تھی، جو لرزہ دیتی ہے، کہتے ہیں مجاز جب اختتام کو پہنچتا ہے تو حقیقی پردہ کھلنے لگتا ہے، دکھ انسان کی آنکھوں سے جھوٹ، فریب، سراب اور خواہش کی پٹی اتار پھینکتا ہے، انسان تڑپتا ہے اور دکھ اس کا مذاق اڑاتا ہے، اسے للکارتا ہے، جب انسان شکست قبول کرتا ہے تو دکھ قہقہہ لگاتا ہے، مگر جب انسان صبر کرتا ہے تو دکھ ہار جاتا ہے، اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتا ہے، اس سے معذرت کرتا ہے، اس کی ہمت کی داد دیتا ہے، اس کے حوصلے کو دائیں ہاتھ سے سلام کرتا ہے اور اس کا دوست بن کر اس کے زخموں پر مرہم رکھنے لگتا ہے، یہ سب کچھ دکھ سے صبر کراتا ہے، صبر اسے ہراتا ہے۔" اسی لئے اس کی ماں نے علی گوہر کی ماں نے علی گوہر کو سینے پر دل کی جگہ ہاتھ رکھا تھا اور اس پر کچھ پڑھ کر پھونک دیا، اسے اپنے ساتھ لگایا، پھر گھٹنے پر سلا دیا، پھر بال سہلائے، پھر بچپن کی کہانی سنائی۔

"گوہر جب تو بچہ ہوتا تھا، گوہر جب تو چھوٹا تھا، گوہر تو جب پیدا ہوا اور جب تو پیدا نہیں ہوا تھا تب سے میں نے لاشعوری طور پہ تمہارا انتظار کیا تھا، جب تو پیدا ہوا، گھر میں چاند کھلا، جب چلنے لگا، لگا زندگی چلنے لگی ہے اور جب دوڑنے لگا، بھاگنے لگا، کھلکھلاتا، تو جب مسکراتا تھا، جب فیل ہوا، ماں روئی، جب پاس ہوا ماں نے مٹھائی بانٹی، جب جوان ہوا، جب بھٹکنے لگا، ماں کی روح بے قرار ہو گئی، جب تو مایوس ہوتا ہے، ماں کا زندگی سے دل اٹھ جاتا ہے، جب تو روتا ہے دل گڑ جاتا ہے اندر ہی اندر تڑپنے لگتا ہے، جب تک ماں زندہ ہے تجھے گرم ہوا نہ لگے، جب ماں نہ ہو تو ماں کی دعا ساتھ رہے تمہارے خیال رکھے، تمہیں چومے، گود میں لٹائے بال سہلائے پیار کرے۔" اسے لوری سنتے سنتے نیند آ گئی تھی کہ دل بے چین کو چین آ گیا۔

"مگر قرار آتے آتے آتا ہے، ہاں اگر ماں نہ ہوتی تو نہیں آنا تھا۔" اس نے دیکھا عورت ماں کے روپ میں سب سے عظیم ہستی بن جاتی ہے، جو کبھی دکھ نہیں دیتی۔

اور اسے اللہ کی کبھی سمجھ نہ آئی جو اپنی محبت کی مثال ایک ماں کے پیار کو اٹھا کر دیتا ہے، اسے ماں کی بھی سمجھ نہ آئی، اسے عورت کی کبھی سمجھ نہ آئی، اسے محبت کی ہی سمجھ نہیں آئی، ورنہ اس طرح رونے بیٹھ جاتا کیا۔

☆☆☆

"تو شروع ہوا ایک مزے کا قصہ، تو یہ تب کی بات ہے جب مجھ کتابیں پڑھنے کی عادت پڑی تھی، نئی نئی کہانیاں دل چراتی تھیں، میرا باپ ماضی کا ایک کامیاب فنکار، مصور، رائٹر رہ چکا تھا، بلکہ انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا تھا، تب انہی کے انداز میں لکھنے والی ایک نئی رائٹر ابھری تھی وہ ویسا ہی باغیانہ لکھتی تھی۔"

"تمہیں پتہ ہے جولین، ہمارے ملک کے اندرون علاقوں کے کسی لڑکی کا باغیانہ لکھنا بہت بڑی حیثیت رکھتا تھا۔" اس نے تہلکہ مچا دیا تھا، اس کی کہانیاں پسند تھیں۔

"اور میں نے اسے ایک بار خط لکھا۔"

"پھر اس کا جواب آیا ہوگا؟"

"بہت بعد میں جواب آیا تھا اس کا مگر پھر ایک سلسلہ بندھ گیا ہوگا۔" وہ مسکرائی۔

"اور پھر تمہیں یا پھر تم دونوں کو ہی ایک دوسرے سے محبت ہو گئی ہو گی، پھر تم لوگ ملنے لگے، پھر باتیں ہوئی ہوں گی۔"
"وہاں یہ سب اتنا آسان نہیں تھا جتنا یہاں ہوتا ہے، یہاں ملا جاتا ہے اور وہاں چھپ چھپا کر ملا جاتا ہے۔" وہ اس کی بات پہ ہنس پڑی۔
"بات تو ایک ہی ہے نا، بولو پھر کیا ہوا؟"
"اس تک کہانی بالکل اسی طرح ہے جس طرح تم بتا رہی ہو، مگر مزے کی تب بنی جب اس سے آگے یوں نہ رہی بدل گئی۔"
"کیا ہوا؟ اس کا کوئی منگیتر نکل آیا ہو گا، یا پھر اس کی شادی ہو گئی ہو گی؟"
"نہیں جولین، شادی نہیں ہوئی، دونوں میں سے کسی کی نہیں، اب تک نہیں ہوئی۔"
"دونوں؟ تم اور وہ؟"
"نہیں وہ اور وہ؟"
"مطلب؟"
"مطلب یہ کہ، وہ ایک نہیں تھی۔"
"تم کیا کہہ رہے ہو، وہ ایک نہیں تھی؟"
"کیا وہ دو تھیں؟"
"ہاں وہ دو تھیں۔"
"مجھے نہیں سمجھ آئی۔" وہ اس کے ساتھ اٹھ کر چلتے ہوئے رکی تھی، جھنجلاہٹ سے رکی۔
"دیکھو...... ایک تھی وہ جو لکھتی تھی، اس کا نام امرت تھا اور ایک وہ تھی جس کے نام سے وہ لکھتی تھی، جس کا نام امرکلہ تھا، مجھے ٹھیک طرح سے بتاؤ، الجھاؤ نہیں۔"
"دیکھو، اب چلو آسان طریقے سے بتاتا ہوں، امرت اور امرکلہ دونوں بہت اچھی فرینڈز تھی، ساتھ پڑھتی تھیں، بہت پیار تھا دونوں میں۔"
"دیکھو مجھے دو جڑواں بہنوں والی کہانی ذرا پسند نہیں ہے۔" اس نے منہ بنایا تھا۔
"اوہ...... اچھا اب سنو...... امرت لکھتی تھی، جس کی کہانیاں میں پڑھتا تھا، جسے میں خط لکھتا تھا، جس سے مجھے انسیت ہو گئی، میں اس سے متاثر تھا۔"
"اور پھر تمہیں اس سے پیار ہو گیا؟"
"ہاں بالکل یہی ہوا۔"
"پھر گڑبڑ کہاں تھی؟" وہ ابھی تک نہیں سمجھ پائی تھی۔
"دیکھو وہ امرکلہ، اپنی دوست امرکلہ کے نام سے لکھتی تھی اور میں نے کالج جا کر جب امرکلہ کے لئے معلومات لیں اور اسے دیکھا، میں سمجھتا رہا یہی وہ لڑکی ہے جو اتنی خوبصورت باتیں کرتی ہے، پھر میں اس سے ملا بھی، مگر وہ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتی تھی مجھ میں، لاسٹ ٹائم اسے کوئی غلط فہمی ہوئی تھی، شاید یہی کہ میں خدا جانے اسے چاہتا ہوں یا امرت کو اور میں سمجھ رہا تھا امرکلہ نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے مجھے چھوڑ کر، جبکہ خط میں وہ اتنی بڑی بڑی باتوں کے جواب دے جاتی تھی، میں

اس سے پہلی بار ملنے گیا اور آخری بار بھی میں نے وہی کوٹ پہنا ہوا تھا، اس نے اس کی بیک پر ایک پٹی لگا دی، اسے سیئا اور کہا یہ میری نشانی ہے، مگر پھر اس کے بعد بہت برا ہوا، میں اسکالرشپ پہ چلا آیا، سنا کہ اسے ٹیومر تھا واپس آ کر پتہ لگا وہ غائب ہو گئی تھی بہلا سٹ ٹائم جب مجھے ملی تو میں نے اس پر پروپوز کیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا اور بتایا کہ خطوط تو امرت لکھتی تھی۔"

"تم پھر کسے پسند کرنے لگے تھے، امرت یا امرکلہ؟"

"دیکھو جولین، مجھے ذاتی طور پہ امرت نے متاثر کیا تھا، ظاہری طور پر امرکلہ سامنے آ گئی، مگر میرا خیال تھا کہ میں امرت سے زیادہ متاثر ہوں۔"

"تو اب تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں، میرے دل میں اب کچھ نہیں ہے۔"

"تم امرت کو پروپوز کر کے تو دیکھتے۔"

"بڑا مشکل تھا، وہ مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں کرتی ہے اب۔"

"بہت مشکل ہے تمہاری کہانی اور تم کہہ رہے تھے مزے کی۔"

"میں نے سمجھا تھا تمہیں سن کر مزا آئے گا۔"

"تم ایک بار جا کر اسے ملو اور کہو۔"

"نہیں جولی، بہت مشکل ہے کیونکہ فرید اس کے لئے رشتہ بھیج چکا ہے، اس نے مجھے پیغام دیا ہے کہ شادی کی تیاریاں ہیں میں شادی اٹینڈ کرنے پہنچوں، وہ میرا دوست ہے۔"

"اگر دوست ہے تو اسے ہونے کرے شادی۔"

"نہیں جولی کہنا آسان ہے مگر...... دیکھو میرے دل میں شادی کی فی الحال کوئی خواہش بھی نہیں ہے اور فی الحال میں نے جا کر ابا جی کو منانا ہے، اس کے بعد وہ ہاتھ پکڑ کر جہاں کہیں گے وہاں بیٹھ نکاح پڑھوا آؤں گا، شادی صرف ایک کانٹریکٹ ہے، اگر محبت سے ہو تو یہ صرف کانٹریکٹ نہیں ہوتی، رشتہ بنتی ہے، پیار بنتی ہے، اگر صرف کانٹریکٹ ہو تو سالوں گزر جاتے ہیں رشتہ ڈویلپ نہیں ہو پاتا، رشتہ ہو بھی تو پیار پروان نہیں چڑھتا، تم لوگوں کے درمیان پیار ہے اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ناقدری مت کرو، بہت سارے لوگ اس دنیا میں پیار کے بغیر زندگی گزار دیتے ہیں اور مجھے وہ لوگ قابل ترس نظر آتے ہیں۔" جولین نے اس کی خالی آنکھوں کی کیفیت دیکھتی تھی۔

"تم پاکستان جاؤ، میرا دل کہتا ہے تمہارے ساتھ کچھ اچھا ہو گا، دیکھو ہو سکتا ہے کہ تم جس سے بھی شادی کرو، آگے جا کر بہت جلد تمہیں اس سے پیار ہو جائے۔"

"تم مجھے بچوں کی طرح مت بہلاؤ۔" وہ ہنسا تھا۔

"مجھے سہ فہرست ابا کی پرواہ ہے جولی، دو دن بعد میری فلائٹ ہے، میری دلی خواہش ہے کہ تم اور جو جی مجھے ایک ساتھ ائیر پورٹ تک چھوڑنے جاؤ۔" وہ اس کی بات پر مسکرا دی۔

"مجھے بس کچھ تیاری کرنی ہے۔"

"میری مدد کی ضرورت ہے؟"

''ہاں میں نے دوستوں کے لئے کچھ تحفے لینے ہیں تم ضرور مدد کرنا، ابھی تو تھک گیا ہوں کل ملتے ہیں شام میں چلیں گے خریداری کرنے۔''

''میں ضرور تمہاری مدد کروں گی، میری چوائس اچھی ہے۔''

''مجھے پتہ ہے۔''

''کس نے بتایا؟''

''جوجی نے۔''

''یہ ایک جھوٹ ہے۔'' وہ کہتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔

''تم بھی بچوں کی طرح بہلاتے ہو۔''

☆☆☆

اس نے یہ دوسری بار سرخ کوٹ خریدا تھا۔

''تمہیں یہ رنگ پسند ہے؟'' جولین نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

''یہ تمہاری یادوں میں ہے اس لئے۔'' وہ اگلے پل سمجھ سے کام لینے لگی تھی، وہ مزید چیزیں لینے میں اس کی مدد کر رہی تھی۔

''یہ نیوی بلیو کلر کا سوٹ امر کلہ کے لئے، کیونکہ وہ بہت ڈارک کلرز پہنتی ہے اور یہ سفید اور چوکلیٹ کریم امرت کے لئے۔''

''نہیں انہیں بدل دو، یہ والا امرت کو دینا یہ والا اسے۔'' امر کلہ کا نام اسے قدرے مشکل لگ رہا تھا۔

اس کے علاوہ اس نے امرت کے لئے چھوٹا سا ٹائم پیس اٹھایا تھا، اسے وقت کی بڑی قدر ہوتی ہے اور ایک کیلکولیٹر بھی رکھ لیا۔

''اسے حساب کتاب میں دلچسپی ہے۔''

''اور کیا لوگے؟'' وہ چیزوں کو بڑے اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔

''دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے اشتیاق دیکھ کر کہا۔

''نواز اور اس کی بیگم کے لئے تحفے...... آخر کیا دینا چاہیے کسی کو اس کی شادی کا تحفہ۔''

''تمہارے ہاں کیا دیتے ہیں؟''

''پتہ نہیں مجھے تجربہ نہیں ہے۔''

''ایسا کرو کپڑے لے لو، یا پھر یہ گرم جرسی۔'' اس نے ایک جیکٹ اور شال لے لی۔

''یہ کوٹ میں علی گوہر کو دوں گا، اس پہ جچتا ہے یہ رنگ۔''

''اس رنگ کا کوٹ......'' پھر ابے کی باری تھی۔

''ایک گرم شال، ایک پاکٹ ریڈیو، ایک سوٹ، ایک کتاب، دو قلم، ایک ڈائری، ایک کالے رنگ کی گھڑی، یہ سب بہت ہیں۔'' جولی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا تھا۔

''اچھا...... ابھی ایک رہتا ہے، ایک اچھا سا سیل فون۔''

''وہ تم انہیں وہیں سے لے دینا، یا پھر اپنا ... والا لیپ ٹاپ دے دینا۔''

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"اچھا اور کیا رہتا ہے؟" امرت کے لئے بھی اس نے گھڑی لے لی اور عمارہ کے لئے بریسلٹ، فرید کے لئے وائیلین، اسی وقت جوجی شاپ کے اندر داخل ہوا تھا، اس نے ایک ویسا ہی بریسلٹ خرید کر جوجی کو دیا اور اشارہ کیا تھا۔

جوزف اور جولین کی نظریں آپس میں ملی تھیں اور چرالی گئیں۔

حالار اپنا سامان کاؤنٹر سے پیک کرا کے باہر لے گیا، اس نے ان دونوں کو اکیلا چھوڑ دیا کچھ دیر کے لئے، کچھ دیر بعد کیفے میں وہ تین لوگ ایک میز کے گرد بیٹھے تھے، جولین کا انداز خفا خفا اور شکایتی تھا۔

جوزف کا ٹھنڈا، وہ ہر ایک بات میں کوئی لطیفہ کسی کہاوت کو کشید کر اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا، واپس پر آئس کریم کھانے کے بعد حالار ان دونوں کو ایک ساتھ لے آیا تھا فلیٹ پر۔

رات تک جولین کا موڈ کافی بہتر تھا، ان تینوں نے مل کر ڈنر تیار کیا تھا، ڈنر کیا، کافی پی تھی۔

"تم لوگ ایک دوسرے کو وقت دو، میں ذرا برف میں کچھ وقت گزار آؤں۔" صبح اس کی فلائٹ تھی اور اسے ہلکا ہلکا بخار تھا، جوجی نے اس بہت ڈانٹا تھا، جولین نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنی شادی پر ان دونوں کو ضرور بلائے گا، وہ بوجھل اور پر امید دل کے ساتھ پہلی پرواز پر روانہ ہوا تھا، یہ جانے بغیر کہ اس کے پیچھے اس کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ ہونے جا رہا تھا۔

☆☆☆

شاپ پر آج اسے ایک مزے کا تجربہ ہوا تھا۔

حنان کی بیوی اسے گالیاں دیتی ہوئی شاپ میں گھسی تھی، پیچھے پیچھے حنان بھی تھا بکتا جھکتا برا بھلا کہتا، وہ پچھلے دو دن سے یہاں آ رہی تھی، کل بھی بیٹھ کر اپنے شوہر کو بڑا برا بھلا کہا، اس کی بزدلی کے کئی قصے سنائے تھے۔

آج حنان کے ساتھ ثوبیہ کو دیکھ کر قدرے مطمئن ہوئی تھی، جس کا جیسا جوڑ ہوتا ہے اسے ویسا ملتا ہے، البتہ حنان ضرور گھبرا گیا تھا اس غیر متوقع صورتحال سے، امرت کی مسکراہٹ پھسل گئی۔

ثوبیہ بے خبری میں بکتی جھکتی چند چیزیں خرید کر شاپ سے نکل گئی، تب حنان کی شکل دیکھنے والی تھی، اس نے پیچھے مڑ کر گلاس وال سے دیکھا تھا، امرت کی توجہ اسی طرف ہی تھی، وہ شرمندہ سا ہو گیا تھا، آگے بیوی پیچھے شوہر، امرت کی ہنسی نکل گئی۔

وہ خوش گوار تاثر لے کر شاپ بند کر کے گھر آئی تھی، تو ایک نیا معمہ سر ہونے جا رہا تھا، فرید نے سکھی اور فاطمہ کو بھیجا تھا، امرت کے رشتے کے لئے مگر یہ سن کر اسے حیرت نے آ لیا کہ رشتہ اس نے اپنے لئے نہیں حالار کے لئے بھیجا تھا۔

یہ تو اسے پتہ تھا کہ حالی واپس آ رہا ہے مگر اس نے کوئی ایسی پیشگی بات کی تو نہیں تھی نہ کوئی ایسا تاثر تھا، وہ لوگ گئے نہیں تھے، رات رک گئے تھے اور مزے کی بات کہ ٹھہرے بھی امرت کے کمرے میں تھے، وہ باہر آ بیٹھی تھی۔

"امرت اب کی بار انکار نہیں سنوں گی، لڑکا مناسب ہے، ٹھیک ہے۔" اس کے عجیب بے رنگ سے احساسات تھے کوئی احساس ہی نیا نہ تھا۔

کیسی ہوتی ہے یہ زندگی، سمجھ سے باہر، سوچ سے آگے، بہت آگے، نئے رنگ دکھاتی، اس نے صبح صرف اتنا کہہ تھا کہ رشتہ تو منظور ہے مگر نکاح تب ہوگا تب حالار اپنی فیملی اپنے باپ کو لائے گا۔

یہ شرط صنوبر کو مناسب لگی تھی یہ جانے بغیر کہ اس کی فیملی کیا ہے کون ہے؟

اس سے اگلے دن ائیر پورٹ پر فرید اور نواز جب حالی کو لینے گئے تو اسے منگنی کی مبارک باد دی اور حیران سے حالار کو سیدھا امرت کے گھر لے گئے، وہ گھر پہ نہیں تھی۔

وقار صاحب نے اسے انگوٹھی منگنی کی، مٹھائی کھلائی چائے وغیرہ پلا کر رخصت کیا۔

فرید اسے امرت کی شاپ پہ لے آیا تھا، وہ بہت کنفیوژڈ تھا، سب کچھ توقع کے برعکس ہوا تھا، عجیب لگ رہا تھا، امرت کسٹمرز کے ساتھ مصروف تھی، ان دونوں کو دیکھ کر اس طرف متوجہ ہوئی تھی، فرید نے سلام میں پہل کی تھی، اس نے جواب دیا، اس کے بعد فرید کسی بہانے سے کھسک گیا، حالار سہما سا بیٹھا رہ گیا تھا۔

"یہ شاپ تم نے بنائی ہے؟" بات کرنے کے لئے کچھ چاہیے تھا۔

"ہاں۔" خود وہ نا سمجھی سے بیٹھی تھی۔

"اچھی ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ۔" اس نے محسوس کیا تھا وہ نظریں چرا کر بات کر رہا تھا، حالانکہ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ۔

"تم خوش ہو؟ یہ سب کیسے ہوا، اب تم نے اتنی جلدی ہامی کیسے بھر لی وغیرہ۔" اور بہت سی باتیں، مگر اسے سوچنے کے لئے وقت کہاں ملا تھا، تھکن سے دماغ شل تھا اور حیرت سے بھی۔

"آج لوٹے ہو؟"

"ہاں، آج دوپہر کو، کراچی سے نکلا تو فرید یہاں لے آیا۔" وہ بتاتے ہوئے سبکی محسوس کر رہا تھا کہ یہ رشتہ اسے بتائے بغیر بھیجا گیا ہے۔

"تھکے ہوئے ہو؟"

"ہاں...... بہت۔"

"تو جاؤ۔"

"ہیں؟"

"ہاں جا کر سو جاؤ، آرام کرو۔" وہ اس کی ذہنی حالت اس کے انداز سے دیکھ رہی تھی۔

"ہم...... ہاں...... واقعی...... یہ فرید کہاں ہے؟" اس نے سیل پر اس کا نمبر ملایا تھا، اسے آنے کے لئے کہا، وہ نزدیک ہی کہیں تھا، پہنچ گیا۔

"منگیتر کو کچھ کھلاؤ گی پلاؤ گی نہیں۔" فرید نے دونوں کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ توقع تم ...... ہو کہ حالار ...... رہیں ......"

''کوئی توقع نہیں رکھتی، گھر جانے کا سوچ رہی ہوں، دیر ہو گئی ہے، امی ڈنر پر انتظار کر رہی ہونگی۔''

''ہاں چلو گاؤں کافی دور ہے فرید، نکلتے نکلتے وقت لگ جائے گا۔'' امرت نے ان دونوں کو کچھ کھانے پینے کی چیزیں پکڑا دی تھیں، وہ نکل پڑے اسے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر، ماں نے دیکھا تھا۔

''ھالار کے ساتھ آئی ہو؟''

''فرید بھی تھا ساتھ میں۔'' وہ آ کر بیٹھ گئی۔

''پہلے کچھ سو لوں پھر کھانا کھاؤں گی۔''

وہ اس سے پوچھنا چاہ رہی تھیں، ھالار کے بارے میں، مگر امرت کا خشک سا رویہ انہیں اور افسردہ کر گیا تھا، وہ سونے کے لئے کمرے میں چلی گئی تھی، سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آ رہا تھا، ادھر ھالار کی بھی یہی حالت تھی۔

''تم خوش نہیں ہو ھالی؟'' فرید حیران تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آیا وہ مان کیسے گئی؟''

''تمہارے نصیب میں تھی اس لئے۔''

''نہیں مجھے لگا اس نے عجلت میں یہ فیصلہ کیا ہے، تھک گئی ہے وہ۔''

''مجھے افسوس ہے، میں اسے کچھ نہیں دے پاؤں گا۔''

''اتنا دور کا مت سوچو تھکے ہوئے ہو، فی الحال یہ سوچ کر خوش ہو جاؤ کہ وہ مان گئی ہے۔''

''ابا کو معلوم ہے؟''

''ہاں بتایا تھا۔''

''انہوں نے کیا کہا؟''

''خود چل کر پوچھ لینا۔''

''وہ خوش نہیں تھے؟''

''پتہ نہیں، ان کو یقین نہیں تھا کہ وہ مانے گی مگر جب شرط بتائی تو حیران رہ گئے۔''

''کیا شرط تھی؟''

''نکاح تب تک نہیں ہوگا، جب تک ابے کے ساتھ تم نہیں جاؤ گے۔''

''یہ تو مناسب شرط ہے واقعی۔''

''مگر یہ بتاؤ تم خوش ہو؟''

''میں؟ خوش ہوں، سوچنا پڑے گا۔'' فرید کا دل چاہا اس بات پر سر پیٹ لے۔

(آخری حصہ اگلے ماہ)

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" ابراہیم صاحب کی بات سن کر میں ہڑبڑا ہی تو گئی، مجھے لگا جیسے ابراہیم صاحب نے میرا مذاق اڑایا ہے، میں نے ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر رکھا اور غور سے ان کی طرف دیکھا مگر ان کے چہرے پر مجھے وہی مسکراہٹ نظر آئی جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

"آپ مذاق کر رہے ہیں نا۔" میں نے جیسے ان سے تصدیق چاہی، انہوں نے تسلی سے چائے کی چسکی لی اور ذرا کھل کر مسکرائے۔

"ارے بھئی مذاق کیسا؟ ماشاء اللہ اپنے جواد میاں برسرروزگار ہو گئے ہیں تو اب دیر کس بات کی، بسم اللہ کیجئے۔" انہوں نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا۔

"مجھے تو مانو آگ ہی لگ گئی، حد کرتے ہیں آپ بھی۔" میں نے چائے کے کپ اٹھا کر ٹرے میں پٹخے۔

"میں آپ کو اپنے دکھڑے سنا رہی ہوں اور آپ لے آئے درمیان میں جواد میاں کو، میں پوچھتی ہوں یہ جواد میاں کی شادی درمیان میں کہاں سے آ گئی۔" میں نے ٹرے اٹھائی اور غصے سے کچن کا رخ کیا۔

"ارے سنو تو۔" انہوں نے جو میرا موڈ خراب دیکھا تو بے اختیار پکارے مگر میں اب کہاں رکنے والی تھی۔

"ارے بیگم سنو تو، وہ میں کہہ رہا تھا۔" مگر میں دھاڑ سے دروازہ بند کر کے جا چکی تھی۔

"ہوں۔" میں نے کچن میں پہنچ کر ٹرے سنک میں پٹخی۔

"میں تو ہوں ہی فالتو، بے کار۔" میں نے نل کھول دیا، ساتھ ہی میری آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔

"مجال ہے جو سنجیدگی سے میری بات سن لیں۔" میں نے زور سے کپ پر ہاتھ مارا تو وہ ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔

"اُف۔"

"ارے آپ کچن میں کیا جھانک رہے ہیں، میں ادھر ہوں لان میں، آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ آخر کیا ایسا معاملہ ہے جو میں اس طرح جھنجھلا گئی ہوں، اب آپ سے کیا پردہ داری، جب آپ گھر میں گھس ہی آئے ہیں تو بجائے ادھر ادھر تاک جھانک کے میرے دکھڑے ہی سن لیں، لوگ کہتے ہیں کہ میں بہت خوش نصیب ہوں، جو چاہا پایا، ماں باپ کی اکلوتی، لاڈلی جہاں پاؤں رکھا وہاں انہوں نے ہاتھ بچھایا، پڑھایا، لکھایا، پھر شادی کی تو ایسی چھان پھٹک کر کہ نہ ساس کا جھنجھٹ نہ سسر کا بکھیڑا، آہ کاش ساس کا جھنجھٹ بھی ہوتا اور سسر کا بکھیڑا بھی، پھر دیکھتے میں کیسے سب سنبھالتی مگر ہائے ری قسمت، میاں ملے تو اکلوتے ماں باپ کا بچپن میں جو انتقال ہوا تو ماموں نے پرورش کی یہ اور بات کہ زیادہ تر ہاسٹلوں میں رہے، تعلیم سے فارغ ہوئے تو ہاتھ پاؤں مارے اور جلد ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے۔"

"ماشاء اللہ! اللہ نظر بد سے بچائے، بہت محنتی ہیں۔"

پھر جیسے ہی گھر بار بنایا تو ماموں نے سر پر زبردستی کا دھرا فرض ادا کیا، جی ہاں شادی کی، اور اللہ اللہ خیر صلا، جب ابراہیم صاحب کا رشتہ کیا آیا اماں باوا دونوں تو سجدے میں جا گرے کہ بیٹی کو کیسا اچھا سسرال ملا ہے کہ نہ روک نہ ٹوک، اپنی بادشاہی، میاں کام پہ جائے تو چاہے سوئے چاہے جاگے، حق ہاہ۔

اے کاش میرا بھی بھرا پرا سسرال ہوتا، اب اماں باوا کو کیا خبر کہ میاں تو کام پر چلے جاتے اور

میں کیسے باؤلوں کی طرح پورے گھر میں ماری ماری پھرتی۔

لاکھ خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کرتی، مگر آخر کب تک کوئی گھر کے کاموں میں لگ سکتا ہے، کب تک صفائی کروں کتنا کھانا پکاؤں، ارے بھئی آخر انسان ہوں پھر وہی، جی ہاں ابراہیم صاحب۔

ابراہیم صاحب کی تو کیا کہوں، اب میرا انتظار کر کی عملی تفسیر بنے رہتے تھے، جی ہاں صبح جو آٹھ بجے نکلتے تو شام کے پانچ چھ بجے کی خبر لاتے، ایسے میں وقت کاٹے نہ کٹتا، سوچتی کتنی خوش نصیب ہوتی ہیں وہ لڑکیاں جن کو بہت سارے رشتے ملتے ہیں نسیمہ خالہ کی رقیہ پر میں رشک کرتی جو بھرے پرے سسرال میں بیاہی گئی تھی اس کی تین نندیں تھیں اور تینوں ماشاء اللہ بیاہی ہوئی تھیں، اس کے گھر میں دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی کی ڈولی بھی ہوتی، کبھی بڑی آپا تشریف لاتیں تو کبھی بھلی آپا، اب یہ اور بات کہ رقیہ اکثر ان کے آنے پر سر سے پٹی لپیٹ کر پڑ جاتی اور اللہ بھلا کرے رقیہ کا، کہ نندوں کی موجودگی میں ایسا درد اس کے سر میں اٹھتا کہ کسی دوا سے نہ جاتا اور ادھر اس کی نندیں اپنے گھروں کو واپس جاتیں، رقیہ بھی دو ڈھائی پہر میں بھلی چنگی ہو جاتی۔

اور ادھر ایک میں تھی، ابراہیم صاحب کے جاتے ہی ان کا انتظار شروع ہو جاتا، اماں باوا میرے لاکھ بلانے پر نہ آتے، کہ نہ بیٹی لوگ کیا کہیں گے، اور اگر کبھی بھولے سے آ گئے تو نہ کھانا نہ پانی، اجی میں تو تنگ آئی ایسے رواجوں سے کہ بیٹی کے گھر کا پانی بھی حرام کر دیں۔

ہاں تو میں کہہ رہی تھی، کہ جب کبھی اماں سے اپنے اکیلے پن کا شکوہ کیا تو وہ الٹا ناراض ہی ہوتیں۔

"ارری ایسا بھی کیا ناشکرا پن" وہ خوب سناتیں۔

"بھاگوں والیاں ہوتی ہیں جن کو ایسا بر ملتا ہے ارے نہ کوئی آگے نہ پیچھے، راج کر رہی ہو راج، پوچھو جا کر رقیہ سے، کیسے نندیں ہر وقت چھاتی پر مونگ دلنے کو موجود ہوتی ہیں، کیسے بچی سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے اور ایک تم ہو ہر وقت ایک ہی الاپ، تنہائی، اکیلا پن، ارے بی بی دل لگاؤ گھر میں، ابھی دو ہو، خیر سے اللہ وہ دن بھی لائے جو دو سے تین، پھر تین سے چار ہو جاؤ گے تو اکیلا پن خود بخود دور ہو جائے گا۔"

اماں کا لیکچر جو شروع ہوتا تو بس پھر ختم ہونے میں نہیں آتا تھا اور پھر اماں کی دعائیں رنگ لے ہی آئیں پہلے ریحان میاں آئے اور پھر ان کی انگلی تھامے تھامے کاشان اور پھر جواد میاں بھی چلے آئے، اب جو ہر طرف رنگ بکھرے تو واقعی اماں کی دانشمندی کی داد دینی پڑی کہ ایسی زندگی مصروف ہوئی کہ بس اتنا بھی وقت نہیں ہوتا تھا کہ اپنے آپ پر ہی توجہ دے لوں، وقت ایسی تیزی سے گزرا کہ پتا ہی نہیں چلا کہ کب ریحان میاں ایم بی اے کر کے فارغ ہوئے اور کب کاشان میاں ڈاکٹر بنے۔

بیٹوں کی ماں ہونا ہمارے معاشرے میں قابل فخر سمجھا جاتا ہے مگر سچ پوچھیے تو میں اسی بات کی منتظر رہی کہ شاید کوئی ننھی پری بھی ہماری مہمان بنتی مگر پھر بھی میں نے سوچا یہی تھا کہ چلو بیٹی نہیں ہوئی تو کیا ہوا، آخر تین گھبرو جوان بیٹوں کی ماں ہوں بہوؤں کو بھی بیٹیوں کی طرح رکھوں گی، سارا گھر اپنی بہوؤں کے حوالے کر کے خو اللہ اللہ کروں گی، مگر ہائے ری قسمت، میں جو ریحان کے کاروبار کے سیٹ ہوتے ہی ان کے

رشتے کی فکر میں مبتلا ہوئی تو ریحان میاں نے یہ کہہ کر میری تمام فکر ختم کر دی کہ امی وہ دراصل میں فائزہ کو پسند کرتا ہوں، تو آپ وہاں رشتہ لے جائیں اور میں جوان کی بات سن کر پہلے تو ہکا بکا رہ گئی تھی، کہ بھئی رشتے دیکھنے نکلوں گی، چاند سی بہو ڈھونڈ کر لاؤں گی، یہ کیا، اور منے میاں خود ہی اپنی یونیورسٹی کی ساتھی کے ساتھ عہدو پیمان بھی کر بیٹھے ہیں، حق ہاہ۔

میں نے اپنی آرزوؤں کا گلہ چپ چاپ گھونٹا اور ایک شام ابراہیم صاحب کے ساتھ جا کر منگنی کی انگوٹھی فائزہ کی انگلی میں ڈال آئی، مبادا ریحان بالا ہی بالا یہ کام بھی نہ کر ڈالے۔

وہ ماہ بعد ہی فائزہ دلہن بن کر میرے گھر کے آنگن میں اتر آئی، میں نے روایتی ساس نہ بننے کا فیصلہ کر لیا تھا اور شادی کے دن جب فائزہ ہمارے گھر میں آئی تو میں نے اسی دن پورے گھر کی چابیاں اسے تحفے میں تھما دیں جسے اس نے شکریے کے ساتھ وصول کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

''ارے۔'' میرے منہ سے نکلا۔

میں نے کیسی بھاری ذمہ داری اسے تھمائی اور اس نے ایک طرف چابیاں اٹھا کر ڈال دیں، میں نے حیرت سے ریحان کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

شادی سے اگلے دن میں صبح ہی کچن میں پہنچ گئی، میں فائزہ کے لئے ناشتے میں خاص اہتمام کرنا چاہتی تھی، میں نے جلدی جلدی طرح طرح کے لوازمات تیار کیے، قیمہ فرائی، پراٹھے، حلوہ، آملیٹ، فرنچ ٹوسٹ، فرائی انڈے، پوریاں، چنے، آلو کی بھجیا، دودھ سویوں کے ساتھ ساتھ ملک شیک، اورنج جوس، بنا کر میں نے ٹیبل پر سجا دیا، ابراہیم صاحب چپکے چپکے مسکرائے جا رہے تھے، میں نے انہیں کچھ بھی چکھنے نہیں دیا تھا، میں فائزہ کو بتانا چاہتی تھی کہ اس کی میرے نزدیک کتنی اہمیت ہے، میں نے کاشان اور جواد کو بھی یہی کہا کہ بھائی بھابھی کے آنے پر ناشتہ شروع کریں گے، اب حال یہ کہ ہم چاروں ٹیبل پر ایسے بیٹھے تھے جیسے سیلاب زدگان امداد کے انتظار میں آس بھری نظروں سے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھتے ہیں کاشان میاں ذرا بھوک کے کچے تھے مگر آج تو میں اپنی بیٹی کا انتظار کر رہی تھی جواد میاں بھی گھڑی گھڑی کبھی گھڑی کی طرف دیکھتے اور کبھی ناشتے پر سجے لوازمات کو جواب پڑے پڑے اپنی تازگی کھو رہے تھے، اللہ یہ دونوں کب آئیں گے، میں نے دل ہی دل میں دہائی دی، ابراہیم صاحب نے تھوڑا کھنکھار کر مجھے ناشتہ شروع کرنے کا اشارہ کیا، میں نے مایوس نظروں سے ریحان کے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا اور پھر بچوں کی طرف دیکھا، جواد اور کاشان دونوں مسکرا دیے۔

''امی جان! ناشتہ شروع کریں، بھائی اور بھابھی جب اٹھیں گے تب کر لیں گے۔'' جواد نے کاشان کی گویا ترجمانی کی۔

''اچھا۔'' میں نے بے چارگی سے ناشتے کی ڈھیروں لوازمات کی جانب دیکھا، تو گویا میری آج کی محنت بے کار گئی، مجھے بہت دکھ ہوا، میں تو فائزہ کو بتانا چاہ رہی تھی کہ دیکھو تمہارے آنے کو میں نے کتنی اہمیت دی، مگر خیر۔

میں نے کاشان اور جواد کو ناشتہ شروع کرنے کا اشارہ کیا، ابراہیم صاحب نے بے ساختہ گہری سانس لی گویا میری رضامندی کا ہی انتظار کر رہے تھے انہوں نے اخبار تہہ کر کے میز پر ایک طرف رکھا۔

''چلو بچو، شروع کرو۔'' انہوں نے پلیٹ

اپنی جانب کھسکائی، کاشان اور جواد فوراً متوجہ ہو گئے، میرا دل دکھ سے لبریز تھا، کیا تھا اگر فائزہ اور ریحان بھی اس شادی کے بعد پہلے ناشتے میں شریک ہوتے، فائزہ کو بھی پتہ لگتا کہ میں نے اس کی خاطر کتنا اہتمام کیا ہے، تب ہی بالکل اچانک مجھے ریحان اور فائزہ اپنے کمرے سے باہر آتے دکھائی دیے میں نے بے اختیار اوپر نظر اٹھائی وہ دونوں اب سیڑھیاں اتر رہے تھے دونوں کی جوڑی غضب ڈھا رہی تھی، ماشاء اللہ میں نے دل ہی دل میں نظر اتاری، نئے جوڑے کو پروٹوکول دینے کو ہم سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"السلام علیکم!" دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا۔

"آؤ آؤ بچو۔" ابراہیم صاحب نے دونوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیسا شاندار ناشتہ تیار کیا ہے۔ دونوں نے ٹیبل کی طرف دیکھا، ہم سب بیٹھ گئے میں منتظر تھی کہ فائزہ ناشتہ شروع کرے میں اس کے آگے ڈیلش اٹھا اٹھا کر بڑھانے لگی اور وہ۔

"نو تھینکس آنٹی۔" کہہ کر میرا دل توڑتی گئی۔

"اتنے ہیوی ناشتے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔" میں گم صم سی تھی۔

"ارے بیٹا کچھ نہیں ہوتا۔" ابراہیم صاحب نے میرے چہرے پر آتے جاتے رنگ دیکھ لئے تھے تب ہی تو اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔

"نہیں سوری انکل، میں ناشتے میں صرف اورنج جوس لیتی ہوں۔" اس نے گلاس میں جوس انڈیلا اور چسکیاں لینے لگی، ریحان اور کاشان نے پراٹھے قیمہ پر ہاتھ صاف کرنے شروع کیے اور جواد میاں نے پوریاں چنے اپنی جانب بڑھا لیے۔ میں چور نظروں سے فائزہ کو دیکھتی جا رہی تھی۔

"کیا تھا اگر شرما حضوری ذرا سا ناشتہ چکھ لیتی۔" میں نے اپنے آنسو اندر ہی اندر دھکیلے جو باہر امڈے آ رہے تھے، میں نے ذرا سی سویاں کٹوری میں ڈالیں۔

"آنٹی! آپ لوگ اتنا ہیوی ناشتہ کیسے کر لیتے ہیں۔" ذرا دیر بعد ہی میری سماعتوں سے فائزہ کی آواز ٹکرائی، میں نے منہ میں لے جاتا چمچ واپس جلدی سے کٹوری میں رکھ دیا۔

"کتنا کولیسٹرول بڑھ جاتا ہے نا ایسے ناشتے سے۔" وہ اب ریحان سے مخاطب تھی۔

"اور کاشان بھائی آپ تو ڈاکٹر ہیں، آپ بھی اتنا ہیوی ناشتہ کر رہے ہیں۔" اس نے ریحان کو چھوڑ کر رخ کاشان کی جانب کر لیا، جواد نے فوراً ہاتھ پیچھے کر لیا، کہ مبادا توپوں کا رخ اس کی طرف ہی نہ ہو جائے۔

"ارے بیٹا کبھی کبھی تو اہتمام ہونا چاہیے۔" ابراہیم صاحب نے ٹشو سے ہونٹ صاف کیے۔

"اور پھر آج تمہاری آنٹی نے تمہاری......"

ان کی بات منہ میں ہی رہ گئی اچانک دروازہ کھلا اور فائزہ کے کزن وغیرہ ناشتا لے کر آتے دکھائی دیے، فائزہ بے اختیار گلاس میز پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے عالیہ، نائلہ۔" وہ ان کی جانب بڑھی۔

میں نے ابراہیم صاحب [illegible] انہوں نے بے ساختہ مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی، ریحان میاں بھی جا چکے تھے۔

☆☆☆

فائزہ شادی کے تین چار ماہ بعد بھی نجانے کیوں مجھ سے بے تکلف نہیں ہو سکی تھی، میں جو ریحان میاں کی شادی سے پہلے ہی دل ہی دل میں پلان بناتی رہتی تھی کہ کیا ہو جو اللہ نے بیٹی نہیں دی، میں اپنی بہوؤں کو ہی اپنی بیٹیاں بنا لوں گی، اب یہ ایسی نرالی بہو ملی کہ میں جتنی کوشش کرتی تھی اسے اپنے پاس بٹھانے کی وہ اتنا ہی مجھ سے دور دور بھاگتی، میں اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی، اس کی پسند ناپسند کا مجھ سے زیادہ شاید اس کی ماں کو بھی نہیں پتہ چلا ہو گا، وہ ادھر کچن میں قدم رکھتی اور میں اسے آرام کی تلقین کر کے خود اس کا مطلوبہ کام کر دیتی۔

چائے، کافی، کھانا، غرض میں نے اس پر کسی بھی چیز کا بوجھ نہیں ڈالا۔

کھانے کی ٹیبل لگانی ہو، یا کسی دعوت کا اہتمام کرنا میں فائزہ کو جگہ نہ کرنے دیتی، اب آپ ہی بتائیے، شادی کے شروع شروع دن ہیں اور میں اسے کچن کے جھمیلوں میں پھنسا دیتی، بھئی کیا تھا اگر بہو تھی مگر اس کے بھی کچھ ارمان ہوں گے، میں نے ابراہیم صاحب سے کہہ سن کر دونوں کو سیر و تفریح کے لئے کاغان بھجوا دیا۔

پندرہ دن کے بعد واپس آ کر بھی میں نے اسے مجبور نہیں کیا، کہ وہ کوئی ذمہ داری سنبھالے، ابراہیم صاحب مجھے کہتے بھی رہے، مگر میں کیا کرتی، جب کوئی خود سے کوئی کام میں آگے نہ بڑھے تو اسے کیا کہنا، میں نے نہ تو فائزہ کو مجبور کیا کہ وہ کسی کام میں ہاتھ بٹائے اور نہ ہی ریحان میاں کو ان کی بیگم کے بارے میں بتایا، فائزہ جتنی محبت سے مجھ سے بات کرتی تھی میں اسی سے نہال رہتی۔

صبح کا ناشتہ ہو یا رات کا کھانا، ملازمہ سے صفائی کروانی ہو یا کسی دعوت کا انتظام، میں جیسے

ریحان میاں کی شادی سے پہلے کرتی تھی شادی کے بعد بھی اسی طرح کرتی رہی، آنکھیں تو میری تب کھلیں، جب ایک دن میں کسی کام سے اتفاقاً ریحان میاں کے کمرے کے باہر سے گزری۔

"ارے نہیں نہیں، میں ایسی نہیں ہوں کہ بیٹے بہو کی جاسوسیاں کرتی پھروں، وہ تو میں وہاں سے گزری تو اچانک اپنا ذکر سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔"

ریحان نے اسے نجانے کیا کہا تھا کہ فائزہ یکدم چیخ پڑی۔

"نہ مجھے کچن میں جانے دیتی ہیں، نہ کچھ پکانے دیتی ہیں، آخر میرا بھی دل چاہتا ہے کہ کچھ پکاؤں، کبھی چائنیز، کبھی کوئی اٹالین ڈش، مگر آنٹی تو نجانے کس کمپلیکس میں مبتلا ہیں شاید یہ سوچتی ہوں گی کہ میں ان کی راجدھانی پر قبضہ نہ کر لوں، مجھے مہمانوں کی طرح کھانے کے لئے بلایا جاتا ہے، آ جاؤ بیٹا، کھانا تیار ہے۔" فائزہ نے بات کرتے کرتے میری نقل اتاری، میرے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

"آپ کو پتہ ہے میں نے کتنے ارمانوں اور چاؤ سے چائنیز اور اٹالین ڈشز کا کورس کیا تھا، میرا کتنا دل کرتا ہے آپ کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے چکن منچورین بناؤں، فرائڈ رائس میرے فیورٹ ہیں۔"

"تو مسئلہ کیا ہے، تم جب دل چاہے جو دل چاہے پکا لیا کرو۔" ریحان میاں کی آواز آئی۔

"کیسے پکا لیا کروں۔" فائزہ کی روہانسی آواز سنائی دی۔

"کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب وہ کچن خالی چھوڑیں، ادھر میں جاتی ہوں ادھر وہ آ موجود ہوتی ہیں، میں پوچھتی ہوں جب یہ ہی سب کچھ کرنا تھا تو دنیا دکھاوے کے لئے گھر کی چابیوں کا

کھچا مجھے کیوں سونپا تھا۔'' مجھے چکر سے آنے لگے۔

ارے میں تو یہ سوچتی تھی کہ میں بہو نہیں بیٹی سمجھوں گی گیارہ گیارہ بجے تک وہ سوتی رہتی تھی تو میں سونے دیتی تھی کہ چلو یہی تو دن ہیں ان کے، کرلیں عیش، کام کا کیا ہے، آخر میں پہلے بھی تو کرتی تھی نہ، تو اب بھی سہی، مگر مجھے کیا پتا تھا، میں نے تو شادی کے پہلے دن اپنی سلطنت جسے میں نے پل پل سنوارا سجایا، فائزہ کے حوالے کر دی۔

کہ لو بہو آج سے یہ چابیاں تمہاری ذمہ داری، مگر اس نے تو وہ چابیاں ہی لے کر ایک طرف ڈال دیں، آپ ہی بتایئے کیا کرے گی کوئی ساس ایسا، میں کچھ اور بھی سوچتی کہ فائزہ کی آواز مجھے واپس حال میں لے آئی۔

''اور آپ کو پتا ہے، پچھلے ہفتے امی لوگوں نے آنا تھا، جب میں نے سب کی دعوت کی تھی اور مینو دیکھا تھا آپ نے کیسے امی نے جھٹ پٹ بنالیا تھا، وہی روایتی کھانے، وہی کوفتے، بریانی، وہی دم کا قیمہ، فش فرائی، شاہی ٹکڑے، اونہوں۔''

''تو پھر صحیح تو تھا مینو۔'' ریحان میاں کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

''رہنے دیں میں نے کتنا سوچا تھا اس دعوت کا اہتمام میں خود کروں گی، میرے سارے گھر والے بھی یہی سوچ رہے تھے کہ آج چائنیز یا اٹالین ڈشز میں سے ہی مینو ترتیب دیا ہوگا اور ملا کیا بریانی، کوفتے، جو کوئی کھاتا بھی نہیں۔'' فائزہ کی باتیں سن کر مجھے چکر سے آنے لگے۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے فائزہ، ہمارے گھر میں تو سب ہی شوق سے امی کی بنائی بریانی کھاتے ہیں۔'' ریحان میاں نے کمزور سی آواز میں گویا میرا دفاع کیا۔

''اچھا اب بس رہنے بھی دیں۔'' فائزہ گویا جھنجھلا گئی۔

''بڑی اچھی بریانی بناتی ہیں نہ آپ کی امی اونہوں۔'' میں نے بے اختیار سر کو تھام لیا، میرے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

''اور یہ بڑی ہیں چابیاں گھر کی، سنبھالیں آج سے آپ مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کی امی کی راجدھانی سنبھالنے کی۔'' فائزہ نے شاید چابیوں کا گچھا ریحان میاں کی طرف پھینکا تھا کیونکہ چابیوں کی آواز سنائی دی۔

مجھے ایسا لگا میں گر جاؤں گی، میں نے اپنی بیٹی سمجھ کر اسے اتنا آرام و سکون دیا کہ کہیں سسرال میں اسے اپنی ماں کی کمی محسوس نہ ہوتی ہو اور یہ مجھے کیا سمجھتی رہی، بس اب اس سے زیادہ سننا میری برداشت سے باہر تھا، میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا کیونکہ چکر بہت زور سے آیا تھا قریب تھا کہ میں گر جاتی کہ تب ہی کسی نے مجھے تھام لیا، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

ابراہیم صاحب تھے، نجانے کب میرے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے ان کو دیکھتے ہی میرے آنسو یکدم بہہ نکلے۔

☆☆☆

اگلی صبح بالکل عام جیسی تھی، جیسی روز ہوتی تھی، میں اور ابراہیم صاحب ناشتے کی میز پر بیٹھے چائے پی رہے تھے، تب ہی ہمیں ریحان میاں اور فائزہ اوپر سے سیڑھیاں اترتے دکھائی دیے، شاید دونوں کہیں جا رہے تھے، ورنہ فائزہ کہاں اتنی جلدی اٹھتی تھی، اس کی صبح تو گیارہ بارہ بجے سے پہلے ہوتی ہی نہیں تھی۔

''السلام علیکم!'' دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا۔

''جیتے رہو۔'' ابراہیم صاحب نے ساتھ

ساتھ بیٹی نے بھی دعا دی، نارمل تھی تو کیا تھا، آخر ہیں تو اپنے ہی بچے۔

''کہیں جا رہے ہو؟'' ابراہیم صاحب نے پوچھا۔

''جی ابو! وہ دراصل فائزہ کے کزن وغیرہ اکٹھے ہو رہے تھے تو۔''

''اچھا اچھا۔'' انہوں نے بات بھی مکمل نہیں کرنے دی۔

''بیٹا! جب فارغ ہو جاؤ تو بیٹھنا، ماں باپ کے پاس کچھ تم سے ضروری بات کرنی تھی۔'' میں نے چونک کر میاں صاحب کو دیکھا، اب یہ کیا بات کرنا چاہ رہے تھے، اب کیا میرے گھر میں بھی ساس بہوؤں کے جھگڑے ہوں گے، میں نے دزدیدہ نظروں سے ابراہیم صاحب کو دیکھا، کہیں یہ نا کہہ دیں کہ تمہاری اماں رات دروازے سے لگی تمہاری اور تمہاری بیوی کی باتیں سنتی رہی ہیں، کیا سوچے گی فائزہ۔

''حد کرتے ہیں آپ بھی۔'' میں اچانک بول پڑی۔

''وہ دونوں جا رہے ہیں تو جانے دیں اور آپ ضروری بات لے کر بیٹھ گئے۔''

''ارے بابا تو میں کون سا ابھی انہیں روک رہا ہوں۔'' ابراہیم صاحب نے جیسے اخبار تہہ کرتے ہوئے صفائی دی۔

''بیٹا آفس تو آؤ گے نا۔'' انہوں نے ریحان میاں سے پوچھا۔

''جی جی ویسے خیر ہے نا۔'' ریحان میاں بھی پریشان سے ہو گئے تھے۔

''ارے ہاں بیٹا، سب خیر ہے، آنا پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔'' وہ مسکرائے گویا سب خیر ہے کا سگنل دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے پھر خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' ہم دونوں نے جواب دیا۔

''کیا بات کرنا چاہ رہے ہیں آپ؟'' میں نے ٹٹولتی نظروں سے پوچھا۔

''ارے بھئی کاروبار کی سو باتیں ہوتی ہیں۔'' انہوں نے جیسے مجھے بھی ٹال دیا۔

اور پھر ٹھیک پندرہ دن بعد ابراہیم صاحب نے ایک ایسا دھما کہ کیا کہ ہم سب حیران رہ گئے، انہوں نے گلشن میں فلیٹ خرید کر ریحان میاں کو گفٹ کر دیا اور ٹھیک اس کے ایک ہفتے بعد ریحان میاں اور فائزہ اپنے فلیٹ میں منتقل ہو گئے اور گھر کی چابیاں پھر سے میرے پاس آ گئیں، لو جی چابیوں کا سفر تمام ہوا۔

☆☆☆

ایک بہو کا یہ حال دیکھ کر میں نے فیصلہ کیا کہ کاشان میاں کی اتنی جلدی شادی نہیں کریں گے مگر یہاں بھی ہمارے بچوں نے جلد بازی کا ثبوت دیا اور بالا ہی بالا کاشان میاں نے ایک لیڈی ڈاکٹر پسند کر لی، ماتھا تو میرا اس وقت ٹھنکا جب کاشان میاں کی گفتگو میں ڈاکٹر علینا کا ذکر کچھ زیادہ ہی شامل ہو گیا، پھر ایک دن میں نے ابراہیم صاحب سے مشورہ کیا اور بعد کے مراحل جھٹ پٹ طے ہوتے گئے اور ہمارے گھر ڈاکٹر علینا دلہن بن کر آ گئی، فائزہ والے تجربے سے میں چونکہ سبق حاصل کر چکی تھی لہٰذا اس بار علینا کو میں نے چابیاں تھمانے کی حماقت ہرگز نہیں کی، اس بار میں نے نئی دلہن کو پروٹوکول دینے کے لئے کوئی ناشتے پر اہتمام نہیں کیا۔

ارے آپ کو یاد نہیں فائزہ نے میرے اتنے پیار سے تیار کئے ہوئے ناشتے کا کیا حال کیا تھا، اب آخر تجربے سے ہی انسان سیکھتا ہے، شادی سے اگلے دن میں نے ناشتے میں اہتمام کرنے کا سوچا مگر پچھلا تجربہ اتنا برا تھا کہ اس بار

ہمت ہی نہیں ہوئی، دل تو بہت کر رہا تھا کہ ناشتے میں خوب اہتمام کروں، علینا اور کاشان سب کے ساتھ مل کر ناشتہ کریں، دو تین بار تو بے مقصد کچن میں بھی گئی مگر ہر بار خود کو سمجھا بجھا کر لے آئی، ہم لوگ ناشتہ شروع کر چکے تھے، جب کاشان میاں اور ڈاکٹر علینا بھی آ گئے، میں تو حیران ہی رہ گئی دونوں کو ناشتے کی ٹیبل پر دیکھ کر۔

''اتنی جلدی آ گئے۔'' علینا نے ٹیبل پر نظر دوڑائی اور گویا جیسے مایوس سی ہو گئی۔

''ارے اتنا سپیشل ناشتہ۔'' وہ حیران ہوئی۔

''میں تو سمجھی تھی کہ......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی، ابراہیم صاحب نے مجھے بے ساختہ دیکھا اور میں نجانے کیوں چور سی بن گئی، کاشان میاں کی نظروں میں مجھے واضح گلہ نظر آیا، علینا اور کاشان کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''کاشان بتا رہے تھے کہ......'' علینا کی بات ادھوری رہ گئی اور اس کی بہن اپنی دیگر کزنوں کے ساتھ ناشتہ لے کر آ گئیں تھیں، علینا کے ساتھ ساتھ کاشان میاں بھی جا چکے تھے، میں نے ابراہیم صاحب کی طرف دیکھا، نجانے ان کی نظروں میں کیا تھا کہ میں نے بے اختیار خود کو کوسا، کیا تھا میں ناشتے پر ذرا اہتمام کر ہی لیتی۔

☆☆☆

فائزہ کے تلخ تجربے کے پیش نظر میں نے علینا سے بے تکلف ہونے کی بالکل کوشش نہیں کی۔

فائزہ کے لئے میں کیا نہیں کرتی تھی اور اس نے مجھے کیا صلہ دیا، اس بار میں خود ہی پیچھے رہی، علینا دیر تک نہیں سوتی تھی وہ اور کاشان میاں نو بجے تک ہسپتال کے لئے نکل جاتے تھے، میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ جب علینا کچن میں ہو...... گی میں اس دوران کچن میں قدم بھی نہیں رکھوں گی، بھئی اس کا اپنا گھر ہے، جو چاہے کرے، جو چاہے پکائے کھلائے اپنے میاں کو، میں کون ہوتی ہوں نئی نسل کی چائنیز اور اٹالین ڈشز میں رکاوٹ ڈالنے والی۔

ارے بھول گئے آپ، یہی تو الزام لگایا تھا فائزہ نے کہ اس کا کتنا دل کرتا تھا اپنے ہاتھوں سے چکن منچورین بنائے، فرائڈ رائس اسے کتنے پسند تھے اور میں ٹھہری بے وقوف کہ لاؤ بیٹا میں بنا دوں تم آرام کرو، اجی بس گزر گیا وہ وقت، میں نے اب علینا کے کاموں میں مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، وہ کچن میں داخل ہوتی اور میں بے مقصد لان میں نکل جاتی کہ کہیں علینا یہ نہ سوچے کہ سر پر ہی سوار رہتی ہیں، علینا اور کاشان میاں جیسے ہی اوپر سے اتر کر آتے علینا کچن میں چلی جاتی اور میں جی ہاں میں اپنے کسی نہ کسی کام میں مصروف ہو جاتی۔

میں اس میں بھی خوش تھی، چلو بچی کو اپنائیت کا احساس تو ہوتا ہو گا نہ کہ کم از کم اپنے گھر کے کچن میں ہے جو چاہے کرے، جیسا چاہے پکائے، مگر آج تو حد ہی ہو گئی، میں نے خود پھر کچن ایسا محسوس کیا کہ جیسے گھر کی تاریخ پھر خود کو بدلنے لگی ہے، نجانے کیوں مجھے کاشان میاں کھنچے کھنچے سے لگنے لگے ہیں، کل میں نے علینا کی انگلی پر بینڈیج لگی دیکھی تھی، پوچھا بھی میں نے مگر اس نے ٹال دی، چلو نہیں بتانا تو نہ بتائے میں لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنے حالات پر بھی غور کر رہی تھی، پہلی بہو تو اس لئے کھنچی کھنچی رہتی تھی کہ بقول اس کے میں اس کے سر پر سوار رہتی تھی، اسے کچھ کرنے نہیں دیتی تھی، تو یہ دوسری بہو کیوں کھنچی کھنچی رہتی ہے، اسے تو میں......

ٹوک نہیں، پھر کیا مسئلہ ہے، کاشان میاں بھی دور دور رہنے لگے ہیں، میں نے چائے پیتے پیتے سوچا۔

''نہیں مما ایسی بات نہیں ہے۔'' تب ہی مجھے علینا کی آواز سنائی دی، میں نے بے اختیار ساتھ والی دیوار کی طرف دیکھا جس کی کھڑکی کھلی تھی، جی ہاں یہ کھڑکی ٹی وی لاؤنج میں کھلتی تھی، میں نے کپ میز پر رکھا دیا شاید علینا لاؤنج میں تھی اور اپنی ماں سے بات کر رہی تھی۔

''آنٹی کا رویہ مجھے بہت عجیب سا لگتا ہے، شاید وہ میری اور کاشان کی شادی پر راضی ہی نہیں تھیں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے انہوں نے اس شادی کو دل سے قبول ہی نہیں کیا۔'' علینا کی آواز شاید رندھ گئی تھی، میں چونک گئی، یہ تو میرا ذکر کر رہی ہے۔

''کاشان تو پہلے اتنا ذکر کرتے تھے اپنی مما کا، مگر مجھے تو لگتا ہے کہ وہ مجھے مجبوری میں برداشت کر رہی ہیں، میں کچن میں جاتی ہوں تو وہ باہر نکل جاتی ہیں، بڑی بھابھی کے بارے میں تو سنا تھا کہ آنٹی نے انہوں تحفے میں گھر کی چابیاں دی تھیں، مگر مجھے تو انہوں نے اس قابل بھی نہیں سمجھا۔'' نجانے دوسری طرف سے اس کی مما نے کیا کہا پتہ نہیں، مگر میں اپنی جگہ پر سن سی بیٹھی رہ گئی، پھر یہ چابیاں درمیان میں آ گئیں، ان چابیوں نے تو مجھے ذلیل ہی کروا دیا۔

''مجھے تو لگتا ہے جیسے میں ان چاہی بہو ہوں، آپ کو پتہ ہے شادی کی پہلی صبح کاشان نے مجھے اتنا ایکسائیٹڈ کر دیا تھا کہ دیکھنا امی تمہارے لئے ناشتے میں کتنا اہتمام کریں گی، یہ بنائیں گی، وہ بنائیں گی اور پتہ ہے ناشتے میں کیا تھا، جی ہاں بریڈ جیم مکھن اور چائے، کاشان بھی حیران [illegible] تھا کہ [illegible]

گھر میں صرف کاشان کی پسند کے طور پر لائی گئی ہوں ورنہ آنٹی تو مجھے بالکل پسند نہیں کرتیں، نہ میرے پاس بیٹھتی ہیں، نہ مجھے بلاتی ہیں۔'' وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی، مگر میرے دماغ میں جیسے آندھیاں سی چل رہی تھیں، یہ کیا کہہ رہی تھی علینا، میں تو اس لئے اس کے کسی کام میں مداخلت نہیں کرتی تھی کہ کہیں فائزہ کی طرح اسے بھی برا نہ لگتا ہو۔

''جی مما آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، کاشان نے اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے، بس انکل سے بات کرنی ہے، فلیٹ ہم نے دیکھ لیا ہے، جی مما کم از کم اپنے گھر میں مجھے بیگانگی کا احساس تو نہیں ہو گا۔'' وہ نجانے کیا کیا بولتی جا رہی تھی مگر اب مجھ سے کچھ سننا مشکل تھا۔

نجانے کیسے میں اپنے بیڈ روم تک آئی، یہ کیا ہے سب کچھ کیا اس بار بھی الزام میرے سر ہی آئے گا، لوگ کیا کہیں گے، میرے آنسو اُمڈے چلے آ رہے تھے، میرے حلق میں جیسے نمکین پانی کا گولہ سا پھنسے جا رہا تھا، میں نے تکیے سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا، میری سسکیاں بلند ہونے لگیں۔

☆☆☆

ابراہیم صاحب تین دن کے دورے پر اسلام آباد گئے ہوئے تھے، ان کی واپسی تک نجانے کیسے میں نے ضبط کیا یہ میں ہی جانتی ہوں، اللہ اللہ کر کے ابراہیم صاحب واپس لوٹے شام کو علینا اور کاشان میاں کسی سیمینار میں گئے ہوئے تھے، رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ابراہیم صاحب اسٹڈی روم میں بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے جب میں ان کی چائے لے کر وہاں پہنچ گئی، ایک وہی تو تھے جن کے سامنے میں اپنا دل [illegible] سکتی تھی اور [illegible] میرا خیال تھا

کہ وہ پریشان ہوں، مجھے کوئی تسلی کے دو لفظ بولیں گے مگر بولے تو ایسا کہ میں دنگ رہ گئی۔

''جواد میاں کی شادی کی تیاری کر لو۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' میں ہڑبڑا ہی تو گئی، مجھے لگا جیسے ابراہیم صاحب نے میرا مذاق اڑایا ہے۔

میں نے ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر رکھا اور غور سے ان کی طرف دیکھا، مگر ان کے چہرے پر مجھے وہی مسکراہٹ نظر آئی جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟'' میں نے جیسے ان سے تصدیق چاہی، انہوں نے تسلی سے چائے کی چسکی لی اور ذرا اچھل کر مسکرائے۔

''ارے بھئی مذاق کیسا، ماشاء اللہ اپنے جواد میاں برسر روزگار ہو گئے ہیں تو اب دیر کس بات کی بسم اللہ کیجئے۔''

مجھے تو مانو آگ ہی لگ گئی۔

''حد کرتے ہیں آپ بھی۔'' میں نے چائے کے کپ اٹھا کر ٹرے میں پٹخے۔

''میں آپ کو اپنے دکھڑے سنا رہی ہوں اور آپ لے آئے درمیان میں جواد میاں کو۔'' میں نے کپ سنک میں پٹخ دیے، اب آپ نے ساری بات تو سن ہی لی ہے آپ ہی بتائیے، کیا ابراہیم صاحب صحیح کہہ رہے ہیں، چلیں دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

☆☆☆

آنے والے چند دنوں میں حالات خود بخود رخ بدلنے لگے، ایک شام ابراہیم صاحب نے کاشان میاں کو بلوا بھیجا، دونوں میاں بیوی گھر پر ہی تھے، ابراہیم صاحب نے کاشان میاں کے حوالے ایک فائل کی، جس میں فلیٹ کے کاغذات تھے، ہم سب حیران تھے، بعد میں ابراہیم صاحب نے میرے استفسار پر بتایا کہ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر بچے گھر سے جانا ہی چاہ رہے ہوں تو ہنسی خوشی رخصت کیا جائے، کچھ ہفتوں بعد علینا اور کاشان میاں اپنے فلیٹ میں منتقل ہو گئے، اب ابراہیم صاحب کا ارادہ جواد میاں کی شادی کا تھا، ریحان اور کاشان کے تجربے کے پیش نظر میں نے ابراہیم صاحب کو جواد میاں کی رائے لینے کا کہا مبادا انہیں بھی اگر کوئی لڑکی پسند ہو تو ہم ان کی رائے کا احترام کر لیں مگر مجھے بہت حیرانی ہوئی جب جواد میاں نے مجھ پر اور ابراہیم صاحب پر یہ فیصلہ چھوڑا کہ وہ جہاں مناسب سمجھیں ان کی شادی کر دیں انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور پھر ابراہیم صاحب نے اپنے دوست کی بیٹی سے جواد میاں کی بات پکی کر دی علیزہ انٹر پاس تھی، مگر سنا تھا کہ گھرداری میں طاق تھی، علینا اور فائزہ تو انٹر پاس لڑکی کا سن کر بہت ہنسی آئی تھی اور ریحان میاں نے تو مجھے کھل کر کہہ بھی دیا تھا۔

''امی سوچ لیجئے، اپنے جواد میاں بزنس میں اعلیٰ ڈگری رکھتے ہیں کہیں کل کلاں کو انہیں آپ کی پسند پر اعتراض نہ ہو، کہ دونوں بھابھیاں اتنی تعلیم یافتہ ہیں اور......'' وہ تو بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے اور میں سوچوں کے دریا میں غوطے کھانے لگی۔

☆☆☆

''جواد میاں اچھی طرح سوچ لو۔'' اگلی صبح میں جواد میاں کے کمرے میں پہنچ گئی، وہ آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔

''یہ نہ ہو کہ شادی کے بعد تمہیں خیال آئے کہ......'' میں نے بات ادھوری چھوڑ دی، جواد

میاں مجھے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔
"کیا ہوا ہے امی؟"
"بیٹا! کل ریحان میاں کہہ گئے ہیں کہ تم سے اچھی طرح پوچھ لوں کہ علیزہ سے شادی پر تم دل سے راضی ہو یا نہیں، بیٹا وہ دراصل بات یہ ہے کہ علیزہ صرف انٹر پاس ہے، مگر بیٹا سنا ہے گھر داری میں طاق ہے۔" جواد میاں نے غور سے مجھے دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔
"چلیں اچھا ہے آپ کو کمپنی مل گی۔"
"ہائیں، تو تم راضی ہو۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"جی امی۔" اس نے پرفیوم اٹھا کر خود پر چھڑکا۔
"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، آخر ابو نے پسند کی ہے، اچھی ہی ہو گی اور بات رہ گئی انٹر پاس کی تو امی چلے گی۔" وہ مسکرا دیا۔

☆☆☆

تیسری بہو گھر میں آ چکی تھی، پہلی بڑی بہوؤں کے تجربے سے میں خوفزدہ تھی کہ اب یہ بہو نجانے کیسی نکلتی ہے۔
یہ البتہ طے تھا کہ بہوؤں کو بیٹیاں بنانے کا خواب میرا شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ بڑی دونوں بہوؤں کو میں نے جس طرح ان کی مرضی کے مطابق جینے کی آزادی دی تھی اور ہنسی خوشی اپنے پلے پلائے گھبرو جوان بیٹے سونپے تھے اور وہی میرے بیٹے اب اپنے اپنے آشیانوں میں آباد تھے، تو کیا آنے والا کل جواد میاں کو بھی مجھ سے دور لے جائے گا۔
اور کیا آنے والے دنوں میں اس گھر میں صرف میں اور ابراہیم صاحب بھٹکتی روحوں کی طرح گھومیں گے، میں نے جھرجھری سی لی، میں نے برابر میں نظر ڈالی ابراہیم صاحب گہری نیند سو رہے تھے، میں چپ چاپ اٹھ کر باہر لان میں آ گئی، ابھی دن نکلنے میں تھوڑی دیر باقی تھی، میں گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگی، رات کی اوس نے سبزے کو وضو کروا دیا تھا۔
"یا اللہ!" میں نے بے اختیار اللہ کو پکارا۔
"میری مدد فرما، میں اپنے بچوں سے دور نہیں رہ سکتی، ریحان اور کاشان کو نجانے میں نے کس دل سے دوسرے گھروں میں جاتے دیکھا ہے، اب نہیں، کہیں علیزہ بھی جواد کو لے کر نہ چلی جائے، اگر ایسا ہوا تو ہم کیسے رہیں گے بچوں کے بغیر۔" میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں واپس بیڈ روم میں آ گئی، آج کی رات نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی، دونوں ہاتھوں سے رگڑ رگڑ کر آنکھیں صاف کیں۔
"سو جاؤ صائمہ۔" ابراہیم صاحب نے مجھے چونکا دیا۔
"جی اچھا۔" میں واپس بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔
"کیا ہوا؟ کیوں بے آرام ہو؟"
"نہیں کچھ نہیں۔" میں نے آنکھیں موند لیں۔
"جواد میاں کی طرف سے بے فکر رہو۔" وہ جیسے میرا ذہن پڑھ رہے تھے، میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں، وہ مسکرا دیئے۔
"علیزہ یہاں سے کہیں نہیں جانے والی۔"
"اللہ کرے۔" میں نے بے ساختہ کہا۔
"سو جاؤ۔"
نجانے کب مجھے نیند آ گئی، پتہ نہیں شاید رات کو بے آرامی رہی تھی، اس لئے صبح میری ٹائم پر آنکھ نہ کھل سکی، میری آنکھ کھلی تو صبح کے نو بج رہے تھے۔
"ارے۔" میں دھک سے رہ گئی۔

”آج تو علیزہ کا پہلا دن ہے [illegible] گھر میں۔“ میں نے جلدی جلدی اپنے بکھرے بال سمیٹے، پاؤں میں چپلیں ڈالیں اور فنافٹ باتھ روم میں جا کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے، تولیہ سے منہ خشک کر کے میں نے سیدھا کچن کا رخ کیا تاکہ ناشتے کا انتظام جلدی جلدی کرسکوں، مگر یہ کیا، کچن کا منظر دیکھ کر میں دھک سے رہ گئی، علیزہ جو کہ ایک دن کی دلہن تھی، جلدی جلدی چائے تھرماس میں ڈال رہی تھی۔

”ارے بیٹا تم کیوں لگ گئیں کام میں۔“ میں جلدی سے آگے بڑھی۔

”کیوں امی؟“ اس نے جلدی جلدی تھرماس بند کیا۔

”ابو بتا رہے تھے کہ آپ کی طبیعت کچھ خراب تھی رات کو، تو میں نے سوچا کہ میں ناشتہ ہی بنا لوں۔“ وہ تھرماس ڈائننگ ٹیبل پر رکھ کر آئی۔

”چلیے آپ [illegible] ہے۔“ اس نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے لگا جیسے میں میکانکی انداز میں چلتی ہوئی ٹیبل تک آئی ہوں۔

جواد اور ابراہیم صاحب دونوں ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھے، میری نظر جو ناشتے کی طرف گئی تو گویا واپس پلٹنی بھول گئی، کیا تھا جو ناشتے میں نہیں تھا، پراٹھے، قیمہ، سویاں، آملیٹ، فرائی انڈے، فرنچ ٹوسٹ اور نجانے کیا کیا۔

”یہ سب......“ میں حق دق سی رہ گئی۔

”جی امی! وہ دراصل ابو نے بتایا کہ آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے تو میں نے خود ہی یہ سب کر لیا، آپ نے برا تو نہیں مانا۔“ وہ جو ایک دن کی دلہن تھی ذرا رک رک کر بول رہی تھی، میں نے حیران سی نظروں سے اسے دیکھا، سلیقے سے دوپٹہ لیا ہوا، جھکی جھکی سی نظریں، مجھے بے اختیار علیزہ پر

پیار آیا۔

"نہیں نہیں بیٹا۔" میرا تو مانو سیروں خون بڑھ گیا۔

"برا کس بات کا ماننا بس شرمندگی سی ہو رہی ہے کہ تمہیں پہلے دن ہی کچن میں کھڑا ہونا پڑا۔"

"ارے بیٹا تمہارا گھر ہے، کیا پہلا دن اور کیا دوسرا۔" ابراہیم صاحب نے مسکرا کر مداخلت کی۔

"چلو بھئی ناشتہ شروع کرو۔"

☆☆☆

جلد ہی ہم دونوں ساس بہو کا رشتہ جیسے بدل گیا۔

شادی کے چند دن بعد ہی ہم دونوں ایسے ہو گئیں جیسے ہمارا جنم جنم کا رشتہ ہو، علیزہ میرے سر میں معمولی سے سر درد میں اتنی اچھی مالش کرتی کہ درد لمحوں میں غائب ہو جاتا، ایسے ہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر میری کمی محسوس ہوتی، کچن میں کچھ بھی پکانے کے دوران اسے بار بار میری ضرورت پڑتی، وہ مجھے کچن میں بٹھا لیتی، وہ سبزی فریج سے نکال کر ٹیبل پر لاتی، ہم دونوں مل کر سبزی بناتے، وہ نجانے کون کون سے قصے سناتی اب تو میری یادداشتوں میں نجانے کون کون سے واقعات سر اٹھانے لگے تھے، میں اور وہ دونوں ایسا لگتا جیسے لازم و ملزوم ہیں، میں نے اسے اٹالین اور چائنیز ڈشز کی طرف راغب کرنا چاہا، مگر وہ قورمہ، بریانی آلو میتھی اور دہی بھلوں کی شوقین۔

جو لوگ پہلے علیزہ کے اس گھر میں آنے پر معترض تھے اب وہی لوگ رشک کی نظر سے دیکھتے تھے، ابراہیم صاحب کی دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ اب کافی گہری ہو چکی تھی اور رہ گئے جواد میاں تو جواد میاں بھی علیزہ کے ساتھ کافی مطمئن تھے اور رہ گئی میں تو اپنا کیا حال بتاؤں مجھے تو بہو کے روپ میں بیٹی مل گئی ہے۔

آج بھی میں نے کاشان اور ریحان کو رات کے کھانے پر مدعو کیا ہے اور ایک راز کی بات بتاؤں جب مجھے آنٹی کہنے والی میری بڑی دونوں بہوئیں علیزہ کے منہ سے امی امی کی گردان سنتی ہیں تو ایسے منہ بناتی ہیں جیسے ان کے منہ میں کسی نے کڑوی کونین رکھ دی ہو، ایسے میں مجھے بڑا مزہ آتا ہے، ہم دونوں ڈنر ٹیبل پر آج بھی اپنی بنائی ہوئی ڈشز ڈسکس کریں گے، میں جب بریانی کی ڈش فائزہ کے سامنے رکھوں گی اور کہوں گی۔

"فائزہ بیٹا، بریانی ضرور چکھنا علیزہ نے خاص اپنی نانی اماں کے طریقے سے بنائی ہے تو آپ دیکھئے گا فائزہ کے تاثرات کیا ہوں گے اور اب ... سے بڑھ کر علیزہ کا حال تو پوچھیں مت، مگر ٹھہریے بعد میں بات کریں گے، ابھی میری بیٹی کے سر میں ہلکا سا درد ہے اور میں نے آج ویسی ہی مالش علیزہ کے سر میں کرنے کا فیصلہ کیا ہے جیسی وہ کرتی ہے اور آپ کو بتاؤں اس کی انگلیوں کا جادو، درد لمحوں میں غائب ہو جاتا ہے، آج ایسا ہی جادو میں نے بھی جگانا ہے۔"

"بس علیزہ بیٹا آ رہی ہوں میں اچھا آپ سب قارئین اب مجھے اجازت دیں اللہ حافظ۔"

☆☆☆

مصباح علی

"آج پھر تمہارا سیل آف ہے، کیا مصیبت ہے یار۔" تانیہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی، وہ بیڈ پر لیٹی بہت زور سے اپنا سر دبا رہی تھی۔

"کیا ہے روز روز کا سر درد، جب دیکھو سر تھامے بیٹھی ہوتی ہو۔" وہ سونیا کے آئے روز کے درد سے عاجز تھی، ہر وقت، اندھیر کمرا، دروازے بند، کھڑکیوں پر پردے برابر، مہیب خاموشی، اگر سناٹے میں دراڑ ڈالتی تھی تو وہ پنکھے کی گھرر گھرر۔

تانیہ تلملا کر بولی۔

"اس قبر میں رہو گی تو مردے کی فیلنگز آ ئیں گیں۔" اس نے پورا دروازہ کھولا، پردے ہٹا کر کھڑکیوں کے پٹ کھول دیئے، روشنی چھن سے گری اس کے ساتھ ہوا کی تازگی بھی۔

"کیا بات ہے، کچھ تو بتاؤ۔" اس نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔

"کیوں؟ تم منکر نکیر ہو، جو مردے کو اٹھا کر سوال شروع......" تانی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''اسٹوپڈ، شرم نہیں آتی خود کو مردہ تصور کرتے۔''

''میں نہیں کر رہی۔'' وہ چلا کر بولی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ہی کہا ہے، اندھیرے کمرے میں مردے کی فیلنگ آتیں ہیں، تو عمل کر کے دیکھ رہی ہوں۔''

''دفع ہو جاؤ۔'' اس نے کندھے پر چپت لگائی۔

''چلو اٹھو، میرا شاپنگ کا موڈ ہے اور پھر رمضان شروع ہو جائے گا، روزے میں نو شاپنگ۔''

''کہا نا میرا موڈ نہیں ہے۔'' اس نے پھر سے لیٹ کر، آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کیوں؟''

''کیا ہے تانی، کر لیں گے شاپنگ ابھی بہت دن پڑے ہیں اور پھر رمضان میں باقی کام بھی تو ہوتے ہیں، ہو جائے گی شاپنگ بھی۔''

''جی نہیں۔'' اس نے حتمی فیصلہ دیتے ہوئے اسے پھر سے اٹھایا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے اپنا روزہ چھید چھید کرنے کا۔''

''کیا مطلب؟'' سونی کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''یار نامحرموں سے بھاؤ تاؤ کرتے، حلق بھی سوکھتا ہے اور اعمال بھی۔'' اس کے جملے نے اسے سن کر دیا تھا، یہاں وہ ساری سوکھ رہی تھی، چھوٹی سی غلطی عذاب بن گئی اور چھٹکارے کی کوئی امید نہیں، شیئر کرئے تو کس سے، کیا کوئی اس بات کا یقین کرئے گا؟ اوپر سے رمضان آ رہا ہے، اگر نامحرموں سے بھاؤ تاؤ کرتے روزہ چھید چھید ہوتا ہے تو جس طرح وہ بات کرتا ہے تھی۔

جان جان۔

''جگر جگر'' بولتا ہے تو کیا میرا روزہ رہے گا، بھوک پیاس برداشت کرنے سے کہیں بہتر ہے میں روزے ہی نہ رکھوں، وہ اپنی پیشانی مسلتے سوچ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ چپ کیوں ہو؟'' تانی کے کندھا ہلانے پر کئی آنسو یک لخت ٹوٹے، پھر لمبی سانس لے کر اس نے سب کچھ تانیہ کو بتانے کا فیصلہ کیا۔

☆☆☆

چند ماہ پہلے سونیا نے سلائی کورس کیا تھا، کپڑے سینے کا جنون چڑھا سہیلیوں سے مانگ، پڑوسیوں سے لے، رشتے داروں کے ڈریس تیار کیے اور تعریفیں ہی تعریفیں، جب کندھوں میں ٹیسیں اٹھیں اور اماں سے کہا۔

''امی! بڑا درد ہو رہا ہے، ذرا دبا دو۔'' امی بنا لحاظ کے بولیں۔

''انہی اپنی چہیتوں سے دبوا لو جن کے کپڑے سی کر دیئے ہیں۔''

''اچھا، دوا ہی دے دو۔''

''کیوں؟ انہوں نے مجھے رقم دی تھی، جس سے دوا منگوا دوں۔''

رقم کا سن کر لالچی دل نے انگڑائی لی اور ٹھان لی اب تو بوتیک ہی کھولوں گی۔

اس نے اماں کی جہیز بری کے نکارہ کپڑے نکالے، جوڑ توڑ، کنٹراس کر، ڈیزائن بنا چند سوٹ تیار کیے، قیمت اور ٹیگ لگا تصویریں کھینچ OLX پر ڈال دیں، ساتھ اپنا کنٹیکٹ بھی، بس یہ غلطی کی جو گلے کا ہار بن گئی، اگلے ہی دن سے فون آنے لگے۔

''جی سونی بوتیک۔''

''جی ہاں۔'' وہ آواز کو پروفیشنل کر کے بولی

’’آپ فرمایئے۔‘‘

’’جی فرمانا کیا ہے؟ ایکچوئیلی ایک کفن سلوانا تھا۔‘‘

’’جی۔‘‘ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

’’ہاں جی، ایک لاش ہے، بیس سال کی، پانچ فٹ، چار انچ قد، آپ کی آواز سے لگتا ہے آپ کے لگ بھگ ہی ہوگی۔‘‘

’’جج...... جی۔‘‘ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

’’مم...... میں...... کفن نہیں سیتی۔‘‘

’’چلیں کوئی بات نہیں، اب سے سینا شروع کردیں، بلکہ ایسا کریں سی کر، پہن کر ایک تصویر اس نمبر پر واٹس اپ کردیں، ہم دیکھ لیں گے کیسا سیلا ہے، پیسوں کی فکر مت کرنا، میں بھیج دوں گا۔‘‘

’’دیکھیں مسٹر۔‘‘ وہ چبا کر بولی۔

’’آپ زیادہ ترش ہورہے ہیں۔‘‘ وہ محظوظ ہوا اور توقف سے بولا تھا۔

’’چلیں اگر آپ اپنی پک نہیں دینا چاہ رہیں تو ہم لاش آپ کی طرف بھجوا دیتے ہیں، آپ نہلا دھلا کر انہیں پہنا کر واپس بھیج دیجیے گا، یا پھر وہاں دفن کردینا، بس چند گھنٹوں میں لاش آپ کے ہاں پہنچاتے ہیں۔‘‘

’’نہیں نہیں۔‘‘ وہ متوحش سی چلائی۔

’’دیکھیں لاش ادھر مت لائیں، ڈیزائنر چھٹی پر ہے کہہ کر۔‘‘ اس نے فون بند کیا، اپنا کمرشل OLX سے ہٹا کر فون آف کردیا تھا، پھر چند دن بعد آن کیا تو وہ پھر سے بجنے لگا۔

’’جی سونی ڈیزائنر۔‘‘

’’جی جی فرمایئے۔‘‘

’’وہ ہمیں کچھ سویپرز کے یونیفارم سلوانا تھے۔‘‘ ...... اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

’’واٹ اٹ توہین، میں سویپرز کے کپڑے نہیں سیتی۔‘‘

’’چلیں ہمارے کہنے پر سی دیں جگر، اورنج کلر کی کاٹن کے، بلکہ ایسا کریں ایک سی کر پہن کر پک واٹس اپ کریں، دیکھیں ہم آپ کو اچھی اماؤنٹ دیں گے۔‘‘

’’اپنی رقم اپنے پاس رکھیں، سمجھے آپ۔‘‘ سونیا کے ڈپٹنے پر اس نے اونچا قہقہہ لگایا تھا، قہقہہ خاصا جانا پہچانا لگا تھا وہ جھٹ سے بولی۔

’’آپ وہی ہیں ناں، کفن والے؟‘‘

’’جی جی بالکل سہی پہچانا آپ نے جگر۔‘‘

’’بکواس بند کروانی اور یہ بیہودہ لفظ میرے ساتھ استعمال مت کرو۔‘‘

’’اوہو، آپ تو ناراض ہوگئیں، ایکچوئیلی، لاش نے آپ کا ڈیزائن کیا پہننے سے انکار کردیا تھا، لیکن یقین مانیں سویپرز کو ہم راضی کرلیں گے، بس آپ ایک سوٹ سی کر۔‘‘

’’شٹ اپ۔‘‘ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا اس نے غصے میں فون بند کردیا اور پھر یہ معمول بن گیا، کبھی نائی کے لباس، تو کبھی گداگروں کا چغہ ہمیشہ ایک ہی نمبر سے کال اور فضول زبان وہ تنگ آگئی تھی، ڈانٹ ڈپٹ کے خوف سے ابا کو نہ بتایا، اماں سے ویسے ہی ڈر لگتا تھا، بس اندر ہی اندر گھلتی رہی ان سب کا حل یہی تھا فون بند کردے اور اس پر سب برس پڑتے، فون کیوں آف ہے، ایک دن ابا نے خوب کلاس لی۔

’’تمہاری ماں تو فون بند کرکے آن کرنا بھول جاتی ہے اس کی بلا سے بم پھٹے، کوئی مرے، میں آؤں نہ آؤں، مگر تمہیں یہ بیماری کیوں لگ گئی۔‘‘ جواب ندارد، وہ ہونٹ چباتی رہی، اب یہ مسئلہ ...... پیچیدہ ہوتا جارہا تھا۔

''اوہو۔'' سنتے ہی تانی کے ہونٹ سکڑے۔
''تو یہ مسئلہ ہے۔''
''تو اور...... اسی لئے تو میرے سر میں درد ہے، ہر وقت کی پریشانی۔''
''اچھا دیکھاؤ نمبر کیا ہے؟'' اس کے مانگنے پر سونیا نے اپنا کئی دن سے بند پڑا سیل آن کیا، آن ہوتے ہی دھڑا دھڑ میسیج آنے لگے۔
''ہائے جگر...... ہیلو جگر...... کہاں ہو جگر۔''
''کم بخت کو کہیں ہیپا ٹائٹس تو نہیں، تبھی جگر جگر پکار رہا ہے۔'' اس کے چیپ سمیلو والے ایس ایم ایس تانیہ کو بھی تپا گئے تھے، لیکن وہ آنکھیں سکڑے کچھ سوچ رہی تھی شاید کچھ شک تھا اور ساتھ ہی کال آ گئی، تانی نے ہی اٹینڈ کی تھی۔
''بالآخر جگر تم نے فون اٹھا ہی لیا۔'' اس کی آواز نے شک کو یقین میں بدل دیا۔
''جی، بالکل اٹھا لیا۔'' وہ آواز نرم کر کے بولی۔
''آپ فرمائیں کیوں زحمت کی؟''
''ایکچوئیلی مجھے چھ بچوں کے لئے پیمپرز سلوانے تھے۔''
''جی جی، پیمپرز کی ضرورت تو آپ کو پڑنے والی ہے، جب ٹانگیں ٹوٹیں گی تو باتھ روم تک تو آپ جا نہیں سکیں گے۔'' تانیہ بہت اعتماد سے چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔
''ایسا ہے آپ اپنا ایڈریس دیں میں ایک پیمپرز تیار کر کے آپ کے گھر بھیج دیتی ہوں، آپ پہن کر چیک کر لیجئے گا، آخر جلد ہی استعمال کرنے والے ہیں ناں مسٹر۔'' اس نے ولی کو حیران کر کے فون کھٹ سے بند کر دیا، ولی تانیہ کے بھائی کا دوست تھا اور چند مہینے پہلے اپنی فیملی کے ساتھ ان کے گھر آیا تھا اور باتوں باتوں میں تانی نے اپنی دوست سونیا کے ذریعے انہیں ...

شوق اور OLX پر اشتہار کی بات کی تھی۔
''شکل سے کتنا گھنا میسنا لگتا ہے، آپی آپی کر کے بات کرنے والا، اندر سے اتنا ٹھرکی۔''
تانی نے منہ بگاڑا، شدت سے دل چاہا اپنے بھائی کے ساتھ اس کے گھر جا کر ٹھکائی کر کے آئے لیکن اس کے دماغ نے بدلے کا بہت اچھا پلان بنایا تھا، سر پکڑے بیٹھی سونی کو اس نے حوصلہ دیا تھا۔
''تم ایسے کیوں بیٹھی ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
''کیسے؟''
''یہ تم مجھ پر چھوڑو، جیسے اس کی جگر جگر کی گردان سے پکڑ لیا کہ وہ کون ہے، اب گردن سے بھی پکڑوں گی، تم دیکھتی رہو۔''

☆☆☆

رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، ہر طرف نور ہی نور، وجد ہی وجد، سفید لباس میں ملبوس سلیم انکل تسبیح ٹوپی پکڑے دیکھائی دیتے، تانیہ سونیا نے نیا نمبر لیا اور وقفے وقفے سے انہیں فون کرتیں۔
''ہیلو سلیم، کیا حال ہے، ڈیئر کیسے ہو؟''
''آخر تم ہو کون؟''
''یہی تو آپ نے جاننا ہے ڈیئر۔''
''کیوں میرے پیچھے پڑی ہو، ہر روز میرا روزہ خراب کرنے کو فون کر دیتی ہو۔''
''گھبرائیں نہیں سلیم جی، ہم آپ کے چاہنے والے ہیں۔'' اور فون بند، ان دونوں کو مشغلہ مل گیا، رات کو تراویح کے بعد چھت پر چلی جاتیں اور اسپیکر آن کر، آواز بدل بدل کر انہیں تنگ کرتیں، سلیم صاحب گھبراہٹ میں اپنا فون سائلنٹ پر رکھنے لگے تھے، بے چین، پریشان دکھائی دیتے، انہیں کچھ سمجھ نہ آتا آخر یہ کون ہے

اور کیوں پیچھے پڑی ہے، اسی طرح پورا رمضان گزر گیا اور چاند رات آن پہنچی۔

عید کا چاند نظر آتے ہی ہر طرف پٹاخوں کا شور پھوٹ پڑا، ولی چاند رات کو خوب آوارہ گردی کے بعد ایک بجے گھر لوٹا اور باہر صحن میں لیٹ گیا تھا، امی کچن میں کھیر پکا رہی تھیں، وقفے وقفے سے بیٹے کو آواز لگا کر بازار کی رونق کا پوچھ لیتیں، سلیم صاحب ابھی ان کے درمیان آ کر بیٹھے ہی تھے کہ موبائل کی اسکرین روشن ہو گئی، ولی میز پر سے موبائل اٹھانے ہی لگا تھا لیکن سلیم صاحب نے جھپٹ کر لے لیا، نمبر دیکھتے ہی ان کے چہرے کے تاثر بدلنے لگے۔

''ابا فون اٹھا بھی لو۔''

''ہاں ہاں اٹھاتا ہوں۔'' انہوں نے آہستگی سے اٹھتے ہوئے کہا اور فون آن کیا، قدرے فاصلے پر چلے گئے۔

''خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

''لو...... سلیم ڈیئر، آج تو چاند رات ہے، بھلا چکور آرام سے بیٹھ سکتا ہے۔''

''تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے، دیکھو تم جو بھی ہو۔''

''جو نہیں سونیا۔'' اس نے فقرہ کاٹا۔

''اوہو، جو بھی مگر آواز سے میری بیٹی کی عمر کی لگتی ہو، تمہیں شرم آنی چاہیے، اپنے باپ کی عمر جیسے شخص سے ایسی باتیں کرتے۔''

''محبت میں عمر کون دیکھتا ہے ڈیئر، خیر سلیم چھوڑو شرم ورم، یہ بتائیں آپ مجھے شاپنگ پر لے چلیں گے، آ جاؤں آپ کے گھر۔''

''کیا کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' یک لخت بوکھلاہٹ میں ان کی نگاہیں گھومنے لگیں۔

''اگر میری بیوی کو پتا چل گیا، شامت آ جائے گی، بی بی کیوں میرے گھر کے پیچھے پڑی ہو۔'' سلیم صاحب کی منمناہٹ پر سونیا کو ہنسی آ گیا مگر تانیہ اپنی ہنسی دبا کر آواز میں حیرانگی بھرتے ہوئے بولی۔

''کک...... کیا کہا آپ نے، بیوی، تو کیا آپ شادی شدہ ہیں۔''

''کیوں، کیا بڑھاپے میں بھی کنوارہ ہوتا۔'' وہ چڑ کر بولے۔

''لیکن ولی نے یہ نمبر دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپ۔'' وہ جان کر توقف دے کر بولی تھی۔

''کہ آپ، کنوارے ہیں اور سونیا ڈیزائنر سے شادی کرنا چاہتے ہیں، میں سونیا ہی بات کر رہی ہوں ڈیئر۔'' اس کی بات سن کر ان کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا اک قہر آلود نگاہ سے سامنے لیٹے ولی کو گھورا۔

''یہ یہ سب ولی نے کہا تھا؟'' انہوں نے تصدیق چاہی۔

''جی کوئی شک، اگر یقین نہیں آتا تو ابھی میں ولی کے نمبر پر بات کرتی ہوں اور کہتی ہوں آپ سے بات کرے۔''

''نہیں نہیں تم کیا بات کرو گی، میں ابھی بات کرتا ہوں اس بے غیرت، الو کے پٹھے سے۔'' غصے میں فون بند کرنا بھی بھول گئے اور چلا کر بولے۔

''او...... بے غیرت...... سونیا کی اولاد، ادھر مر۔'' سونیا کے نام پر ولی تو اچھل کر بیٹھا سو بیٹھا مگر بیگم کھیر کا چمچ پکڑے پکڑے باہر نکل آئیں۔

''کیا...... کیا کہا تم نے میاں، کس سونیا کی اولاد، میرا بچہ ہے یہ، سو فیصد میرا۔''

''بھئی اتنا بے غیرت ہے، تم ہٹو بیچ سے ورنہ یہاں لاشیں گر جائیں گی۔''

''کیوں ایسا کیا کر دیا میرے لال نے۔''

وہ اماں ابا کا جھگڑا دیکھ کر پیچھے سے بھاگنے لگا مگر سلیم صاحب نے گدی سے پکڑ لیا۔

"ادھر مر...... ماں کے لال...... باپ کا منہ کالا کرنے لگا تھا۔"

"ابا میں...... میں نے کیا کیا ہے؟" اس کی منمناہٹ پر انہوں نے پشت پر جھانپڑ رسید کیا۔

"اوہ بد بخت تیری ماں سونیا کا فون آیا تھا، کیا کہا تھا تو نے اس سے تیرا باپ کنوارہ ہے۔" ولی سے تو کچھ بولا نہ گیا البتہ بیگم نے وہیں چیخ چلانا شروع کر دیا۔

"اس کی کون سی ماں ہے سونیا، ہائے میاں تم نے بڑھاپے میں دوسری شادی کر لی، مجھے پتا بھی نہ چلا، ہائے میں لٹ گئی لوگو، برباد ہو گئی۔"

"اوہ تو چپ کر جاہل عورت۔" ان کی کرخت آواز پر بیگم کے سانس سوکھ گئے اور وہ خوفزدہ ہو کر اماں کے پیچھے پناہ لینے لگا، سلیم صاحب نے بیگم کے ہاتھ سے چمچ پکڑا اور پھر لیا تھا۔

گرم چمچ، پشاوری چپل، وائپر، کلے تھپڑ اور دوسری طرف اوئی ہائے کرتا ولی کا سوکھا تڑنگا بدن۔

"ابا وہ جھوٹ بول رہی ہے، میں نے تمہارا نمبر نہیں دیا۔"

"بے غیرت تیری تو شکل ہی چوروں جیسی بنی ہے، جھوٹ بولتا ہے سالے، لڑکیوں کو باپ کا نمبر دے کر ذلیل کرواتا ہے، بد بخت میرا سارا رمضان خطاء کروا دیا تو نے۔" پھر سے تابڑ توڑ مکے۔

"ابا معاف کر دو، پر میں نے تمہارا نمبر نہیں دیا تھا۔"

"اور اپنی ماں کا دیا تھا، اجڈ، ذلیل۔" ایک لات پھر سے پڑی۔

بیگم کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، وہ اپنا ماتم بھول دونوں باپ بیٹا کی صحن میں لگی سرکس دیکھ رہی تھیں، کبھی وہ چارپائی کے پیچھے چھپتا، تو وہ اوپر سے جوتا مارتے۔

دوسری طرف تانیہ سونیا موبائل اسپیکر سے ٹھک ٹھا، آئی اوئی جیسی آوازوں اور ولی کی روتے ہوئے معافیاں مانگنے پر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں، کچھ دیر بعد آوازیں ختم گئیں شاید سگنل پرابلم تھا یا گھنٹہ پورا ہو گیا تھا، تانیہ ہاتھ پر ہاتھ مارتے دوہری ہوئی۔

"دیکھو بھئی سونیا پتا تو مجھے اسی دن چل گیا تھا کہ یہ کمینہ ولی ہے، وہی جگر جگر کر کے بولتا ہے، اگر میں اسے اس کے گھر جا کر ڈانٹ کر آتی تو مزاہ نہ آتا، زیادہ سے زیادہ اس کی اماں اسے ڈانٹ دیتی یا پھر وہ تمہیں آئندہ فون نہ کرتا لیکن دوسری لڑکیوں کو تو تنگ کرتا ناں، بس اسی لئے قسمت لڑائی کہ اچھی طرح توبہ ہو، آخر ہم لڑکیاں اتنی بھی ارزاں نہیں، ہمارا اسیل نمبر اگر ہاتھ لگ ہی جائے تو جینا حرام کر دو، سبق تو سکھانا تھا ناں۔"

☆☆☆

صبح سویرے نماز عید سے پہلے سونیا نے اپنے پہلے والے نمبر سے فون کیا جس پر اکثر ولی تنگ کرتا تھا اور ولی سے اتنا پوچھا تھا۔

"ہاں جی ولی صاحب، پیپرز تیار ہو گئے ہیں، یقیناً ضرورت ہو گی آپ کو اور ہاں بونس میں، میں نے ایک زخمی کے لئے اوٹی کا لباس بھی تیار کیا ہے، کہیں تو سلیم صاحب کے ذریعے آپ کے پاس بھجوا دوں، یقیناً ہسپتال تو جا رہے ہوں گے آپ ہاہاہا۔" اور دوسری طرف ولی کو اصل بات جاننے میں ایک لمحہ لگا کہ وہ اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں گر چکا ہے۔

☆☆☆

حاصلِ مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

O ''اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے تو جو کافر ہیں، وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ جادو ہے۔'' (سورہ انعام)

O ''وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم اے کافرو (خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔'' (سورہ انعام)

O ''اے محمدؐ! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔'' (سورہ انعام)

O ''اور دنیا کی زندگی تو کھیل ہے اور تماشا ہے اور سب سے اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے، یعنی ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں۔'' (سورہ انعام)

O ''اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے کندھوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزہ چکھو۔''

علینہ طارق، لاہور

حدیث نبوی ﷺ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، جب تجھ کو مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور یقین کر لے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات کا نفع پہنچا دیں ہر گز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرور پہنچا دیں تو جھ کو ہر گز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔'' (ترمذی شریف)

معکنون شاہ، لاہور

رویت ہلال کی تحقیق اور شہادت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زادالمعباد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو رمضان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔'' (صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

فوزیہ زل، شیخوپورہ

خوفناک بلا

ایک شخص نے رات خواب میں ایک خوفناک بلا دیکھی، اس نے پوچھا۔

''تو کون ہے؟''

دعا نے جواب دیا۔

''میں تیرے برے عمل ہوں۔''

پوچھا۔

''تجھ سے چھٹکارا پانے کی کیا صورت ہے؟''

کہا۔

''کثرت درود! بلند آواز سے درود پڑھنے کی فضیلت! ایک گناہ گار شخص کو انتقال کے بعد ان کے پڑوسی نے خواب میں دیکھا وہ جنت کے اندر ہے۔''

پوچھا۔

''تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟''

اس نے بتایا۔

''میں ایک اجتماع میں شریک ہوا، وہاں ایک محدث صاحب نے دروان بیان ارشاد فرمایا، جو شخص نبی پاک پر بلند آواز میں درود شریف پڑھے اس کے لئے جنت واجب ہے، میں نے بلند آواز سے درود پاک پڑھا، مجھے دیکھ کر حاضرین نے بھی اونچی آواز سے درود سلام پڑھا، اس عمل کے سبب اللہ نے مجھ سمیت تمام شرکائے اجتماع کی مغفرت فرمادی۔''

فریدہ خانم، لاہور

قدر پوچھو

☆ دین کی قدر عالم سے پوچھو۔
☆ آنکھ کی قدر بینا سے پوچھو۔
☆ دولت کی قدر غریب سے پوچھو۔
☆ روٹی کی قدر کسی بھوکے سے پوچھو۔
☆ ماں کی قدر کسی یتیم سے پوچھو۔
☆ علم کی قدر کسی ان پڑھ سے پوچھو۔
☆ پانی کی قدر کسی مال سے پوچھو۔
☆ صحت کی قدر کسی بیمار سے پوچھو۔

محمد سجاد پرنس، چانوٹ پاکپتن

زندگی

زندگی ایک کھلونا ہے آخر اس کو ٹوٹ ہی جانا ہے کیوں نہ اچھا ہو کہ یہ کسی کے کام آ کر ہی ٹوٹ جائے، اپنی زندگی کے ہر لمحے کو حسین و دلکش بنایئے، اس کے ہر لمحے کو انجوائے کریں مگر ہمیشہ یہ خیال رکھیں کہ اپنی زندگی کو حسین بناتے ہوئے کسی کی زندگی کو عذاب میں نہ ڈالیں، ناجائز بھی کسی کو تکلیف نہ دیں، ظاہری سی بات ہے انسان اپنی زندگی میں بہت کچھ کھوتا تب اس کو جا کر کچھ ملتا ہے، اس کھونے اور پانے کی حسین دلکش کشمکش کو زندگی کہتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟

عمارہ اعجاز، حافظ آباد

زندگی

☆ زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے اسے جاننا اور پہچاننا بھی مشکل ہے، یہ ایک راز ہے ایسا راز کہ جس نے راز جان لیا وہ مر گیا اور جو نہ جان سکا وہ مارا گیا۔

☆ زندگی سمندر ہے اپنے بادلوں کو نامعلوم سفر پر روانہ کرنے والا، انہیں الوداع کہنے والا اور پھر یہی سمندر اپنے مسافروں کو اپنے دریاؤں کو خوش آمدید کہنے والا بھی ہے۔

عظمیٰ نعیم احمد، ملتان

میرے نفس کی نصیحت

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس سے خلوت برتوں جس سے لوگ بغض و کینہ رکھتے ہوں۔

میں اس حسن پر نگاہ رکھوں جو صورت رنگ اور جدل کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

میں جاگوں جب بستی والے سو رہے ہوں

میں سوؤں جب بستی والے جاگ رہے ہوں۔
میں لبیک کہوں جب کوئی نامعلوم آواز پکارے، جب کوئی خطرہ آواز دے، میں اس سے محبت کروں جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔

فرحین ملک، دھوریہ

تاثیر میرے لہجے کی

O آپ کی ذاتی کائنات میں آپ نے جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔
O تعلق، جذبے، محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔
O نقصان وہ نہیں جو آپ ذاتی دکھ سے ہمکنار کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرا دے۔
O پتا نہیں کیوں انسان اپنا غم سہہ لیتا ہے خود پر گزری برداشت کر لیتا ہے مگر جب کسی عزیز ہستی کو اس دکھ کی بھٹی میں جلتا پاتا ہے تو ضبط نہیں کر سکتا۔
O بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آ جاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔
O ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔
O بے وفائی کو مجبوری کا نام دے کر دنیا والوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے مگر ضمیر کو نہیں۔

فرح راؤ، کینٹ لاہور

قطرہ قطرہ قلزم

☆ ہر حال ایک ہی حال میں رہے کہ عمل اس لئے مشکل ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہ سکتی۔
☆ صحت خراب ہو تو کوئی موسم بھی خوشگوار نہیں ہوتا اور صحت خوشگوار ہو تو کوئی موسم خراب نہیں ہوتا۔
☆ بے وفا، وفا کے بدلے میں ہی تو برائیاں کرتا ہے۔
☆ اہل دل حضرات ذرے ذرے سے دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں اور پتھر دل انسانوں کو احساس کی دولت سے محروم ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔
☆ کل کے دعوے آج کی معذرت بن جاتے ہیں۔
☆ سیاست ہمیشہ میدان میں رہتی ہے اور حکومت ہمیشہ ایوان میں۔
☆ غریبوں کی حالت بدلنے والے خود فریبی کے ذائقے سے نا آشنا ہوتے ہیں۔
☆ موسم بدلنے کا وقت آ جائے تو خود وقت کا موسم بدل جاتا ہے۔
☆ لامحدود آرزوئیں محدود زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں۔
☆ مقدر اور انسان ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں اور ہمیشہ جھگڑا کرتے ہیں۔
☆ کبھی کبھی نیکی اس طرح آتی ہے جیسے بارش۔
☆ کبھی کبھی برائی ایک راستے کی طرح پاؤں کے نیچے آ جاتی ہے۔
☆ انسان جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور انسان فطرتاً اپنے علاوہ کچھ اور ہونا چاہتا ہے۔

حنا کی محفل

عین غین

عظمیٰ نعیم ---- ملتان

س: عرصے بعد اس محفل میں آئی ہوں کیسا لگ رہا ہے؟

ج: اگر کوئی صبح کا بھولا شام کو آ جائے اسے بھولا نہیں کہتے۔

س: ارے کیا کہا کہ بھول گئے؟

ج: ارے بھولا نہیں بہت یاد ہے۔

س: سب سے پہلے شادی کی مبارکباد تو دے دیں؟

ج: نہ بلایا نہ کھلایا اب بتایا، پھر بھی اس خبر سے دل ہوا سوایا۔

س: اب حافظ آباد کے بجائے ملتان سے شامل ہوا کروں گی یاد رکھنا؟

ج: خوشی ہوئی کہ آپ حنا کو نہیں بھولیں۔

س: جی کسی مہربان نے آ کے میری زندگی......؟

ج: خدا اس مہربان کو ہمیشہ مہربان ہی رکھے۔

بشریٰ رشید ---- راولپنڈی

س: میں نے آپ کے لئے لاہور سے لے کر راولپنڈی تک پھول ہی پھول راہ میں بچھائے ہیں کب تشریف فرما ہوں گے؟

ج: لاہور تک بچھائے ہیں میرے گھر تک نہیں۔

س: میں زمانے میں وفا ڈھونڈتی ہوں مگر ملتی نہیں؟

ج: کہتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔

س: محبت کیا ہے؟

ج: خلل ہے دماغ کا۔

س: میں عید پر آپ کا انتظار کروں گی آئیں گے نا؟

ج: چل جھوٹی نہ ہو۔

س: سنجیدگی سے کچھ سوچیں؟

ج: سوچ رہا ہوں اور بھی سنجیدگی سے۔

س: ہم اکٹھے مریں گے اور اکٹھے جئیں گے، کہا تھا نا، آپ نے بھول گئے؟

ج: ان ہونی باتیں بھول یہ جاتی ہیں۔

حنا ناز ---- پنڈ دادنخان

س: اس بار بھی روزے نہیں رکھے؟

ج: مجھے کیوں بتا رہی ہو۔

س: اچھا کتنے رکھے؟

ج: یہ تو تمہیں ہی معلوم ہوگا۔

س: سنا ہے بے روزے سب سے پہلے عید مناتے ہیں؟

ج: تجربے کی بات معلوم ہوتی ہے۔

س: آپ کی عید کب شروع ہوتی ہے؟

ج: جس دن عید ہوتی ہے۔

س: عیدی کتنی ملتی ہے؟

ج: کبھی حساب نہیں رکھا۔

س: کچھ خاص جو کھائیں گے بتائیں؟

ج: جو مل جائے صبر شکر کر کے کھالیں گے۔

میاں منیر احمد انجم ---- فیصل آباد

س: عید کہاں پر منا رہے ہو گھر یا پھر؟

ج: اپنے گھر ہی منالیں گے۔

س: کبھی عید مبارک بھی کہہ دیا کرو کنجوس؟

ج: عید کے دن عید مبارک کہہ دوں گا۔

عید مبارک
تسنیم طاہر

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ
عید آئی ہے دل دکھاتی ہے
یاد بچھڑے ہوؤں کی لاتی ہے
جن سے ملنے کا آسرا ہی نہیں
عید ان کا خیال لاتی ہے

....

عید اس پر خفا ہو گئی ہم سے
کہ ہم نے اسے منایا ہی نہیں
ہم اسے کیا بتائیں کہ عید کا دن
ہمارے آنگن میں کبھی آیا ہی نہیں

....

کتنے ترسے ہوئے ہیں خوشیوں کو
وہ جو عیدوں کی بات کرتے ہیں
فرحین ملک ---- دھوریہ
سنو الفاظ ہیں کم اور تمنائیں ہزار
مبارک ہوں میری جانب سے تمہیں عید کی خوشیاں

....

خوشیوں سے عید ہوتی ہے خوشیوں سے عید کرنا
اپنی اس خوشی میں سب کو شریک کرنا

....

آشیائے حیات عید کا دن
زندگی کا ثبات عید کا دن
صبر و عزم و تحمل کی تصویر
مظہر التفات عید کا دن
اسماء بدر ---- مظفر گڑھ
یہ دن بھی مبارک ہے ملو آ کے گلے سے
پھر ہم سے ذرا ہنس کے کہو عید مبارک

اس سمت چلے ہو تو اتنا اسے کہنا
باقی نہ سنیں صرف تنہا اسے کہنا
ہم نے ہلال عید کے ہاتھ بھجوایا یہ سندیسہ
کرتا ہے تمہیں کوئی یاد بہت بار بار اسے کہنا

....

جسے میں نہیں یاد اسے عید مبارک
جو اوروں میں ہے شاد اسے عید مبارک
معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گیا برباد اسے عید مبارک
عابد محمود ---- ملکہ ہانس
ایسا نہیں کہ تیرے بعد اہل کرم نہیں ملے
تجھ سا نہیں ملا کوئی ورنہ لوگ کم نہیں ملے
اک تیری جدائی کے درد کی بات اور ہے
جن کو نہ سہہ سکے یہ دل ایسے تو غم نہیں ملے

....

تنہا اداس چاند کو سمجھو نہ بے خبر
ہر بات سن رہا ہے مگر بولتا نہیں

....

میں نے یہ سوچ کر بوئے نہیں خوابوں کے درخت
کون جنگل میں لگے درخت کو پانی دے گا
امان اللہ انجم ---- جناب نگر
عید آئی ہے بڑی دھوم سے اس بار مگر
کتنا ویران ہے اس بار بھی گھر تیرے سوا
تیری ہستی کے سوا مانگ کے کیا لینا ہے
ہم نہ مانگیں گے کوئی اور ثمر تیرے سوا

....

عید بھی تیری خوشیاں بھی تیری تو ہمیشہ آباد رہے

دیتا ہے تجھ کو دعا تجھے بھی میری طرح انتظار رہے

....

کبھی دوست بن کبھی دلدار بن کر
روپ بدل بدل کر ڈستے ہیں لوگ
درد دے کر جن کو سکون ملتا ہے
دنیا میں ایسے بھی بستے ہیں لوگ
فریحہ امید چوہدری ---- گوجرانوالہ
وہ اک بار بھی نہ آیا ملنے ہم سے
اور عید ہے کہ پھر آ گئی

....

ہم نے لیا ہونٹوں سے جو نام تیرا
دل ہونٹوں سے الجھ پڑا یہ ہے صرف میرا

....

میں نے چاہا تجھے یہ کچھ نذر کروں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن
جس میں آنکھوں کے [illegible] ہوں موتی لاکھوں
جس میں شامل ہو مرے قلب کی [illegible] دھڑکن
خالدہ ناہید ---- لاہور
شاید تیری نوا سے ملے عید کا پیغام
اے دوست مسکرا کہ طبیعت اداس ہے

....

میرے نزدیک ہی رہتے ہیں مرے اک کرم فرما
وہ جب بھی ملتے ہیں اپنی روزہ داری بتاتے ہیں

....

سحر کے وقت کو ہم نے کبھی دیکھا نہیں
مگر ہر دعوت افطار پہ وہ پائے جاتے ہیں
حنا ناز ---- پنڈ دادنخان
سوچ نگر میں اک خیال آیا ہے
آج پھر دل کے دریچہ میں در آیا ہے
بھول جانے کی جسے قسم کھائی تھی
وہ آج پھر مجھے شدت سے یاد آیا ہے

....

چراغ کی لو دھیمی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو
کل تو ایسا رہے نہ رہے
ابھی سے عادت ختم کر لو

....

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو!
اک پل کو ٹوٹ جائیں جہاں عمر بھر کا ساتھ
فریدہ خانم ---- لاہور
دل یہ کہتا ہے کہ ہر ایک کے آنسو پی لوں
اور کوئی خواب کسی کا نہ ہو ریزہ ریزہ

....

عمر بھر کو داغ دے جاتی ہے ادنیٰ بھول بھی
جرم ثابت ہو نہ ہو الزام پھر الزام ہے

....

وہ میرا ہے جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
ہر قدم ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو
عظمیٰ قسیم احمد ---- ملتان
ناز میں اس کے اٹھاؤں تو شکایت نہ کرے
ہر غم سہہ کر بھی ہنسنے کی ادا رکھتا ہو

....

جو ہو سکے تو توڑ دے اک نگاہ کی ضرب سے
میرے سومنات مزاج کو اس غزنوی کی تلاش ہے

....

مثال موج ہوا دربدر وہ ایسا تھا
بچھڑ کے پھر نہ ملا ہمسفر وہ ایسا تھا
خود اپنے سر لیا الزام بے وفائی تک
کہا نہ کچھ بھی اسے معتبر وہ ایسا تھا
اشعر اقبال ---- سوہاوہ
عشق سمجھے تھے جس کو وہ شاید
تھا بس اک نارسائی کا رشتہ
میرے اور اس کے درمیاں نکلا
عمر بھر کی جدائی کا رشتہ

یار ایک مسئلہ ہے یہ دنیا
یار ایک مسئلہ تو میں بھی ہوں

....

ہم نہیں جانتا محبت کو
ہاں مگر مانتا تو میں بھی ہوں
عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد

یہ دعا ہے میری آتشِ عشق میں تو بھی میری جلا کرے
نہ ہو ہنسنا نصیب تجھے تیرے دل میں بھی درد ہوا کرے
تیرے سامنے تیرا گھر جلے تیرا بس چلے نہ بجھا سکے
پھر تیرے منہ سے بھی یہ دعا نکلے نہ گھر کسی کا جلا کرے

....

دل میں پھر اک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں ہے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں ہم اہتمام عید کا

....

چاک دامن کو جو دیکھا تو ملا عید کا چاند
اپنی تصویر کو کہاں بھول گیا عید کا چاند
ان کی ابروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چھپا عید کا چاند
نبیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور

ان کو دیکھا تو پھر اترا نہ گیا
آسمان تک ہی رہا عید کا چاند

....

ملیں تجھے نہ دکھ زندگی میں
پھول کی طرح تو مہکے خدا کرے
زندہ رہے نام ابد تک تیرا
عید کی خوشیاں تجھے مبارک خدا کرے

....

بڑی یاس میں عید کا دن گزرا
خدا کی قسم تم بہت یاد آئے
ساجینہ یوسف ---- [illegible]

خوشبو بادل پھول یہ کلیاں شبنم تیرے نام
دوست عید کی خوشیاں ہیں سب تیرے نام
جھلمل کرتا نیلا پانی جگمگ کرتے چاند اور تارے
رات کی رانی تارے کرنیں چندا پونم تیرے نام

....

وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید
تمام روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب شب برات ہر روز روز عید

....

جو شخص کھو گیا ہم سے اندھیری راہوں میں
اسی کو ڈھونڈ کے لاؤ کے عید آئی ہے
افشاں زینب ---- شیخوپورہ

یہ دیکھیے اداس نگاہوں کو کیا ملے
ہر طرف پھول بانٹتی پھرتی ہے شام عید
عید کے دن نہ سہی عید کے بعد ہی سہی
عید تو ہم بھی منائیں گے تیری دید کے بعد

....

جشن طرب ہو تم کو مبارک مجھ کو یونہی رہنے دو
عید کا دن خوشیوں کا دن ہے شکوہ لب پر لائیں کیا
توڑ کے رشتے ناطے سارے غیر کی محفل کی آباد
بادِ صبا اب تو ہی بتا ہم رسم عید نبھائیں کیا

....

یہ بھی آداب ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
اک تم ہو کہ سمجھتے نہیں ہو ہم کو
اک ہم ہیں کہ تمہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
علینہ طارق ---- لاہور

مجھ کو اک خواب پریشان سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

رنگ حنا

ایک روز مرتضیٰ سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائب رسول امین دام ظلکم!
ابوبکر اور عمر کے زمانے میں چین تھا
عثمان کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم
کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے پڑ گئے
اپنی تو عقل ہو گئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے؟
ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم

اسماء بدر، مظفر گڑھ

تسلی

بھکاری نے ایک خاتون سے پانچ روپے مانگے تو وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولیں۔
''تم کو شرم نہیں آتی ہمارے علاقے میں بھیک مانگتے ہو؟''
بھکاری تسلی دینے والے انداز میں بولا۔
''آپ کو اپنے علاقے کے بارے میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں میں تو اس سے بھی بدتر علاقوں میں بھیک مانگ چکا ہوں۔''

میاں منیر احمد انجم، فیصل آباد

حنا

تیرنام کی مہندی نے
میرے ہاتھ جو مہکا دیئے تو
عید کے سب رنگ
مہکنے لگے تھے

عمارہ اعجاز، حافظ آباد

شاعر

اک شاعر کے گھر چور گئے کچھ چرانے کو
مگر وہ غریب تو گئے تھے پچھتانے کو
شاعر سمجھا میرے قدر دان آ گئے
بیٹھ گیا انہیں غزل سنانے کو

عظمیٰ نعیم احمد، ملتان

قطعہ

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر برأت سے ڈر لگتا ہے

گولڈن ورڈز

☆ عبادت ایسے کرو کہ روح کو لطف دے جو عبادت دنیا میں مزہ نہ دے گی وہ عاقبت میں کیا جزا دے گی۔
☆ الفاظ کی تقاسیر بدل جائیں تو معتقدین بھٹک جایا کرتے ہیں
☆ نفس کو مال و دولت کے لئے ذلیل مت کرو۔
☆ قسمت وہ مارکیٹ ہے جہاں جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے اور کاہلی ان کی قیمت گھٹاتی ہے۔
☆ بعض حقائق کو ماننے کے لئے ہمیں اپنی انتہائی قوت درکار ہوتی ہے۔

ارج گل، مظفر گڑھ

خوشبو

کل سپنے میں آیا تو
کمرے میں مرے اب بھی

پھیلی ہے کوئی خوشبو

دوری

جان لیوا ہے یہ دوری
دونوں ہی تڑپتے ہیں
کیسی ہے یہ مجبوری؟

امان اللہ انجم، چناب نگر آز

چاند

تجھے دیکھنے کے شوق میں
سرِ شام ہی میں نے
سارے شہر کی بتیاں بجھا دیں
اب تو آجا
سورج بھی ڈوب گیا
رات نے اپنا سیاہ آنچل پھیلا لیا
تیری راہ تکتے تکتے
آنکھیں بھی تھک گئیں
اب تو آجا
اب چاند
تجھے دیکھ کر
ہم عید منا لیں

عابد محمود، ملکہ ہانس

خدا کے خوف سے

ایک صوفی صاحب مذہبی امور کو بڑی لگن سے ادا کرتے لیکن وہ بے چارے ان پڑھ تھے اور حساب کتاب انہیں بالکل نہیں آتا تھا، چنانچہ جب بھی رمضان آتا تو وہ بھول جاتے کہ کتنے روزے رکھے ہیں اور کتنے باقی رہ گئے ہیں، کسی دوسرے سے پوچھنا وہ اپنی توہین خیال کرتے تھے، اب کی بار رمضان آیا تو انہوں نے ایک عمدہ ترکیب نکالی، روزانہ رات کو جب وہ روزہ افطار کرتے تو ایک گھڑے میں ایک پتھر ڈال دیتے، پھر پتھر گن لیتے، ان کا پوتا بڑا شریر تھا، وہ دو تین دن دادا کو یہ عمل کرتے دیکھتا رہا اور ایک دن ڈھیر سارے پتھر گھڑے میں ڈال دیئے، رمضان کے اختتام پر صوفی صاحب نے پتھر گنے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

صبح عید ملنے کے لئے آنے والوں میں سے صوفی صاحب کے ایک بے تکلف دوست نے مذاقاً پوچھا۔

''ہاں بھئی سناؤ کتنے روزے رکھے اب کی بار؟''

''باون۔'' صوفی صاحب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کیا کہا باون؟'' مگر روزے تو تیس ہوتے ہیں۔'' انہیں سنجیدہ دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''خدا کا خوف کرو یار۔''

''میں نے خدا کے خوف سے باون بتائے ہیں ورنہ روزے سو سے اوپر ہو چکے ہیں۔'' صوفی صاحب نے ہنوز سنجیدگی سے جواب دیا۔

فرحین ملک، ڈھوریہ

ذہانت

ایک عالم کا بڑا چرچا تھا کہ وہ روحوں سے بات کروا دیتے ہیں، ایک بچہ بھی اپنی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے محلے بھر میں مشہور تھا ان عامل کے پاس پہنچا اور نذرانہ پیش کرنے کے بعد کہا۔

''میں اپنے دادا کی روح سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اسے ایک اندھیرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں اگر بتیاں جل رہی تھیں، چند لمحوں بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔

''کیوں آئے ہو برخوردار؟'' قریب سے عالم صاحب کے چیلے نے بچے کو ٹہوکا دیا۔

''یہ تمہارے دادا کی روح بول رہی ہے

پڑھ کر کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"دادا جان!" بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ کی روح یہاں کیا کر رہی ہے؟ جبکہ آپ کا تو ابھی انتقال بھی نہیں ہوا۔"

علینہ طارق، لاہور

ایک پنتھ دو کاج

ایک آرٹسٹ کسی خوبصورت کاٹیج کی پینٹنگ بنا رہا تھا۔

"تم میرے کاٹیج کی تصویر بنانے کے بعد کیا کرو گے؟" کاٹیج کے مالک نے پوچھا۔

"اس کو ایک نمائش میں بھیجوں گا۔" آرٹسٹ نے جواب دیا۔

"وہاں تو اسے بہت سارے لوگ دیکھیں گے۔" آرٹسٹ بولا۔

"یہ بات تو سچ ہے۔" مالک مکان۔

"تو پھر ایسا کرو کہ تصویر میں ایک جملہ بھی لکھ دو، یہ مکان کرائے کے لئے خالی ہے۔"

شمائل وہاب، کراچی

اپریل فول

ایک چھوٹا مگر ذہین بچہ اپنی ماں کے کمرے میں آ کر اپنے ملازموں کی شکایت کرنے لگا۔

"امی...... امی بشیر اور نوراں کچن میں ایک دوسرے کی کمر پر ہاتھ ڈالے پتا نہیں کیا باتیں کر رہے ہیں، میں اچانک اندر گیا تو دونوں جلدی سے الگ ہو گئے۔"

"کیا میں ابھی ان دونوں کو بتاتی ہوں بچے کے سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی دونوں کو، بشیر کو تو ابھی نوکری سے نکالتی ہوں اور نوراں کو۔"

بیگم صاحبہ زور زور سے بولتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں، بچے کی تالیاں بجانے کی آواز پر رک گئیں۔

"اپریل فول...... اپریل فون، امی اپریل فول امی وہ بشیر تھوڑی تھا وہ تو ابو تھے۔"

شازیہ نواب، علی پور

بیوی کہیں جسے

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، جنگ کے دوران جرمنی کے جہاز بمباری کے لئے لندن پر پرواز کرنے لگے تو ایک میاں بیوی کمرے سے پناہ گاہ کی طرف بھاگے اچانک بیوی راستے میں سے ہی مڑی اور کہنے لگی۔

"میں اپنے دانت تو اندر ہی بھول آئی۔"

میاں نے غصے سے جواب دیا۔

"ہاں ہاں جلدی سے اٹھا لاؤ جرمن جہاز ابھی ڈبل روٹیاں پھینکیں گے۔"

انشاں اشرف، عارف والا

دشمن

بیمار میاں اپنی تیز مزاج بیگم سے بولے۔

"بیگم میرے مرنے کے بعد تم دھرم سنگھ سے شادی کر لینا۔"

بیگم بولی۔

"کیا کہا، وہ تو تمہارا جانی دشمن ہے۔" بیگم تیوری چڑھا کر بولی۔

میں نے کہا۔

"ہاں بیگم اگر میں اپنی زندگی میں اپنے دشمن سے بدلہ نہیں لے سکا تو مرنے کے بعد ہی سہی۔"

سعدیہ وہاب، سرگودھا

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

عابد محمود: کی ڈائری سے ایک غزل

بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا
چاند کے ساتھ تھیں ملاقاتیں
ہر ملاقات تم کو یاد کیا
رات کی بیکراں اداسی کا
تھام کر ہاتھ تم کو یاد کیا
اپنی آنکھوں کے خشک صحرا میں
لے کے برسات تم کو یاد کیا

فریدہ جاوید فری: کی ڈائری سے غزل

یقین مجھ کو اس کا کہاں رہ گیا ہے
فقط اب تو دل میں گماں رہ گیا ہے
کہا تھا کبھی اس نے آنے کا لیکن
نہ جانے وہ اب تک کہاں رہ گیا ہے
جہاں دیپ جلتے تھے اس کی چاہت کے
وہاں ان چراغوں کا دھواں رہ گیا ہے
محبت وفا دوستی خواب نکلی
بس اک حسرتوں کا جہاں رہ گیا ہے
کل جو آباد تھیں بستیاں ہر طرف
اب ان کی بربادیوں کا نشاں رہ گیا ہے

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک دلکش غزل

یہ پل یہ ساعت سعید مبارک
اے دوست تجھے عید مبارک
ہر رات گزرے مسکراتی گنگناتی
ہر روشن دن کی امید مبارک
جسے تو چاہے وہی آ کر ملے تجھ سے
جسے تو سنے وہی نوید مبارک
ہر شخص ہر منزل ہر خوشی ہر سفر
ہر خیال ہر آرزو ہر امید مبارک
وہ چہرہ جسے دیکھنے کو ترسیں آنکھیں
تاعمر اس رخ روشن کی دید مبارک
جہاں میں بکھری خوشبو مہکے تیرے گھر
سب لوگ کہیں ہنس کر عید مبارک

محمود سجاد پرنس: کی ڈائری سے ایک غزل

نجانے کیوں ہم کو سب کچھ پرانا اچھا لگتا ہے
یہ وحشت ہم کو خوشیوں سے ویرانہ اچھا لگتا ہے
تنہائی کے کاموں میں محبت کی زباں لے کر
کسی کی بے وفائی نے بہت ہم کو رلا ڈالا
مگر اب تو رونے کا بہانہ اچھا لگتا ہے
یادوں کے سرہانے بیٹھ کر ہم رات بھر روئے
سکھایا جس نے رونا وہ شانہ اچھا لگتا ہے
صحرا کی اوٹ میں جب ڈوبتا سورج سرخی پھیلاتا ہے
تب شام کے ہارے پنچھی کا آشیانہ اچھا لگتا ہے
صبح کی وہ مست ہوا جب چھو کر گزرے شبنم کو
یہ منظر دیکھ کر کلیوں کا مسکانا اچھا لگتا ہے
یہ قول ہے داناؤں کا جنہیں بھولو وہ آتے ہیں یاد
جب ہی تو پرنس کو تیرا بھلانا اچھا لگتا ہے

امان اللہ انجم: کی ڈائری سے ایک نظم

''عید مبارک''

اے باد صبا عید مبارک اسے کہنا
کہنا کوئی کرتا ہے تجھے یاد ابھی تک
اک دل تری یادوں سے ہے آباد ابھی تک

کہنا ہے تمہیں عید گزشتہ کی طرح سے
شدت سے خیال آئے گا اس بات کا دن بھر
اک اور برس بیت گیا تجھ سے بچھڑ کر
کہنا یہ فقط ان کے لئے عید کا دن ہے
جن کے لئے محبوب کی یہ دید کا دن ہے
اے کاش کہ یہ عید بھی اپنے لئے ہوتی
مہندی سے ترا نام ترے ہاتھ پہ لکھتے
کچھ پھولوں کے گجرے ترے بالوں میں سجاتے
اے کاش اس سال تو ہم عید مناتے

بشریٰ رشید علوی: کی ڈائری سے ایک غزل

سوچ کی وادیوں میں گم ہو جائیں
درد کی چاہتوں میں گم ہو جائیں
اجلا چہرہ بھی ہو گیا دھندلا
دھند ہے آئینوں میں گم ہو جائیں
دل کہ آبادیوں سے ڈرتا ہے
آؤ ویرانیوں میں گم ہو جائیں
اب تو چہرے سے غم نمایاں ہے
غم کی پرچھائیوں میں گم ہو جائیں
آج ڈوبا ہے آس کا سورج
غم کی تاریکیوں میں گم ہو جائیں
سکھ نہ آئے گا اپنے گھر بشریٰ
زیست کے فاصلوں میں گم ہو جائیں

اسماء بدر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''ہلال عید کی شب''

تیرے چمن میں
روز عید کی چاندنی جگمگائے
میری دعا ہے کہ
تیرے گھر کے آنگن میں
ستاروں کی مالا اترے
مسرت کے ان لمحوں میں
خوشیاں تیرے ارد گرد جھلملائے
بہاروں سے تیرا دامن بھر جائے

خالدہ ناہید: کی ڈائری سے ایک نظم

''کیوں؟''

محبتوں کے شہد میں یہ زہر کیوں ملا دیا
ہنستی اور کھیلتی آنکھوں کو کیوں رلا دیا
کچھ ہاتھوں میں گلاب تھے کچھ آنکھوں میں خواب تھے
معصوم خواہشوں کو یوں مٹی میں کیوں ملا دیا
بہت سے اور کھیل تھے کہیں دلوں کے میل تھے
یہ کھیل خاک و خون کا تو نے کیوں رچا دیا
جو تو یقیں سے دور تھا تو ان کا کیا قصور تھا
ان کے یقیں کی منزلوں کو تو نے کیوں لا دیا
اسی پہ تو چلا پھرا اسی پہ تو پلا بڑھا
اس پاک سر زمین کو پھر ایسا کیوں بنا دیا

فرحین ملک: کی ڈائری سے دلکش نظم

میں نے چاہا
کہ ایسا تحفہ تیری نذر کروں
جسے تو عمر بھر یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ نے
میرے ہاتھ بلند کیے
کچھ لفظوں کے پھول، دعاؤں کے پنچھی
دل کی گہرائیوں سے آزاد کیے
کہ آنے والے موسموں میں
غم کی گھٹائیں، کبھی تیری قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے دیئے سدا چمکیں
خدا تیرا دامن حسرتوں سے ہمکنار کرے
کبھی جو تو زندگی کی کڑی دھوپ میں
ڈھلتی عمر کی شام میں
پلٹ کر دیکھے تو
بہت سی خوش رنگ یادیں
گلاب لمحوں کی دلفریب باتیں
بیتے لمحوں کی چاندنی، تیرے دل کو بہلائے
تو گزرتے لمحوں سے پیار کرے

خدا کرے ... تیری عمر دراز کرے — اگر وہ خواب ہے تو تعبیر کر کے دیکھتے ہیں

ارنج گل: کی ڈائری سے ایک نظم

"صرف"

چاند تو کسی فلک کو
نصیب ہی سے ملتا ہے
میں نے کب
کسی ماہتاب کے لئے
کوئی بے چین آرزو کی تھی
میں نے تو صرف اپنے آسماں کے لئے
تارے مانگے تھے

عظمیٰ نعیم احمد: کی ڈائری سے ایک نظم

میں دعائیں مانگتی
بس اتنا کہتی ہوں
اے میرے خدا!
میری زندگی کے چاہے
سارے دیپ بجھا دے
اس کی آنکھوں کا ہر خواب
سلامت رکھنا

امان اللہ انجم: کی ڈائری سے ایک غزل

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
تو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
تو اپنے آپ کو برباد کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے ہرن اس کو دشت بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
مبالغے ہی سہی، سب کہانیاں ہی سہی

حنا ناز: کی ڈائری سے دلکش نظم

"چوڑیوں کا موسم"

تو رکھ لے مری چوڑیاں
اب نہیں ضرورت ان کی
تو جو چلا جائے گا
یہ بے درد بہت درد دیں گیں
راتوں کو تیری یاد دلائیں گیں
ساری رات جگائیں گیں
اس سے بہتر تو ساتھ لے جا اپنے
جب ملے گا کچھ عرصہ بعد
پہنا دینا اپنے ہاتھوں سے
مسکرا دینا اس کے ساز پر
بس میں انتظار کروں گی
تیرے جلد لوٹ آنے کا
عید پہ چوڑیوں کے موسم کا

سعدیہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم

"تم نے پھر کر نہیں کیا ہوں؟"

ایک ادھوری نظم کا مصرعہ
یا کوئی بیمار پرندہ
کاپی میں اک زندہ تتلی
یا اک مردہ پیلا پتہ
آنکھ ہو کوئی خواب زدہ سی
یا آنکھوں میں ٹوٹا سپنا
پلکوں کی دیوار کے پیچھے
پاگل قیدی یا اک آنسو
دھوپ میں لپٹا لمبا صحرا
یا پھر خوف زدہ سا بچہ
ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا
یا کوئی بھولا بسرا وعدہ

مہندی کے رنگ

ادارہ

عید پکوان

افراح طارق

عید الفطر پر میٹھے کا مطلب ہے شیر خورمہ لیکن اس بار ہم آپ کو سویوں کی بھی کئی ایک تراکیب بتا رہے ہیں جو نہ صرف مہمانوں کو بھائیں گی بلکہ گھر والے بھی آپ کی تعریف کریں گے، یقین نہ آئے تو آزمالیں۔

شیر خورمہ

اشیاء

دودھ	دو لیٹر
سویاں	دو کھانے کے چمچے
چاول	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	دو کھانے کے چمچے
شکر	ایک کپ
بادام	نصف کپ کٹے ہوئے
پستے	نصف کپ کٹے ہوئے
چھوہارے	چار عدد (ابال لیں)
کدوکش ناریل	نصف کپ
سبز الائچی	دس عدد پسی ہوئی
زعفران اور کیوڑہ	حسب ضرورت

ترکیب

سویوں کو چورا کر کے ذرا سے گھی میں فرائی کر لیں، باداموں کو بھی کاٹ کر تل کر الگ رکھ لیں، پستے کو بھی کاٹ لیں، ناریل کو بھی تل لیں، نکال کر الگ کر لیں، بھیگے ہوئے چاولوں کو پانی سے نکال کر اچھی طرح باریک پیس لیں، دودھ کو اتنا ابالیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے، چولہے سے دودھ ہٹا کر ذرا ٹھنڈا ہونے دیں، دودھ نیم گرم ہو تو اس میں سویاں اور چاولوں کا آٹا ڈال کر نصف گھنٹے تک پکائیں، اس میں ابلے شکر چھوہارے، سبز الائچی، تلا ناریل، بادام، پستہ اور شکر ڈال کر پکنے دیں، دس منٹ بعد زعفران اور کیوڑہ ملا لیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا ہونے دیں، لذیز شیر خورمہ تیار ہے۔

اسپیشل سویاں

اشیاء

سویاں	آدھا کپ چورا
کنڈینسڈ ملک	ایک ٹن
دودھ	تین کپ
تیل	دو کھانے کے چمچے
سبز الائچی	تین عدد کچلی ہوئی

ترکیب

تیل گرم کر کے اس میں سبز الائچی اور سویاں ڈال کر ایک منٹ تک تلیں، تمام اقسام کے دودھ ڈال کر اتنا پکائیں کہ سویاں گاڑھی ہو جائیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا کر لیں، اسپیشل سویاں تیار ہیں۔

سویوں کی پڈنگ

اشیاء

پھیکا مکھن	چار کھانے کے چمچے
سویاں	دو کپ چورا کر لیں
گرم دودھ	اٹھ کپ
سبز الائچی	آدھا چائے کا چمچہ

کشمش — دو چائے کے چمچے
بادام — چھلے ہوئے، تین چائے کے چمچے
شکر — ایک کپ
پستہ — دو چائے کے چمچے، (ہوائیاں)

ترکیب

دھیمی آنچ پر مکھن گرم کر کے چورا سویاں ڈال کر اتنا بھونیں کہ سنہری ہو جائیں، گرم دودھ ڈال کر ابال آنے دیں پھر بادام اور الائچی شامل کر دیں، آدھے گھنٹے تک پکنے دیں، اس دوران چمچہ مسلسل چلاتی رہیں، شکر بھی شامل کر دیں، مزید پانچ سے دس منٹ تک پکائیں، ڈش میں نکال کر ٹھنڈا کر لیں، کشمش اور پستہ چھڑک لیں، ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

سویوں کا مزعفر

اشیاء

سویاں — ۲۵۰ گرام
شکر — آدھا کلو
گھی — ایک کپ
دودھ — ایک کلو
سبز الائچی — دس دانے کچلے ہوئے
زعفران — آدھا چائے کا چمچہ
پیلا رنگ — آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستہ — حسب پسند
چاندی کے ورق — حسب خواہش

ترکیب

شکر میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں، اس میں پیلا رنگ ملا لیں، گھی میں سویاں ڈال دیں، سنہری ہو جائیں تو اس میں دودھ ملا کر دھیمی آنچ پر اتنا پکائیں کہ سارا دودھ سویوں میں جذب ہو جائے، اب سویوں میں پیلا شیرہ ڈال دیں، ساتھ ہی بادام اور پستہ ملا دیں، ورق لگا دیں، لذیذ مزعفر تیار ہے۔

بادامی سویاں

اشیاء

سویاں — ۲۵۰ گرام
گھی — ۲۵۰ گرام
بادام — ۲۵۰ گرام
شکر — ۷۵۰ گرام
کھویا — ۲۵۰ گرام
دودھ — ایک کلو
پیلا رنگ — آدھا چائے کا چمچہ
بادام، پستہ — حسب پسند
زعفران — حسب ضرورت
کریم — نصف کپ
کیوڑہ — چند قطرے

ترکیب

گھی گرم کر کے چورا کی گئی سویاں دھیمی آنچ پر سنہری کر لیں، دس منٹ بعد خوشبو آنے لگے تو پہلے سے ابلا دودھ اس میں شامل کر کے پیلا رنگ (پانی میں گھول لیں) بھی ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ دودھ جذب ہو جائے اور سویاں گل جائیں، بادام پیس لیں، کھویا بھون کر سویوں میں ڈال کر بادام بھی ملا لیں، چینی میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں اور سویوں میں شامل کر کے پانچ منٹ کے لئے تیز اور پانچ منٹ کے لئے دھیمی آنچ میں سویاں پکائیں، کیوڑے میں زعفران گھول کر سویوں میں ڈال کر اتار لیں، لذیذ بادامی سویاں تیار ہیں۔

کچی چکن بریانی

اشیاء

چکن — ڈیڑھ کلو (۱۲ ٹکڑے کروالیں)
دہی — ایک کپ
ادرک، لہسن، پیسٹ — دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر — حسب ضرورت
نمک — حسب ضرورت
پیاز — دو عدد سنہرے کر کے چورا کرلیں
تیل — ایک کپ
گرم مصالحہ — ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کٹا سبز دھنیا — چار چائے کے چمچے
کٹی سبز مرچیں — چھ عدد
چاول — آدھا کلو
دار چینی — ایک انچ کا ٹکڑا
سبز الائچی — چار عدد
سیاہ زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
نمک — تین چائے کے چمچے
زعفران — آدھا کپ دودھ میں ذرا سا بھگی ہوئی
کیوڑہ — ذرا سا
آٹا (ذرا سا) — پانی ملا کر گوندھ لیں

ترکیب

دہی میں ادرک، لہسن، سرخ مرچ، نمک اور نصف مقدار میں سرخ پیاز، تیل گرم مصالحہ، دھنیا اور سبز مرچیں ملا کر چکن شامل کر کے دو سے تین گھنٹوں کے لئے رکھ چھوڑیں، دوسری طرف چاول میں دار چینی، سبز الائچی، سیاہ زیرہ اور نمک ملا کر ایک کنی پر ابال لیں، ایک بڑی دیگچی میں چکن کو اس کے دہی والے مرکب سمیت تہہ کی صورت بچھا لیں، اب اس پر چاول کی تہہ لگالیں، اب ان چاولوں پر چورا کی ہوئی بقیہ پیاز ڈال کر، دیگچی کا ڈھکن بند کر کے دم پر رکھ دیں، ان چاولوں کو کافی دیر تک دم دینا ہے، تاکہ چکن گل جائے۔

لبنانی کباب

اشیاء

قیمہ — آدھا کلو
ابلے آلو — دو عدد
پیاز — دو عدد درمیانے
ابلی میکرونی — ایک کپ
بڑے ٹماٹر — دو عدد کٹے ہوئے
ابلے مٹر — تین سے چار کپ
سبز مرچیں — ۶ سے ۸ عدد
نمک — حسب ذائقہ
تیل — تلنے کے لئے
ادرک لہسن پیسٹ — ایک کھانے کا چمچ
ڈبل روٹی کا چورا — ایک کپ
پھینٹے انڈے — دو عدد

ترکیب

دھیمی آنچ پر قیمے میں ادرک، لہسن اور ٹماٹر نمک ملا کر پکا لیں، جب سارا پانی خشک ہو جائے تو مرکب کو ٹھنڈا ہونے دیں، پھر تمام اشیاء ملا کر یکجان کرلیں، لمبوترے کباب بنالیں، پھینٹے انڈے میں ڈبو ڈبو کر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر گرم تیل میں فرائی کرلیں، خیال رہے آنچ دھیمی ہونا چاہیے، عید ٹرالی کے لئے بہترین انتخاب ہے۔

کبابی مٹن

اشیاء

مٹن — آدھا کلو
دہی — آدھا کپ
پسی ہوئی پیاز — نصف کپ
پسی ادرک — ایک چائے کا چمچہ
پسا لہسن — ایک چائے کا چمچہ

سرخ مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچہ
تیل آدھا کپ

ترکیب

تیل کے علاوہ تمام اشیاء کو مٹن میں ملا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ چھوڑیں پھر اسے ابال لیں، جب گوشت گل جائے تو گرم تیل میں مٹن مل لیں، جب سنہری ہو جائے تو نان کے ساتھ پیش کریں۔

دہی پھلکیاں

اشیاء

بیسن	ایک پاؤ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ سفید	ایک تولہ
لہسن	ایک بڑی پوتھی
پیاز	دو چھٹانک
دھنیا سبز	دو تولے
پودینہ	دو تولے
سیاہ مرچ	دو ماشے
انڈہ	ایک عدد
عمدہ دہی	ایک کلو

ترکیب

پیاز کو باریک تراش لیجئے اور تمام چیزوں کو باریک پیس کر بیسن میں ملا لیجئے اور پانی ڈال کر بیسن کو اس قدر پھینٹ لیجئے کہ سفید ہو جائے پھر پیاز بھی ڈال دیجئے اور گھی یا تیل میں پھلکیاں تل لیں، پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر پہلے پاس رکھ لیجئے اور پھر پھلکیوں کو کڑھائی سے نکال کر پانی میں ڈالیے، جب سب پھلکیاں تل لیں تو پانی سے نکال کر انہیں نچوڑ کر دہی میں ڈال دیجئے، ضرورت ہو تو مزید نمک اور سرخ مرچیں پیس کر چھڑک لیجئے، عید کے موقع پر مہمانوں کو نوش فرمائیں۔

آلو کی کچوریاں

اشیاء

آلو آدھا کلو ابال لیں اور چھلکا اتار کر بھرتہ بنا لیں

پیاز	ایک عدد درمیانہ سائز کٹی ہوئی
ہرا دھنیا	ایک گٹھی باریک کٹا ہوا
ہری مرچ	چار عدد
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ، پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
لیموں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

آٹے میں گڑ کا شیرا، اجوائن، سوڈا اور نمک ڈال کر گوندھ لیں، مزید پانی ڈال کر آٹے کو نرم کریں، جتنا نرم ہو گا کچوریاں اتنی یہ خستہ بنیں گی، آلو کے بھرتے میں سارے مصالحے اور لیموں کا رس ملا دیں چولہے پر کڑاہی میں تیز آنچ پر تیل گرم کریں، جتنی دیر میں تیل گرم ہو، پوری کے پیڑے کے برابر آٹا لے کر پانی سے ہاتھ گیلا کر کے پیڑے کو ہاتھ پر پھیلائیں پھر اس میں مصالحہ ملے ہوئے تھوڑے سے آلو رکھ کر دوبارہ ہاتھ گیلا کر کے چاروں طرف سے اٹھا کر بند کر دیں، گیلے ہاتھ سے ذرا سا دبا کر دوبارہ پھیلا لیں، پھر ہلکی آنچ پر تلنا شروع کر دیں، جب اچھی طرح مل جائے تو نکال کر پلیٹ میں اخبار بچھا کر رکھ دیں تاکہ تیل اچھی طرح جذب ہو جائے اور عید کے موقع پر مہمانوں کو نوش فرمائیں۔

کس سے کہا بات کی پہنائی ہے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔

آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ، اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

رمضان المبارک کی مقدس اور بابرکت ساعتوں کے اختتام پر عید مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور تحفہ ہے، یہ اجتماعی، مذہبی تہوار ہے اس دن تمام دنیا کے مسلمان خوشیاں مناتے ہیں۔

عید الفطر مسلمانوں کا صرف ایک رسمی تہوار ہی نہیں بلکہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے، دنیا بھر کے مسلمان اس مقدس دن کا آغاز اللہ کے حضور سربسجود ہو کر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔

عید اجتماعی خوشی کا نام ہے اور یہ خوشی اس وقت مکمل ہوتی ہے جب ہر دل تک پہنچے، آپ کے اردگرد یقیناً کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو یہ خوشیاں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہوں گے، انہیں بھی اپنی خوشیوں میں شریک کریں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو خوش کرے گا۔

ہماری دعا ہے کہ یہ عید تمام مسلمانوں کے لئے امن عافیت، خوشیوں اور محبت کا تحفہ لے کر آئے آمین۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں، آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں

اور حسب عادت درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کو ورد زبان کرتے ہیں، اس میں ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی چھپی ہے۔

یہ پہلا خط ہمیں لیہ سے آنسہ غزل کا موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

جون کا شمارہ سفید لباس میں سجی ثروت گیلانی کے ساتھ ٹھنڈک کا احساس دلا گیا، ہمیشہ کی طرح حنا کے ٹائٹل کو داد دیتے ''کچھ باتیں ہماریاں'' میں پہنچے اور ایک آہ بھر کر رہ گئے، سردار محمود صاحب کے لئے دلی طور پر دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے آمین، انشاء [illegible] نامہ میں انشاء جی سوالنامہ کھولے بیٹھے تھے، ''اے دور نگر کے بنجارے'' سردار محمود صاحب کے لئے ان کے چاہنے والوں کے تاثرات افسردہ کر گئے، پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں میں روزے کے متعلق بہت سی باتوں کا پتا چلا، فوزیہ آپی نے رمضان کے حوالے سے بہترین وظائف بتائے، جزاک اللہ، اس کے بعد سب سے پہلے مصباح نوشین کے ناول ''ادھورے خوابوں کا محل'' میں پہنچے بہت خوب مصباح آپ نے اس قسط کو بڑی محنت سے لکھا، کہانی انتہائی دلچسپ ہے، اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، ارے یہ کیا اس مرتبہ تو سونیا چوہدری صاحبہ بھی تشریف لائی ہوئی ہیں ''میرے اجنبی میرے آشنا'' بہت زبردست لکھا سونیا چوہدری آپ نے، آپ کم لکھتی ہیں مگر اچھا لکھتی ہیں، ناولٹ میں سیمیں کرن کا ''سات گرہ'' سمجھ نہیں

نہیں آیا تھوڑی کلاسیکل تحریر تھی، آپی پلیز ناولٹ دو عدد دیا کریں، کافی عرصے سے آپ ایک ناولٹ پر ہی ٹرخا رہی ہیں، سلسلے وار ناولوں میں سب سے پہلے اپنی موسٹ فیورٹ مصنفہ سدرۃ آپی کو پڑھا، اللہ سدرۃ جی آپ نے کیا کمال کی تحریر لکھی ہے، آپ کے ناول کا ایک ایک کردار اپنے اندر پُراسراریت کو سمیٹے ہوئے ہے، ہر مرتبہ ایک نئی چونکانے والی چیز پڑھنے کو ملی، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، اتنی اچھی تحریر لکھنے پر آپ مبارک باد کی مستحق ہیں، اب بات کریں ام مریم کی، واہ کیا بات ہے ام مریم آپ کی، آپ کا یہ ناول ''دل گزیدہ'' اپنے نام سے ہی نہیں اپنی کہانی کے اعتبار سے بھی افسردہ سا ہے، بلاشبہ کہانی کا تانا بانا بڑی خوبصورتی سے بنا گیا ہے ہر کردار اپنی اپنی جگہ فٹ ہے مگر منیب کا کردار بے حد اچھا ہے بس کمی محسوس ہو رہی ہے آپ کے ناول میں کسی چیز کی تو وہ ہے [illegible] کردار کی پلیز آگے چل کر کوئی ایسا کردار ضرور لائیے گا جو سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دے، نایاب جیلانی ''پربت کے اس پار کہیں'' سے ہمیں بلا رہی تھیں، کہانی میں نیا موڑ آیا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مورے کا تعلق کسی نہ کسی طرح بٹو گھرانے سے ہوگا اور فرح بیگم کی یکا یک پاکستان آمد خاصی پراسرار ہے، ہیام کو اللہ کرے اس کی خوشیاں مل جائیں، عزہ خالد ایک طویل عرصے پر ''ہر دل کی ضرورت'' کہتی نظر آئیں، افسانہ انتہائی مختصر مگر دلچسپ تھا اور یہ سحرش بانو کو بھی آخر ہمارا خیال آ ہی گیا، سحرش آپ کی یہ تحریر ''جنہیں راستے میں خبر ہوئی'' چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ تحریر میں دلچسپی کا عنصر نہ ہونے کے برابر صرف اسی وجہ سے تھا کہ آپ نے طویل عرصے سے کچھ لکھا نہیں، [illegible] آپ کا [illegible]

حنا کے اچھے لکھنے والوں میں ہوتا ہے، اب جب کے آپ کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آ رہی تھیں مدھم کیوں پڑ گئیں، عظمیٰ شاہین کی ''شہر دل'' اور طیبہ مرتضیٰ کی ''بے حسی'' احساس موضوع پر کہانیاں تھی دونوں ہی پسند آئیں، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ اور رنگ حنا میں تمام قارئین کا ذوق نکھر کر سامنے آیا، جبکہ میری ڈائری اور بیاض بھی آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا، کس قیامت کے یہ نامے میں ہر ایک نے بڑی خوبصورتی سے حنا کی تحریروں پر اپنی رائے دی، دستر خوان اور حنا کی محفل تو ہوتی ہی چٹ پٹی ہے۔

آنسہ غزل خوش آمدید اس محفل میں، جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی رائے ہم نے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچا دی ہیں، ہم آئندہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

[illegible] تو یہ [illegible] کر [illegible] سکتی ہیں۔

پیاری آپی حنا میں یہ میرا پہلا خط ہے امید ہے حوصلہ افزائی ہوگی، حنا میں نے بہت چھوٹی سی عمر سے پڑھنا شروع کیا یہ دن بہ دن پہلے سے زیادہ معیاری ہوتا جا رہا ہے، جس کے لئے آپ کو مبارکباد، آپی میں حنا کے پچھلے شمارے پر اس لئے بھی تبصرہ نہیں کر پاؤں گی، کیونکہ یہاں حنا کافی لیٹ ملتا ہے، لیکن پھر بھی جیسے ہی آتا ہے، محض ایک گھنٹے میں سارا چٹ پٹ کر جاتے ہیں سلسلے وار ناول دونوں ہی سپر جا رہے ہیں، نایاب جیلانی کا اسٹائل لکھنے کا بہت زبردست ہے اور حنا میں جو بھی رائٹرز لکھتی ہیں، زبردست لکھ رہی ہیں گویا قلم کا صحیح حق ادا کر رہی ہیں۔

آپی میں بھی اپنی تحریر بھیج رہی ہوں امید ہے کہ آپ ضرور حوصلہ افزائی کریں گی۔

[illegible] خوش آمدید [illegible] آپ کی تحریر مل گئیں

ہیں قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہوں گی۔ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا حنا کو پسند کرنے کا شکریہ۔

فائزہ خان: سیالکوٹ سے لکھتی ہیں۔

جون کا شمارہ اپنے سرورق کی وجہ سے بے حد پسند آیا، سرورق پر بھی ثروت گیلانی کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد آگے بڑھے، اسلامیات کے روح پرور سلسلے سے دل و دماغ کو تر و تازہ کیا، فوزیہ آپی اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے، روزے کی عبادات و فضلیت پر تفصیل سے لکھا، معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا، بہت شکریہ فوزیہ آپی۔

آگے بڑھے تو پیاد سردار محمود میں پہنچے، پڑھ کر افسردہ ہو گئے، سلسلے وار ناولوں میں سب سے پہلے سدرۃ المنتہیٰ کو پڑھا، جیسے کہ ہمیں یقین تھا سدرۃ آپی نے اینڈ اس بار بھی نہیں کیا، دوسرا مکمل ناول ام مریم کا "دل گزیدہ" ہے ام مریم نہ جانے کیوں اس مرتبہ آپ کے ناول میں بوجھل پن نمایاں ہے وہ طرز تحریر ہمیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا، جو آپ کا خاصہ ہے، منیب اتنا شدت پسند کیوں ہے کہ اس سے نفرت ہونے لگی ہے اور ہماری ساری ہمدردیاں غانیہ کے ساتھ ہیں، جبکہ دوسری طرف مون کا کردار بھی خاصا پراسرار ہے، ابھی تک کھل کر سامنے نہیں آیا، ہاں منیب کے والد کی گفتگو سے کہانی میں تھوڑا سا مزاح پیدا کیا ہے آپ جو کہ اچھا لگتا ہے، مصباح نوشین کا مکمل ناول "خوابوں کا محل" پڑھ کر نہ جانے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ مصنفہ صاحبہ نے کسی انگلش ناول سے متاثر ہو کر یہ ناول لکھا ہے اور یہ ہیروئین کا نام "پیا" کیا ہوا، عجیب سا محسوس ہوتا ہے کہانی بھی وہی گھسی پٹی شادی کر کے باہر جانا، شوہر کا اچھا نہ ہونا وہی ایک

ہمدرد کا مل جانا عمل رکا اینڈ محبت اور پھر ساری ٹائیں ٹائیں فش، مصباح آپ سے ہمیں ایسی تحریر کی امید نہیں تھی، سونیا چوہدری "میرے اجنبی میرے آشنا" کے ساتھ آئیں، ہلکے پھلکے انداز میں لکھا گیا ناول بے حد پسند آیا، گاؤں کے ماحول کی عکاسی بڑے خوبصورت انداز میں کی گی، پڑھ کر مزہ آیا، سونیا جی آپ سے ہمیں ایک شکوہ ہے کہ آپ کافی لمبے لمبے بریک لینے لگ گئی ہیں، پلیز اپنے لکھنے میں اتنا لمبا وقفہ نہ ڈالا کریں، اب بات ہو جائے نایاب جیلانی کی، نایاب کا ناول "تربت کے اس پار کہیں" اللہ اللہ کر کے کردار کھل کر سامنے آئے ہیں، ورنہ تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ اور ہم ہمام، اسامہ، مورے اور عمکیہ کے درمیان فرق کو سمجھنے میں ہی گھن چکر بنے ہوئے تھے، ناولٹ میں سیمیں کرن کا نام جگمگا رہا تھا سیمیں کرن نے معاشرہ میں پلتے ایک ایسے ناسور پر قلم اٹھایا جس پر لکھنا بے حد مشکل ہے، انتہائی حساس موضوع جو ہمارے معاشرے میں عام ہے نہ جانے یہ بات لڑکیوں کو کب سمجھ آئے گی کہ منہ سے کہہ دینے سے کوئی بھائی نہیں بن جاتا، سیمیں اتنا اچھا ناولٹ لکھنے پر آپ مبارک بادکی مستحق ہیں۔

افسانوں میں عزہ خالد، عظمیٰ شاہین اور سحرش بانو کی تحریروں نے متاثر کیا جبکہ سحرش بانو اور طیبہ مرتضیٰ نے بھی اچھی کوشش کی، اب بات ہو جائے مستقل سلسلوں کی، میری ڈائری میں فرحین ملک، فرح طاہر اور افشاں زینب کی پسند لاجواب تھی، جبکہ بیاض میں سبھی نے ایک سے بڑھ کر ایک اشعار کا انتخاب کیا، حنا کی محفل میں عین غین حسب عادت قہقہوں کی برسات بکھیر دیئے تھے، رمضان کے حوالے اس مرتبہ دستر خوان پسند نہیں آیا، جبکہ حاصل مطالعہ اور رنگ حنا

میں سب کی پسند بہترین تھی، کس قیامت کے یہ نامے، میں فوزیہ آپی ہر ایک کو محبتیں بانٹتی نظر آئیں آپی پلیز آپ ایک دن حنا کے ساتھ میں سباس گل اور نایاب آپی کو حاضر کریں۔

فائزہ خان خوش آمدید اس محفل میں، جون کے شمارے پر آپ کا تفصیلی تبصرہ بے حد پسند آیا، آپ کی رائے مصنفین کو پہنچا دی گئی ہیں، آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر انشاء اللہ جلد آپ ایک دن حنا کے ساتھ میں سباس گل اور نایاب کے بارے میں پڑھیں گی، اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا، ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

رفیعہ خالد: کی ای میل سرگودھا سے موصول ہوتی ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

جون کا شمارہ بے حد پسند آیا، اقتباسات سے لے کر نامے تک ہمیں ادارے کی محنت نظر آ رہی تھی، ام مریم کا ''دل گزیدہ'' روز بروز دلچسپ ہوتا جا رہا ہے مریم آپ کے اس میں اتنی یونیک کہانیاں آتی کیسے ہیں، ماشاء اللہ آپ کی یہ ناول آپ کے دوسرے ناولوں سے مثبت کر، ان ناولوں کی ابتداء محبت سے ہوئی اس کی اینڈ نفرت سے، آگے دیکھتے ہیں کہ اور کیا کیا تبدیلی ہے، سدرۃ المنتہیٰ میں آپ کی طرز تحریر کی کیا ہی تعریف کریں، آپ ناول ''اک جہاں اور ہے'' واقعی کسی اور جہاں میں لے جاتا ہے جہاں روحانیت، تصوف اور صوفیانہ پن کا عروج ہے ہر کردار اپنی اپنی جگہ اہم ہے، آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے، نایاب جیلانی کو ابھی تک پڑھا نہیں جبکہ مصباح نوشین کی تحریر سسپنس ہونے کے باوجود کہانی میں کوئی خاص کشش نہیں جو کہ قارئین کو اپنے سحر میں مبتلا کر پائے اور ہیروئین کی دو شادیاں کروانا شاید مصباح کو بہت پسند ہے، جبھی تو ان کی یہ تحریر میں ایسا کردار موجود ہوتا ہے، سونیا چوہدری نے بھی اچھی کوشش کی، افسانوں میں کسی ایک کی تعریف کرنا بقیہ کے مصنفین کے ساتھ نا انصافی ہوئی، سبھی نے بے حد اچھی کوشش کی، مستقل سلسلے اپنی اپنی جگہ سبھی بہترین تھے، سردار محمود صاحب کے لئے ہماری طرف سے بہت سی دعائیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں خاص جگہ عطا کرے آمین۔

رفیعہ خالد جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

''اعتراز''

ناگزیر وجوہات کی بناء پر مصباح نوشین کے مکمل ناول کا تیسرا حصہ شائع نہیں ہو سکا انشاء اللہ اگست میں شائع کیا جائے گا۔